بشکریہ :۔ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیش کش :۔ محمد احمد ترازی

علم و عمل

(وقائع عبد القادر خانی)

جلد دوم

ترجمہ

مولوی معین الدین افضل گڈھی

ترتیب و حواشی

محمد ایوب قادری بی۔ اے

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

بشکریہ:۔ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

بشکریہ:۔ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

ناشر

سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

رجسٹرار

اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

بی روڈ

سعیدہ منزل

متصل سرسید گرلس کالج

ناظم آباد۔ کراچی

تعداد طبع ایک ہزار ——— قیمت: آٹھ روپے

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی

۱۹۶۱ء

بشکریہ:۔ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

فہرست مضامین

بابِ دوم

عنوان	صفحہ

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب نہم

عنوان	صفحہ

ضمیمہ

وقائع نصیر خانی

(نگینہ انگشتری سلیمانی)

از مرزا نصیر الدین محمد نبیرہ مولوی عبدالقادر خانی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از محمد ایوب قادری بی۔اے (آنرز))

علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اوّل کے مقدمہ میں ہم نے لکھا ہے کہ مولوی عبدالقادر کے ۱۸۳۱ء تک کے تفصیلی حالات ملتے ہیں اور اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے خوش قسمتی سے ہمیں مولوی عبدالقادر کے پوتے مرزا نصیر الدین محمد (ابن مرزا عبدالہادی) کے خود نوشت حالات مل گئے جس میں انہوں نے اپنے حالات کے علاوہ اپنے خاندان کے دوسرے اراکین کے حالات بھی تحریر کئے ہیں اس سلسلہ میں ۱۸۳۱ء کے بعد کے مولوی عبدالقادر کے حالات بھی آ گئے ہیں۔ ہم نے مولوی عبدالقادر کے ان بقیہ حالات کو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) کی اس جلد دوم میں بطور "پیش لفظ" شامل کر دیا ہے اس پیش لفظ کو جلد اول کے مقدمہ کا تتمہ سمجھنا چاہئے۔

مولوی عبدالقادر ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۰ء تک مرادآباد کے صدر الصدور رہے یہ اس زمانہ کا بڑا عہدہ تھا جو کسی ہندوستانی کو ملتا تھا مولوی صاحب مرادآباد کے سب سے پہلے صدر الصدور مقرر ہوئے تھے اور دس سال تک اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ ایک مرتبہ کسی کام میں دیر ہو گئی مرادآباد کے جج اوکڈن صاحب نے ناقدردانی کے انداز میں کوئی بات کہہ دی بھلا مولوی عبدالقادر کو کہاں برداشت ہو سکتی تھی۔ فوراً صدر الصدوری سے استعفا دے دیا۔ جج نے بعد کو معذرت چاہی، حکام ضلع اور عمائدین شہر کے ذریعہ سے مولوی صاحب کو سمجھایا خود بھی مکان پر ملنے آیا مگر مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ

اکنوں تا زندگی ملازمت انگریزی نخواہم کرد　　　اب میں تا زندگی انگریزی ملازمت نہ کروں گا

یہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کا واقعہ ہے۔

اسی سال خاندانِ تیموریہ کے آخری فرماں روا سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر نے مولوی عبدالقادر کو دہلی طلب فرمایا کیونکہ ان کا وزیر راجہ سوہن لال فوت ہو چکا تھا۔ وزارت کے لئے کسی لائق تجربہ کار اور جہاں دیدہ شخص کی ضرورت تھی جب مولوی صاحب حسب طلب حاضر حضور شاہی ہوئے تو عہدۂ وزارت سے سرفراز فرمایا گیا خلعت ہفت پارچہ، مع جیغہ، کلغی، تسبیح مروارید، عصائے زریں کا مرحمت فرمایا گیا امیر الامراء زبدۃ العلماء دبیر الدولہ وکیل مطلق صادق الملک مستوفی الممالک مولوی عبدالقادر خاں بہادر ثابت جنگ کا خطاب بارگاہِ سلطانی سے عطا ہوا۔

مولوی عبدالقادر نے اپنے فرائض بڑے حسن و خوبی سے انجام دیئے بہادر شاہ ظفر بہت خوش ہوئے چند ماہ کے بعد ارشاد سلطانی ہوا کہ قلعہ کے وظیفہ خواروں کے معاملات، عمارت کے حسابات، ملازمین کا عزل و نصب اور تمام مقدمات، بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے کی بجائے نواب زینت محل بیگم صاحبہ کے حضور میں پیش کیے جائیں مولوی عبدالقادر اس کے لیے تیار نہیں ہوئے کہ "مخدرہ علیا" کے حضور میں اپنے معاملات پیش کریں لہٰذا مستعفی ہو گئے۔

کچھ دنوں تک دہلی میں دریا گنج میں نواب شمس الدین خاں رئیس فیروز پور جھرکہ (المتوفی ۱۸۳۵ء) کی کوٹھی میں رہے۔ اس زمانے میں اس کوٹھی میں مرزا غالبؔ کے برادر نسبتی علی بخش[1] (ابن نواب الٰہی بخش خاں معروف) رہتے تھے۔[2] یہی وہ زمانہ ہے کہ جب مولوی عبدالقادر اور مرزا غالب کے تعلقات رہے ہوں گے[3]

---

[1] علی بخش خاں رنجور تخلص کرتے تھے ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء میں پیدا ہوئے علی بخش خاں سے مرزا غالب کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے علی بخش خاں کو فیروز پور جھرکہ سے سو روپے ماہوار کا وظیفہ ملتا تھا نواب احمد بخش خاں کے انتقال کے بعد ان کا وظیفہ بند ہو گیا جب نواب شمس الدین خاں ولیم فریزر کے سلسلہ میں پھانسی پا گئے اور ان کی ریاست ضبط ہو گئی تو سرکار انگریزی سے علی بخش خاں کے لئے سو روپے کی بجائے پچاس روپے وظیفہ مقرر ہو گیا علی بخش خاں کا انتقال ۳۱ر دسمبر ۱۸۶۳ء کو ہوا۔ دہلی میں دفن ہوئے (غالب از غلام رسول مہر ص ۳۸-۳۹، لاہور ۱۹۴۶ء)

[2] مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں "یہ وہ مکان تھا جس میں پہلے فیروز پور کے نواب شمس الدین رہتے تھے اور ان کے بعد علی بخش خاں رہنے لگے جنہوں نے دریا کے بیچ میں ایک باغ بھی لگوایا تھا"*　[3] علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول میں ۱۸۴۱ء تک کے واقعات آ گئے ہیں۔ مولوی عبدالقادر

* واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۰۱، آگرہ ۱۹۱۹ء

اس کا اشارہ خواجہ الطاف حسین حالی کے اس جملہ میں بھی ملتا ہے[52]۔

"مولوی عبدالقادر رام پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن کو چند روز قلعہ دہلی سے بھی تعلق رہا تھا"

اور اسی زمانہ کا یہ واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالقادر نے ایک اَنمل بے جوڑ شعر کہہ کر غالب سے پوچھا تھا کہ جناب کے اس شعر کا کیا مطلب ہے؟ غالب حیران رہ گئے کہ کیا یہ شعر میرا ہو سکتا ہے[53]؟ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے سمجھایا کہ مولوی صاحب اس ظریفانہ انداز میں جناب کے کلام پر اعتراض کر رہے ہیں[54]۔

اس کے بعد نواب محمد سعید خاں والیِ رام پور (المتوفی ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء) کی طرف سے طلبی کا خط پہنچا نواب رام پور اور مولوی عبدالقادر میں مکتب کے زمانے سے تعلقات تھے جس زمانہ میں مرادآباد میں مولوی عبدالقادر صدرالصدور تھے تو وہاں نواب محمد سعید خاں ڈپٹی کلکٹر تھے مولوی عبدالقادر کو رام پور میں عدالتِ دیوانی اور فوجداری کا مفتی، مدرسۂ عالیہ کا نگراں اور حاکم مرافعہ مقرر کیا گیا نواب محمد سعید خاں کے صاحبزادے نواب یوسف علی خاں (المتوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) اور کاظم علی خاں (المتوفی ۱۲۹۹ھ/۱۸۷۹ء) مرادآباد میں عبدالقادر کے شاگرد رہ چکے تھے اب پھر حکم ہوا کہ وہ مولوی صاحب سے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ۱۸۱۳ء میں بسلسلۂ ملازمت دہلی پہونچے ۱۸۱۵ء میں واپس آگئے ۱۸۱۶ء میں دوبارہ گئے ۱۸۱۸ء میں اجمیر تبادلہ ہوگیا۔ دہلی میں مرزا غالب کے مستقل قیام کا قریب قریب اس زمانہ سے سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا غلام رسول مہر کا خیال ہے کہ غالب ۱۸۱۶ء میں دہلی میں مستقل طور سے سکونت پذیر ہوئے (غالب از مہر ص۴۲)

۱۸۱۸ء تک مولوی عبدالقادر کا مستقل تعلق راجھان سے رہا۔ وقائع عبدالقادر خانی ۱۸۲۱ء میں ختم ہو جاتا ہے مولوی صاحب وقائع کے اختتام پر مولوی محمد اسمٰعیل شہید کا ذکر شروع کرنے سے پہلے لکھتے ہیں کہ چونکہ اس کے بعد میں نے اجمیر اور دہلی کو نہیں دیکھا لہٰذا جو باتیں رہ گئی ہیں ان کو یہاں نقل کرتا ہوں (ملاحظہ ہو علم و عمل ـــ وقائع عبدالقادر خانی جلد دوم ص۲۳۳)

پھر ایک مدت کے بعد ۱۸۳۰ء میں مولوی عبدالقادر کو دہلی سے تعلق ہوا۔ وقائع عبدالقادر خانی میں صرف ۱۸۲۱ء تک کے حالات شامل ہیں لہٰذا اس میں غالب کا ذکر نہیں ہے۔

[52] یادگار غالب از خواجہ الطاف حسین حالی ص۱۰ (لاہور ۱۹۳۲ء)

[53] مولوی عبدالقادر نے یہ شعر پڑھا تھا ۔ پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال ؛ پھر دوا جتنی ہو کل بھینس کے انڈے سے نکال

[54] ملاحظہ ہو یادگار غالب ص۱۱

مزید استفادہ کریں اسی طرح نواب کلب علی خاں (المتوفی ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء) اور صاحبزادہ فدا علی خاں کو حکم ہوا کہ وہ مولوی عبدالقادر کی خدمت میں استفادہ علم کے لئے حاضر ہوا کریں۔

مولوی عبدالقادر آخر وقت تک رام پور میں رہے۔ مولوی صاحب حضرت مولانا شاہ جمال الدین لاہوری سے بیعت تھے۔ مولوی عبدالقادر کا رجب ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء میں رام پور میں ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا اپنے مرشد مولانا شاہ جمال الدین رام پوری قدس سرہ کے مزار کے پاس (واقع بریلی دروازہ) دفن ہوئے۔

مولوی عبدالقادر کے پوتے مرزا نصیرالدین نے اپنے خود نوشت حالات "نگینہ انگشتری سلیمانی" کے تاریخی نام سے ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں لکھے ہیں۔ ہم نے یہ حالات "وقائع نصیر خانی" کے نام سے علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) کی اس جلد دویم میں بطور ضمیمے کے شامل کر دیئے ہیں وقائع نصیر خانی کا مخطوطہ ہمیں مولوی وحید احمد مسعود رئیس شیخوپور بدایوں کے ذریعہ سے ملا ہے جس کے لئے ہم مولوی صاحب کے شکر گزار ہیں۔

آخر میں ہم نے اپنے مخلص مولوی حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کے پروف پڑھنے میں ہماری پوری پوری مدد فرمائی۔ اسی طرح ہم اپنے بزرگ مولوی سید الطاف علی بریلوی سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا خوش گوار فریضہ سمجھتے ہیں کہ جن کی علم دوستی کی بدولت یہ تاریخی نوشتے (وقائع عبدالقادر خانی اور وقائع نصیر خانی) ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے شائع ہو گئے اور اس سے تاریخ و ادب میں ایک معتد بہ اضافہ ہوا۔

محمد ایوب قادری

نمبر مکان ۱۲۱
وحید آباد۔ کراچی ۱۸

۷ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ ہجری
مطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۱ء عیسوی
بروز یکشنبہ

استدراک

علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول کے متعلق بعض ضروری تصحیحات و تصریحات یہاں پیش کی جاتی ہیں جلد اول صفحہ ۴۹ کی سطر ۱۴ میں حاشیہ کے ضمن میں ہم نے تحریر کیا ہے کہ متن کتاب سے ایک صفحہ غائب ہے، اتفاق سے اس صفحہ کا مضمون مرزا نصیر الدین محمد نے اپنے خود نوشت حالات (وقائع نصیر خانی) میں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفحہ ۵۰ کی سطر اول کے حاشیہ ۱ میں جو یہ تصریح کی گئی ہے کہ مولوی عبد القادر کو بچپن میں کبوتروں سے دلچسپی تھی، یہ واقعہ دراصل مولوی عبد القادر کے والد مرزا محمد اکرم سے متعلق ہے۔

مولوی عبد القادر جب صاف بولنے لگے تو آیہ کریمہ الحمد للہ الذی ...... الخ مفتی شرف الدین کی بجائے مولانا جمال الدین لاہوری نے تعلیم فرمائی اور مولانا ہی کی خدمت میں مولوی عبد القادر کے والد مرزا محمد اکرم ان کو لے کر حاضر ہوتے تھے (صفحہ ۵۱ سطر ۱)

اور مولانا جمال الدین ہی کے حسب الارشاد مولوی عبد القادر نے سورۂ اقرا زبانی پڑھی (صفحہ ۵۱ سطر ۳)

صفحہ ۱۴۴ سطر ۶ میں مولوی نذیر محمد (مدرس مدرسہ غازی الدین) کی بجائے نذر محمد پڑھا جائے اور صفحہ ۲۴۴ سطر ۱۰ میں مفتی یونس کی بجائے مفتی بولن پڑھا جائے۔

(م - ا - ق)

بابُ اوّل

اجمیر کو روانگی دہلی سے ہماری روانگی بارش کے موسم میں ہوئی تھی پھر بھی ہم برابر چلتے رہے یہاں تک کہ تجارہ پہونچ گئے۔ جس روز ہم تجارہ سے الور کو روانہ ہوئے تو میں (مولوی عبدالقادر) الٰہی بیگ، مومن خاں، عبداللطیف، بہاری لال اور بدری ناتھ راستہ بھول کر ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے جس کا حال ہمیں معلوم نہ تھا وہاں پر کسی درخت کا سایہ تھا اور نہ قریب کوئی گاؤں تھا بارش شدت سے ہو رہی تھی نہ کہیں جانے کے رہے نہ کہیں بیٹھنے کے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک پختہ مکان میں کچھ میواتی بیٹھے ہوئے مے خواری میں مشغول ہیں۔ ایک شخص نے جا کر کہا کہ ہم لوگ راستہ نہیں جانتے کیا کریں؟ ان میں سے سرجیت خاں نامی اُٹھا اور کہا میرے پیچھے چلے آؤ! ابھی دریا پایاب ہے تم کو دریا کے اُس طرف پہنچا دوں گا۔ سب نے کہا کہیں یہ دھوکا نہ دے! میں نے کہا یہاں اس کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کوئی بہانہ کر دیتا تو ہم شام تک یہیں ٹھیر جاتے۔ رات کو یہ جماعت ہمارے ستانے کے لئے کافی تھی میں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا، دوسروں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم بخیریت پانی سے نکل گئے۔ سرجیت خاں میری دستار کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھ رہا تھا وہ میں نے اس کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد پھر اس سے مُلاقات نہ ہوئی کہ شکریہ سے اس کے احسان کی تلافی کرتا۔

قیام الور دوسرے دن ہم لوگوں کا مقام الور میں ہوا، ریاست کا مختار خاص راموں، ولیدر صاحب کی ملاقات کے لئے آیا پھر راجہ کا بھتیجہ جو ہندو مذہب کے مطابق راجہ کا جانشین ہے اور راجہ کی طوائف کا بیٹا جو احمد بخش کی حکمت عملی اور انگریز سرکار کی حمایت سے اس کی ریاست میں شریک ہو گیا ہے اور ابھی بچہ

ہے وہ بھی ملاقات کے لئے آیا۔[۱] ویلڈر صاحب بھی بازدید کے طریقہ پر تشریف لے گئے صبح کو ہم وہاں سے رخصت ہوئے، الور ریاست جے پور کے تابع ہو وہاں کا راجہ سوامی بختاور سنگھ تھا جو کچھواہہ قوم کی شاخ نروکہ میں سے ہے کچھ مدت سے مستقل ریاست قائم کرکے جے پور کے تابع ہو گیا تھا۔

رسول شاہ الوری

الور میں رسول شاہ نامی فقیر تھا ناواقف لوگ اس کے بہت سے کمالات بیان کرتے ہیں اور ہزاروں اس کے مرید ہیں۔ اصلیت اس کی اتنی ہے کہ وہ ایک بساطی تھا اس کا کام بگڑ گیا لوگوں کا بہت سا قرض اس کی گردن پر ہو گیا اسی لئے وہ جمنا کی طرف بھاگا اور الور آ پہونچا۔ ہیئت بدلنے کے لئے داڑھی اور بھووں کا صفایا کرا دیا یہاں کے لوگوں کو سادہ لوح پاکر پیر بن بیٹھا جو کوئی اس کے پاس آتا اس سے بھی یہی کہتا کہ جہاں تک ہو سکے فاقہ کرو اور اس کو بھوکا رکھتا جب وہ شخص جاں بلب ہو جاتا تب کوٹی ہوئی بھنگ پانی میں بھگو کر اور کپڑے سے چھان کر اس کا فضلہ کھانے کو اور وہی پانی پینے کو دیتا۔ بھنگ کا اثر بھوک میں زیادہ ہوتا ہے رفتہ رفتہ وہ شخص دماغ کی خشکی سے دیوانہ وار ہو جاتا اور لوگ رسول شاہ کی صحبت کے اثر سے اس کو مجذوب سمجھنے لگتے۔[۲]

مولوی حنیف رسول شاہی

کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص جو مولوی حنیف کے نام سے مشہور ہے اور کچھ خوش تقریر مزاج بھی ہے اس سے آملا رسول شاہ کے کام کی رونق بڑھا دی مولوی حنیف بھنگ کی تعریف کے علاوہ ابلہ فریب کلمات لوگوں سے کہتا اور لوگ یہ دیکھتے ہوئے کہ ایک مولوی اس فقیر کا تابع ہے بغیر کچھ سمجھے ہوئے

---

[۱] الور کے دعویداران حکومت، احمد بخش کی حکمت عملی اور انگریز سرکار کی حمایت کے سلسلے میں ملاحظہ ہو علم و عمل (جلد اول)، ص ۳۱۶–۳۱۸

[۲] سر سید احمد خاں نے رسول شاہ کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ ان کے حقیقی نانا دبیر الدولہ فرید الدین احمد کے حقیقی بھائی خواجہ نجیب الدین عرف فدا حسین رسول شاہی سلسلے میں مرید تھے سر سید کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول شاہ بہادر پور مضافات الور کے رہنے والے سادات سے تھے نعمت اللہ شاہ کے مرید ہوئے ان کا سلسلہ سہروردی ہے۔ جذب کا غلبہ زیادہ رہتا تھا اور کوہستان الور میں پھرا کرتے تھے۔ دنیا و مافیہا سے کچھ خبر نہ رکھتے تھے۔ لباس کی کچھ فکر نہ تھی۔ مل گیا تو پہن لیا ورنہ عریانی ہی میں مست تھے ۲۲ جمادی الثانی ۱۱۰۱ھ کو انتقال ہوا اور الور میں اس تکیہ میں دفن ہوئے جو رسول شاہیوں کا تکیہ مشہور ہے۔[۱]

۱۲۳۰ھ ۱۸۱۵ء میں مہاراجہ نے رسول شاہ اور مولوی حنیف کی قبروں کو کھدوا ڈالا۔ ان میں سوروں کا خون چھڑکا اور اس جگہ بت رکھے اور ان کی ہڈیوں کو گدھے پر رکھ کر اپنے راج کے باہر بھیج دیا۔ مریدوں نے ان ہڈیوں کو فیروز پور جھرکہ میں دفن کیا تفصیل کے لئے دیکھئے۔[۲]

(۱) آثار الصنادید باب چہارم صفحہ

(۲) راجگان ہند از نجم الغنی صفحہ ۳۶۷

اس کی باتوں کا یقین کر لیتے اور اندھا دُھند گمراہی کے گڑھے میں گرتے۔

رسول شاہیوں کے غیر شرعی اصول

یہ لوگ خدا کی خدائی، رسول کی رسالت اور قیامت کے منکر ہیں لیکن صاف اور کھلم کھلا نہیں، ورنہ یہ پیری میری نہیں رہ سکتی بلکہ دوسرے طریقہ سے اپنے اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مرید پیشہ ور ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ کسب معیشت تک نماز، روزہ اور تلاوت قرآن ضرور کرنا چاہئے البتہ توکل اور صبر کے بعد ان چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر بھنگ ہر حال میں کھانی چاہئے کیونکہ یہ کشف کا راستہ کھول دیتی ہے۔ اُن میں کے خاص لوگ ذاتِ باری کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ خدا نہیں ہے اور پیغمبر بھی دوسرے طرز پر ہے۔ اس گروہ کا کوئی جملہ بامعنی نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کی طبیعت کسی خاص چیز کی طرف مائل دیکھتے ہیں تو تنہائی میں اس کے سامنے پہلے اس چیز کی تعریف کرتے ہیں اور دو تین روز تک بھوکا رکھ کر ایک دن بہت سی بھنگ دے دیتے ہیں وہ بے ہوش ہو جاتا ہے اور پہلے جو کچھ گفتگو ہوتی ہے۔ دماغ کی خشکی کے سبب سے وہی گفتگو اس شخص کی قوت متخیلہ میں آکر بعینہٖ نقش و مستحکم ہو جاتی ہے وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں نے یہ واقعات اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے بحالتِ نوع یہی سمجھتا ہے کہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں پھر جب ہوشیار ہو کر ویسا نہیں پاتا

---

[1] مولوی حنیف کا اصل نام مظفر حسین بن حافظ جعفر ہے۔ میرٹھ کے کمبوہوں میں سے تھے۔ عالم اور رئیس تھے۔ نواب فرحت اندیش کی خاندان سے تھے درس و تدریس مشغلہ تھا۔ اور مسجد میں بیٹھے رہتے تھے۔ ایک روز ایک رسول شاہی فقیر نے کہا کہ چلو رسول شاہ بلاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی اس فقیر کے ساتھ ہو لئے۔ رسول شاہ کے پاس پہونچتے ہی وہی جذب کا عالم ہو گیا۔ ۱۷ رشعبان سنہ ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء کو انتقال ہوا۔ ایک کتاب تصوف میں گیان چو سرا اور ایک شرح گلستاں انکی تصنیف سے یادگار ہے۔ مولوی حنیف اشعار بھی کہتے تھے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

دل بے خطرہ مظہر ذات است | بحر بے موج عین مرأت است

خدارا چہ جوئی تو خود را بجو | چو خود را بیابی توی جملہ او

تو ببیں خود را سر ہو یک نفس | تا کہ بدانی خالق خود ہر نفس
گر نبودی خود مقیم اندر بدن | کے شدی قایم زخود دیوار تن
گر نبودی باغباں در باغ تن | کے شدی رونق بہار ایں چمن

حکیم نجم الغنی خاں نے راجگان ہند میں مولوی محمد حنیف کا انتقال ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء میں لکھا ہے اور تاریخ وفات چراغ احمد سے نکالی ہے۔ ملاحظہ ہو انوار الاصفیا باب چہارم (۲) راجگان ہند جلد اول ۳۶۷ (۳) المشاہیر ص ۶۲-۶۳ از فیض احمد مطبوعہ نامی پریس میرٹھ ۱۹۰۰ء

تب سمجھتا ہی کہ وہ خیال و خواب تھا لیکن یہ بھنگ پیا ہوا جب ہوش میں آتا ہی اور اس خیال کو نہیں دیکھتا مگر چونکہ پہلے سے بھنگ پئے ہوئے ہی اس لیئے یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے حواس ظاہری معطل ہو گئے۔ بلکہ یہ سمجھتا ہی کہ یہ پیر کا تصرف ہی۔

شراب پینے والے کو یہ بات کہاں نصیب کہ اس کو پہلی باتوں کا اثر سمجھے بلکہ وہ خود میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔ بھنگ پینے سے روزانہ حواس ظاہری کی قوت گھٹتی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر رند مشرب فقیر پہلے مرید کو بھنگ پلاتے ہیں نہ کہ شراب، کیونکہ شراب میں ایک خیال مستحکم نہیں رہتا بلکہ کہیں کہیں پھرتا رہتا ہی جب پختہ کار ہو جاتا ہی تب (شراب کی) اجازت دے دیتے ہیں۔

بعض وہ لوگ جو چنداں نادان نہیں ہیں اس خوف سے کہ مجمع میں ملامت کے مستحق ہو جائیں گے کہ یہ لغو آدمی تھا دانستہ اقرار کر لیتے ہیں، اس میں ایک فائدہ بھی ہی کہ ایک دن دُنیا کے مرشد بن جائیں گے اور بغیر کمائے ہوئے مال ہاتھ آنے لگے گا۔ اور جو بات دوسروں کے لئے ملامت کا سبب ہوتی ہی ان کی کرامت اور طاعت شمار ہوتی ہی۔

بے ہوشی کی حالت میں بے حد پریشان کلمات زبان سے نکلتے ہیں جن میں سے کچھ جملے حاضرین میں سے کسی کے مقصد کے موافق ہو جاتے ہیں وہ یہ سمجھ لیتا ہی کہ یہ شخص میرے دل کے راز سے واقف ہو گیا اور اس بیہودہ گو کے کمال کا اعتقاد کر بیٹھتا ہے[1]۔

درویشی اور خود فریبی

عقلمند آدمی جس رند اور زاہد کے متعلق یہ سنتا ہی کہ وہ کچھ دکھاتا ہی یا دل کا بھید یا آئندہ اور غیب کی خبر دیتا ہی تو سمجھ لیتا ہی کہ شعبدہ باز ہے۔ اللہ والا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ والا ایسا راستہ بتائے گا جس سے امراض قلبی مثلاً حسد۔ کبر۔ نخوت۔ بخل اور ہوس سستی اور کم ہو جائیں اور اس فطرت کی طرف جس پر بچہ بُری باتوں کے سیکھنے، سُننے اور دیکھنے سے پہلے ہوتا ہی، رجوع کرے (اللہ والا) خدا تعالیٰ، شریعت اور بالتفصیل کیفیت حشر پر اجمالی ایمان سکھلائے گا جو سب کی فطرت میں ہی۔

یہی سبب ہو کہ بچہ کو شروع میں جو بات بھی سکھاتے ہیں وہ قبول کر لیتا ہی اور وہ بات اس کے دلنشین

---

[1] اس گروہ کے فقیر چہرہ پر خاک ملتے ہیں اور چار ابرو کا صفایا رکھتے ہیں اور ایک رومال مثل لنگوٹ کے سر پر رکھتے ہیں اور رات کا سونا حرام جانتے ہیں اکثر صاحب درد وغیرہ عضو علیل کو اپنی زبان سے چاٹ کر اچھا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تذکرہ اہل دہلی صفحہ ۳۳ (حاشیہ)

ہوجاتی ہے پھر عقل میں امتیازی قوت پیدا ہونے کے بعد یقینی اور وہمی کا فرق جس قدر ممکن ہوتا ہے وہ خود سمجھ لیتا ہے
تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر بچے سے پوچھیں کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے اور کوئی قرینہ دیوار کے پیچھے کے حالات معلوم کرنے
کا نہ ہو تو وہ بچہ ہرگز غور و فکر نہیں کرے گا اور کہدے گا کہ میں کیا جانوں مگر پیر سمجھے گا کہ میں جانتا ہوں ورنہ
میرا پیر جانتا ہے۔ اسی طرح بچے سے اگر کہیں کہ تو فلاں وقت باہر کیوں گیا تھا۔ وہ کہہ دے گا کہ فلاں فلاں نے
دیکھا ہے میں اُس وقت یہیں بیٹھا تھا۔ پیران نابالغ تسلیم کر لیتے ہیں کہ ایک درویش ہر وقت یہیں رہتا ہے
نظروں سے غائب نہیں ہوتا مگر نماز مکہ میں پڑھتا ہے۔ اور سادہ لوحی سے تصوف کی کتابوں کی عبارتیں اور نیک
بزرگوں کے قصّے اس پر سند لاتے ہیں۔

اس فریب میں جہلا تو در کنار ان کے علاوہ حروف کو مخارج سے ادا کرنے والے، الفاظ غریبہ یا چند
اصطلاحیں اور مسائلِ عقلیہ بطور نقل، اور ظالم حاکموں کے تمنائی طرز پر شرعی جزئیات رٹنے والے اور کلیلہ و دمنہ
جیسے افسانوں نیز لوگوں میں جنگ جدال کی داستانوں کی طرح اعتقادیات کو یاد کر لینے والے جو علما کے زمرے میں
شمار ہوتے ہیں، ایسے لوگ بھی گرفتار ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بداہت کے خلاف خبر کی تاویل ضروری ہے۔ اگرچہ
مخبر یقینی طور سے صادق کیوں نہ ہو، اور یہ نہیں کہ تاویل بالکل نہ کریں۔ ایسا بھی کرتے ہیں مگر جہاں ان کے
گزشتہ بزرگوں نے کی ہو اور جن کے سلسلے کی تصانیف سے انہوں نے تعلیم پائی ہے اور اگر دوسرے نے کوئی تاویل
کی ہو تو تسلیم نہیں کرتے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص دور و دراز کے سفر میں چلا گیا۔ وہاں سے کئی سال تک بال بچوں کے لئے
کچھ نہ بھیجا ان پر فاقہ کشی کی نوبت پہونچ گئی بیوی نے خاندان کے موروثی برہمن کو شوہر کے پاس بھیجا اور یہ کہہ دیا
کہ لوگوں کے مجمع میں اس سے گھر کی تباہی کا حال اس طرح کہنا کہ وہ شرمندہ ہو کر کوئی تدبیر کرے۔ آخر یہ برہمن بیچارہ
گیا وہاں پہنچا وہ شخص اس کو دیکھ کر تعظیماً پیروں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا کچھ گھر کا حال سُناؤ۔ برہمن نے کہا کیا کہوں تیری
بے پروائی سے عورت بے شوہر اور بچے بے باپ کے ہوگئے۔ اس شخص نے ہائے ہائے کر کے رونا شروع کر دیا۔ دوستوں
نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا اس سے زیادہ کیا آفت ہوگی کہ عورت بے شوہر اور بچے بے باپ کے ہوگئے۔ انہوں
نے کہا تو پاگل ہوگیا ہے، تو تو مرا نہیں، بیوی بچے بے شوہر اور بے باپ کے کیسے ہو جائیں گے؟ وہ کہنے لگا میری
عقل درست ہے۔ لیکن یہ برہمن، جو ہمارا موروثی پیر و مرشد ہے کبھی سچ کے سوا جھوٹ اس کی اور اس کے بزرگوں کی

زبان پر نہیں گزرا۔ اگرچہ خلاف عقل ہو۔ مگر یقین کرنا بھی ضروری ہے۔

باشندگانِ الور

میں کہاں جا رہا تھا کہاں پہنچ گیا۔ اب پھر اپنے موضوع پر واپس آتا ہوں۔ الور سرسبز، شاداب اور خوب آباد علاقہ ہے[1]۔ اس سرزمین میں میواتی[2]، خانزادے[3] اور مینہ قوم کے لوگ بہت ہیں جو چوری اور ڈاکہ زنی میں یکتائے زمانہ ہیں۔ اگر ریاست میں قوت دیکھتے ہیں تو اس علاقہ میں دست اندازی نہیں کرتے، سرحد پر رہزنی کرتے رہتے ہیں، مختارانِ ریاست ان کا منہ میٹھا کر کے دن گزارتے ہیں۔ اور اگر کمزوری دیکھتے ہیں تو پھر خودسری کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ ان کو جے پور سے کچھ روپیہ ملنے لگی اس لئے طاقتور ہو کر ان (الور کے مختارانِ ریاست) سے بگاڑ بیٹھے۔ اس سے وہاں کے رئیسوں کے قابو اور طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جے پور میں سر اکٹر لونی کی شاندار سواری کا بیان

یہاں (الور) سے ہم لگاتار سفر کر کے جے پور پہنچے جہاں سر اکٹر لونی مع لشکر مغرب کی طرف خاص باغ کے قریب ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ ہم بھی آ ٹھہرے۔ جنرل صاحب کی سواری کی جو شان و شوکت میں نے دیکھی وہ نہ لارڈ ہیسٹنگ کی سواری میں، نہ آصف الدولہ کی سواری میں، اور نہ سعادت علی خاں کی سواری میں دیکھی اور نہ اکبر شاہ ثانی کے جلوس میں دیکھی، سائیس گھوڑ دل

---

[1] الور گوشہ شرقی شمالی راجپوتانہ میں آمدنی کے لحاظ سے دوسرے درجہ کی ریاست تھی۔ اس ریاست کا طول اسی میل اور عرض پینسٹھ میل اور رقبہ ۳۱۴۱ مربع میل تھا۔ بمطابق ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست کی آبادی ۹۰۰۰۰۰ اور آمدنی ۲۹۹۴۳۲۷۹ روپے سالانہ تھی۔
(ملاحظہ ہو راجگان ہند جلد اول صفحہ ۳۵۹)

[2] میوات کے علاقہ میں میو لوگ زیادہ آباد ہیں خیال ہے کہ غالباً عہد تغلق میں یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے یہ لوگ راجپوت نسل سے ہیں۔ زمانہ حال میں مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے میواتیوں میں خاص طور سے تبلیغ کی۔ مولانا محمد الیاس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بستی نظام الدین اولیا کو بنایا۔ میوات کے لوگ نام کے مسلمان تھے مولانا محمد الیاس کی مساعی جمیلہ سے یہ لوگ علم و عمل اور صورت و سیرت کے اعتبار سے پکے مسلمان ہو گئے۔ آج کل مولانا محمد الیاس کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب اس تحریک کو چلا رہے ہیں۔
(ملاحظہ ہو راجگان ہند جلد اول ص ۳۰)
(۲) مولانا محمد الیاس اور ان کی دعوت تبلیغ)

[3] بیان کیا جاتا ہے کہ خانزادے چندر بنسی نسل میں سری کرشن کی شاخ جادو سے ہیں۔ سری کرشن کی بارھویں پشت میں ایک شخص تھن پال تھا جس نے شہر بیانہ کے قریب قلعہ تھن گڑھ بنایا۔ ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں یہ قلعہ شہاب الدین غوری نے فتح کر کے بہاء الدین طغرل کو دے دیا تھا۔ تھن پال کے بیٹے باند پال نے اجان گڑھ آباد کیا۔ باند پال کی اولاد میں دو بھائی سانبر پال اور شیو پال ہوئے۔ یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوئے۔ خانزادوں کا بیان ہے کہ ہمارے بزرگوں کو خان جادو کا خطاب ملا تھا عوام غلطی سے خانزادہ کہنے لگے لیکن محققین کا خیال ہے کہ اسلام لانے کے بعد بادشاہ نے خانہ زاد کا خطاب دیا تھا جو عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا اور خانہ زاد شاہی خطاب بڑا اعزاز اور مرتبہ تھا۔ سانبر پال ایک شیر مارنے کی وجہ سے ناہر بہادر اور شیو پال چھجو خاں کہلایا۔ ناہر بہادر کے نو بیٹے ہوئے جن میں ملک علاء الدین کی اولاد خوب پھیلی پھولی۔ خانزادے چندر بنسی راجپوت ہیں ان کی رشتہ داریاں اکثر مسلم چوہانوں سے ہوتی ہیں بعض علاقوں میں یہ لوگ انگرڈ کہلاتے ہیں۔ خانزادے بڑے قانون زادے ...
(باقی اگلے صفحہ پر)

پرسوار، کوتل گھوڑوں کو لے جا رہے تھے۔ دو تین روز وہاں قیام کر کے اجمیر کو روانہ ہوا اور پہونچ گیا۔

مولوی عبدالقادر کی خواجہ بزرگؒ کے مزار پر حاضری

اوائل رمضان ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء تھا کہ کرنل ٹنک صاحب جواب ساگریں جنرل ہی، شہر میں اکبری محلوں میں رہتا تھا اور منشی کریم الدین، جنرل کے ساتھیوں میں سے، کارمختار تھا۔ دو روز شہر کے باہر مقام رہا۔ ہم لوگ شہر دیکھنے کے لئے گئے بندہ (مولوی عبدالقادر) خواجہ صاحب کی درگاہ پر گیا وہاں کا خادم طالب علی، جو رام پور آتا جاتا تھا مجھسے شناسائی رکھتا تھا، کہنے لگا، کہو تو پھول اور مٹھائی خریدلوں میں نے کہا مجھے تو ضرورت نہیں ہے تمہیں اختیار ہے، وہ کہنے لگا تمہاری طرف سے خواجہ صاحب کے مزار پر نذر کر دوں گا۔[1] میں نے کہا یہ تو مناسب نہیں۔ کیونکہ خواجہ صاحب اگر زندہ ہوتے تو مجھے پھول اور مٹھائی دیتے جیسا کہ بزرگ بچوں کو دیا کرتے ہیں، نہ کہ میں، کیونکہ یہ دستور نہیں ہے کہ چھوٹا بڑے کی گردن میں پھولوں کا ہار ڈالے، یا پھول اس کی دستار میں رکھے یا بلا طلب بڑے کو مٹھائی دے۔ تمہیں ایک روپیہ دے دوں گا۔ کیونکہ تم میرے دوست ہو، اور فقیری کا پیشہ رکھتے ہو، غرض میں وہاں گیا اور خواجہ بزرگ کے لئے فاتحہ پڑھکے چلا آیا۔ اس (مجاور) نے چاہا کہ وہاں کی رسم کے مطابق اتار گڑوں اور زمین چوموں مگر مجھ سے یہ نہ ہوا۔ اس کے بعد میں لشکر پہونچ گیا، آقا اور ساتھیوں نے اکبری محلوں میں قیام کیا۔

مولوی عبدالقادر کا ٹکسال کا انتظام کرنا

بندہ (مولوی عبدالقادر) کو سیسہ کی کان اور اس کے آمد و خرچ کی تحقیقات پر مقرر کیا۔ ماہ ستمبر ۱۸۱۸ء میں ٹکسال کا انتظام بھی بندہ کے سپرد ہو چکا تھا۔ اس علاقہ

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) پانچسو سال سے مشہور چلے آتے ہیں ایک شخص حسن خاں میواتی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص بابر شاہ کے مقابلہ میں رانا سانگا کی طرف سے دس ہزار سوار لایا اور مارا گیا۔ حسن خاں میواتی کی بیٹی سے عبدالرحیم خانخاناں ابن بیرم خاں پیدا ہوا۔ حسن خاں بھی خانزادہ قوم سے تھا جہانگیر کے زمانے میں فیروز خاں خانزادہ نے بڑا عروج حاصل کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے راجگان ہند حصہ اول صفحہ ۳

[2] مینہ قوم کے حالات اس کتاب کے باب ہشتم میں ملاحظہ ہوں۔

[1] خدام صاحبان حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ کی زیارت کراتے ہیں، سلام کراتے ہیں۔ یہ حضرات وکیل درگاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ قریب قریب ہر بیرونی اور مقامی عقیدت مند کا وکیل ہوتا ہے۔ ہر زائر اپنے وکیل کے ذریعہ گنبد میں حاضری دیتا ہے۔ پھول، عطر، لوبان، اگربتی اور موم بتی بھی ان ہی کے ذریعہ سے پیش ہوتی ہیں۔

(ملاحظہ ہو معین الارواح صفحہ ۳۸)

میں چلنے والے روپیوں کے وزن کی تحقیقات کے سلسلہ میں میں نے خالص چاندی اور ملاوٹ پگھلوائی اور امتحان کا طریقہ یہ رکھا کہ سرکاری ملازم نیاریوں نے روپیہ بھر وزن کی چاندی علیحدہ کی اور اس میں سیسہ ملا کر پھر پوتے میں جو اسی دن کے پیدا شدہ گائے کے بچے کے گوبر اور مٹی سے بنایا گیا ہو رکھ کر اتنا چھ دیتے ہیں کہ چاندی کے کنارے پر ایک جانب موتی کے سے دانے ابھر آویں اس وقت خالص چاندی کا وزن کرتے ہیں اگر ملاوٹ کا وزن سنگ بھر کم نکلا تو کہتے ہیں کہ اب اس چاندی کو سکہ میں پہنچانا چاہیئے ورنہ سمجھتے ہیں کہ ابھی کھوٹ باد ہے اس کا سکہ نہیں ڈھالتے چونکہ وہ مال تاجروں کا ہوتا ہے انہیں واپس کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ ان نیاریوں اور تاجروں میں جھگڑا رہتا ہے۔ تاجر کہتے ہیں کہ نیاریوں نے تیز آنچ دے کر چاندی جلا دی، اور نیاریئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کھوٹ زیادہ ملایا۔ اس کا قابل اطمینان فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ نیاریئے کا کام بھی صرف ایک خاندان میں محدود تھا۔ جانس نام ایک شخص یہ کام کر رہا تھا میں یہ سن چکا تھا کہ جوبیوں کی حکومت میں کئی ہزار روپیہ جرمانہ کھوٹ ملانے پر نیاریوں سے لیا گیا ہے اس سے اور بھی دل میں شبہ تھا۔ ایک دن ساہونامی ذعمر لڑکے نے جس کا باپ پہلے اس عہدے پر تھا اس کے مرنے کے بعد چچا زاد بھائی نے اس کام کو لے لیا تھا میں نے کہا کہ اگر اس کام کا راز معلوم ہو جائے تو یہ کام میں تیرے ہاتھ میں دیدوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ اس میں

نام روپیہ	وزن	ملاوٹ	خالص چاندی
سریشاہی	۱۱ ماشہ	۱ ماشہ	۱۰ ماشہ
کجاونی	۱۱ ماشہ	۲ ماشہ	۸ ماشہ
کشن گڑھ	۱۱ ماشہ	۱ ماشہ ۲ سرخ	۹ ماشہ ۶ سرخ
چیتوری	۱۱ ماشہ	۲.۰ ماشہ	۹ ماشہ
جودھپور	۱۱ ماشہ ۷ سرخ	۴ سرخ	۱۱ ماشہ ۳ سرخ
کوٹہ	۱۱ ماشہ ۷ سرخ	۴ سرخ	۱۱ ماشہ ۳ سرخ
جے پور	۱۱ ماشہ ۷ سرخ	۴ سرخ	۱۱ ماشہ ۳ سرخ
اجین	۱۱ ماشہ ۵ سرخ	۵.۰ سرخ	۱۰ ماشہ سرخ ۳.۰ برنج
کاشی (بنارس)	۱۱ ماشہ ۵ سرخ	۱½ سرخ	۱۱ ماشہ ۳.۰ سرخ
لکھنؤ	۱۱ ماشہ ۵ سرخ	½ سرخ	۱۱ ماشہ ۶.۰ برنج
اودے پور	۱۱ ماشہ ۵ سرخ	۲ ماشہ ۳ سرخ	۹ ماشہ ۲ سرخ
سورتی	۲ تولہ ۳ ماشہ ۵ سرخ	۲ ماشہ ۷ سرخ	۲ تولہ ۷ سرخ ۶.۰ برنج

اس میں بیحد دھوکہ بازیاں ہیں اور تحقیق دشوار ہے۔ اگلے دن میں نے ایک تاجر سے کہا کہ ذرا سا تانبا زیادہ ملا دے اس نے چھوڑ دیا اور برابر نکلا۔ دوسرے نے کم ملایا چاندی کا وزن کم رہا سب دل میں شرمندہ ہوئے۔ میں نے وہ عہدہ اس (ساہو) کے سپرد کیا۔ لیکن اطمینان نہ ہوا کہ اگر یہ سب باہم متفق ہو گئے تو نیاریوں پر اعتماد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے پھر غور کیا اور ایسی راہ نکالی جس سے میں نیاریوں کا محتاج نہ رہا۔ میں نے ان سناروں سے جو روپیہ ڈھال لیتے ہیں کہا کہ میں دس ماشہ چاندی اور ڈیڑھ ماشہ کھوٹ تمہارے سامنے ملاتا ہوں۔ اسکی ٹکیاں بنا کر اور سکہ میں ڈھال کر میرے حوالے کرو۔ نیاریوں نے بھی چاندی خوب صاف کر لی تھی اور ان میں باہمی اختلاف کی وجہ سے کھوٹ میں بھی فرق نہ تھا۔ پھر میں نے خالص چاندی کے ایک حصہ میں کھوٹ زیادہ اور ایک میں کم ملایا لیکن چاندی اور کھوٹ مل کر روپئے کے وزن میں برابر تھے۔ میں نے کہا کہ ان دونوں کو بھی روپیہ کے برابر گولائی اور موٹائی میں ڈھالو جو برابر ڈھال دے وہی شخص روپیہ انعام میں لے لے۔ جس میں کھوٹ کم تھا اس کی گولائی یا موٹائی میں کمی رہی اور جس میں زیادہ تھا اس کا دور یا موٹائی بڑھ گئی۔ نیاریئے گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اب ہماری نوکری نہیں رہے گی۔ اور یہ کام اگر اچھا ہوتا تو بادشاہوں کے زمانے میں جاری ہوتا۔ میں نے کہا کہ پہلے بادشاہ جانوروں کی کھال پہنتے تھے اور شکار کا گوشت کھاتے تھے جس سے روزانہ ان کی عقل میں اضافہ ہوتا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ ٹکسال نہ رہ سکے گی اُس وقت نیاریئے بیکار ہو جائینگے ساہو کی خاطر آج میں ناظم صاحب کی خدمت میں عرض کر کے اجازت لیتا ہوں کہ تمہاری تنخواہوں کے بدلے میں سونے چاندی کے محصول کا ایک حصہ مقرر ہو جائے وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ انہوں نے منظور کر لیا۔ اور جاری بھی ہو گیا۔

سیسہ کی کان کے آمد و خرچ کی تحقیقات کرنا

سیسہ کی کان کے متعلق بھی میں نے معلوم کیا، اس کام کے ماہرین جس پہاڑ میں سیسہ کا سا رنگ چمکتا ہوا دیکھتے ہیں اس پر چڑھتے ہیں۔ جہاں کہیں اس رنگ کے پتھر بہت سے ملتے ہیں وہاں تیس ہاتھ تک کھودتے ہیں اگر سیسہ کی رگ پتھر میں بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے تو اور کھودتے ہیں یہاں تک کہ رگ اتنی موٹی ہو جاتی ہے کہ پتھر سے جدا کی جا سکے اتنے خرچ کے بعد اگر فائدہ رہا تو ان پتھروں کو اکھاڑ لاتے ہیں اور کئی کئی آدمی ان کو اتنا کوٹتے ہیں کہ باریک ریت کی طرح ہو جائیں ان کو ٹوکروں میں بھر کر پہاڑ کے نیچے لے آتے ہیں اور ایک برتن میں ڈال کر پانی سے دھوتے ہیں

اور برتن ٹیڑھا کر دیتے ہیں تاکہ میل نکل جائے۔ کئی بار اسی طرح کرتے ہیں یہاں تک کہ تمام میل نکل جاتا ہے اور سیسہ رہ جاتا ہے لیکن اُس میں خاک کی آمیزش اب بھی باقی رہ جاتی ہے۔ پھر گوبر ملا کر غلے بناتے ہیں اور دھوپ میں رکھ کر ان کو خشک کرتے ہیں پھر سیاہ چکنا پتھر، سیسہ کا میل اور لوہے کا میل ان غلوں کے ساتھ ایک کوزہ میں آگ پر رکھ کر لوہاروں کی سی دھونکنیوں سے دھونکتے ہیں اور اس کوزہ کی گردن میں متعدد سوراخ کر دیتے ہیں اور ایک سوراخ تلی میں کر دیتے ہیں ان سب سوراخوں کو بند رکھتے ہیں۔ بھٹی کا منہ بھی چاروں طرف ہوتا ہے جس میں چار دھونکنیاں ہوتی ہیں چند مرتبہ دھونکنے کے بعد اوپر کے بند سوراخوں کو کھولتے ہیں تاکہ پتھر کی ملاوٹ نکل جاوے اسی طرح کئی مرتبہ کرتے ہیں یہاں تک کہ سوراخوں کے کھولنے سے کچھ نہ نکلے یا اتنا کم نکلے جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اُس وقت نیچے کا سوراخ کھولتے ہیں تو سیسہ تختۂ سنگ کی طرح اس میں سے نکل آتا ہے۔ سرد ہونے پر اُٹھا لیتے ہیں اور فروخت کر دیتے ہیں۔ اس کے چرخ کی تفصیل بہت طویل ہے۔

ویلیڈر صاحب نے فرمایا کہ کوشش کرنے سے سیسہ کی کان کی آمدنی کہاں تک ہو جائے گی؟ میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت کا سا بھاؤ رہا تو تین چار سال میں پندرہ ہزار روپیہ تک ہو جائے گی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نرخ روز بروز ارزاں ہوتا جائے گا۔ کیونکہ فساد اور ہنگامے جس قدر کم ہوتے جائیں گے سیسہ سستا ہوتا جائے گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو مصارف میں کمی کی جائے۔ مثلاً شروع میں پتھر کو ریزہ ریزہ کرتے ہیں لوگ یہ کام ہتھوڑوں سے لیتے ہیں۔ اس کے لئے بہت سے مزدور ہوتے ہیں اور ہتھوڑے جلد جلد ٹوٹتے رہتے ہیں اگر انکی بجائے ایک بڑا شہتیر رکھا جائے جس کی چوڑائی میں ایک ایک موٹی لکڑی ہو اس کے سرے پر لوہا ہو اس کا ایک سرا اوپر کو اُٹھائیں اور چھوڑ دیں تاکہ لوہا پتھر پر پڑے اور اس کو ریزہ ریزہ کر دے کئی مرتبہ اسی طرح کریں یہاں تک کہ خاک ہو جائے اور ٹوکروں کے بجائے چھوٹے چھوٹے ٹھیلے بنوائے جائیں جن میں وہ کوٹی ہوئی خاک بھر کر نیچے لے آئیں۔ اس طرح دس آدمیوں کا کام چار آدمی کر دیں گے نیز ہتھوڑوں اور ٹوکروں کے ٹوٹنے میں بھی تخفیف ہو جائے گی۔ خاک کو ایک جگہ پر اکٹھا کرنے کے لئے ایک ایک آدمی سات سات روپے تنخواہ پاتا ہے۔ ایک سقہ ذکر ہے اگر کنوئیں سے پانی اونٹ کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے نکالیں پانی کھینچنے والے کی ضرورت نہ رہے۔ ایک چھوٹا سا حوض کنوئیں کے قریب بنایا جائے اس میں ایک طرف آکر پانی جمع ہو اور اس کے پہلو میں حوض کے اوپر سے نیچے تک ایک سوراخ رکھیں اس سوراخ کے منہ پر دھونکنی لگائیں اور حوض کو دوسری

جانب لوہے کی اتنی باریک چھلنی لگائیں کہ جس میں سے سیسہ کا ریزہ تک نہ نکل سکے۔ چھلنی کو لکڑی یا لوہے سے بند رکھیں اب اس دھونکنی سے دھونکنا شروع کریں جب گرد پانی پر آجائے تو چھلنی کا منہ کھول دیں چند مرتبہ اسی طرح کرنے سے گرد نکل جائے گی اور سیسہ رہ جائے گا۔ خرچ میں بھی تخفیف ہوجائے گی۔ پھر ان کوروں سے کام لیں جن سے توپوں کا کام لیا جاتا ہے بیحد کفایت ہوجائے گی۔

مالکوں کے ذمے صرف کان کھودنا اور مادہ باہر لانا رہ جائے گا، ان اخراجات کے بدلے ان لوگوں سے ان کے پڑتے میں سے چوتھائی کی تخفیف کرکے سیسہ سرکار ہیں لے لیا جائے۔ باقی ماندہ سیسہ کو وہ لوگ سرکاری محصول اور اخراجات ادا کرنے کے بعد اگر چاہیں تو دوسری جگہ فروخت کردیں۔ اگر کوئی نہ خریدے تو سب سیسہ بازاری نرخ سے سرکار خریدلے کسی اور کے پاس نہ رہے جسے ضرورت ہو سرکار سے خریدے۔ اور سرکار جس نرخ سے چاہے بیچے۔ بلکہ سورت وغیرہ کا سیسہ بھی اگر سرکار ایک دم خریدے تو تجارتی فائدہ کے علاوہ فسادات کی بھی روک تھام ہوجائے۔

ان تدبیروں کا اجرا نہیں ہوا تھا کہ بندہ (مولوی عبد القادر) سرکاری کام پر جودھ پور کو روانہ ہوگیا۔ اور یہ کام دوسروں کے ہاتھ میں جا پڑا جس نے جیسا مناسب سمجھا کیا۔ اور سیسہ میں سے چاندی نکالنے کا طریقہ قابل دید ہو مگر اتنی ذراسی نکلتی ہے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ جیسے مور کے پروں سے تانبہ۔ اس کا طریقہ بھی میرے ذہن میں ہو۔ مگر اس کا بیان فضول اور وقت کا ضائع کرنا ہو کیونکہ کسی کو ایسی چیزوں کے معلوم کرنے کا شوق نہیں ہو۔ اگر شوق ہو تو اس سلسلے میں علیحدہ میرا رسالہ مطالعہ کرے۔

اب شروع سے اجمیر کا حال جیسا کچھ مجھے معلوم ہو لکھتا ہوں اس کے بعد ہر سال کے اپنے رہنے سہنے کے حالات لکھوں گا۔

حدود اربعۂ اجمیر

اجمیر کا عرض البلد خطِ استوا سے ۲۶ درجہ پر ہو اور طول البلد جزائر خالدات سے ۱۱۱ درجہ ۵ دقیقہ پر ہو۔

مشرق میں آگرہ، شمال میں دہلی، جنوب میں گجرات (احمد آباد) اور مغرب میں دیبالپور ہو۔[1]

---

[1] موجودہ شہر اجمیر اس پہاڑ پر واقع ہو جس پر تارا گڑھ واقع ہو یہ۔ اور اس کا ایک تالاب اور خوبصورت جھیل ہو۔ جغرافیہ دقیق عرض البلد شمالی ۲۶° ۲۷' اور طول البلد شرقی ۷۴° ہو۔ شہر کے چاروں طرف پہاڑی سلسلہ ہو انہیں چھوٹے چھوٹے آبشار بھی ہیں جو موسم برسات میں سبز گھاس ان پہاڑوں کو اور بھی خوشنما بنا دیتی ہو۔ اس شہر کے شمال میں منصور پورہ وادی اور سدا بہار پہاڑی کا سلسلہ ہو۔ جنوب میں کوہ اراولی رجمی پر قلعہ تاراگڑھ ہی کا سلسلہ مشرق میں کوہ بلند پہاڑی کا سلسلہ اور مغرب میں نیچے والی پہاڑی کا سلسلہ ہو۔ (ملاحظہ ہو معین الارواح صفحہ ۲۰۲-۳۰-۲۰۳)

طول البلد معلوم کرنیکا طریقہ

طول معلوم کرنے کا یہ طریقہ ہو کہ کسی ایک متعین کسوف یا خسوف کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے وقت کو ایسے دو شہروں میں معلوم کرکے جو شرقاً غرباً فاصلہ سے ہوں ہر ایک کے وقت میں تقدیم و تاخیر معلوم کرلیں کیونکہ آفتاب شرقی میں غربی سے پہلے ظاہر ہوجائیگا گھنٹہ بھر کے عوض ۱۵ درجہ اور اسی حساب سے چار منٹ کے بدلے ایک درجہ لیں۔

ایک شہر کی سمت دوسرے شہر سے جن دونوں کا عرض اور طول معلوم ہو ایک تو اصطرلاب سے معلوم کیلیتے ہیں مگر اس کے بیان میں اصطرلابی اصطلاحوں سے واقفیت ضروری ہے چونکہ اس میں بہت طول ہی اس لئے اس کو چھوڑتا ہوں دوسرے طریقہ سے بیان کرتا ہوں [1]

ہموار زمین پر ایک دائرہ کھینچیں اور اس کا نصف النہار دائرہ ہندسیہ کے گذشتہ طرز پر یا قطب نما کے ذریعہ صحیح بنالیں اور اس خط پر دوسرا سیدھا خط کھینچیں جس کے دونوں سرے دائرہ سے مل جائیں اور اس سے دائرہ کے چار حصّے ہوجائیں گے۔ پس اگر طول دونوں کا ایک ہو اور عرض بلد حاضر کا کم ہو تو بلد غائب نقطۂ شمال ہیں اور اگر زیادہ ہو تو نقطہ جنوب میں اور اگر دونوں کا عرض ایک ہو یا کم و بیش یا عرض اور طول دونوں مختلف تو اس دائرہ کے تین سو ساٹھ حصّہ کرلیں نقطہ جنوب اور شمال سے۔ اگر بلد حاضر شرقی ہو تو بجانب مغرب اور اگر غربی ہو تو بجانب مشرق دونوں کو طولانی فرق کی مقدار سے شمار کرلیں جس جگہ شمار ختم ہو ایک ایک نشان کردیں اور نشانوں کو ایک خط سے ملادیں پھر دونوں کے عرضی تفاوت کی مقدار سے بجانب جنوب، اگر حاضر شمالی ہو تو بجانب شمال اگر جنوبی ہے مغربی نقطے سے اور اسی طرح مشرقی نقطہ سے شمار کرکے جہاں جہاں ختم ہو نشان لگا کر دونوں نشانوں کو ایک خط سے ملائیں۔ جس جگہ یہ دونوں خط باہم کٹ رہے ہوں دائرہ کے مرکز سے وہاں تک ایک خط کھینچتے ہوئے محیط تک پہونچائیں یہ محیط سے بلد غائب کی سمت ہوگی اور دونوں کا عرض موافق ہونے کی صورت میں بھی مشرقی اور مغربی سمت نہیں ہوسکتا بلکہ بلد غائب شمال کی جانب کچھ مائل ہوگا۔ اور وہ اس عمل سے معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ خطِ استوا عرض والے مقامات میں حمائل کی طرح مائل ہو ہر نقطہ دوسرے نقطہ سے بجانب شمال جھکا ہوا ہوگا لامحالہ مشرقی و مغربی دائرہ

---

[1] اس سلسلے میں ملاحظہ ہو کتاب الہند البیرونی جلد دوم مترجمہ اصغر علی صاحب　انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی ۱۹۴۲ء
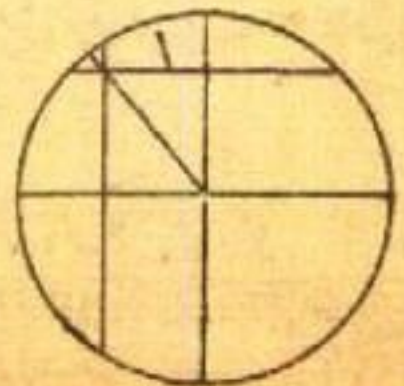
کے تقاطع کے بعد شمال کی جانب چلا جائے گا۔

اجمیر کی وجہ تسمیہ

اجمیر کے نام کی، بہت سی وجہیں لکھی ہیں، قرین قیاس یہ ہے کہ راجہ اجے پال نے سمبت ۲۰۲ بکرماجیت میں آباد کیا ہے اور میر بمعنی شہر ہے۔ پس آج میر یعنی اج والا شہر ہوگا۔[۵۱]

اناساگر

اناساگر ایک تالاب ہے جو راجہ انا پسو پیلدیو نے بنایا تھا۔[۵۲]

بیلا تالاب

بیلا تالاب بیلدیو کا ہے جس نے سمبت ۸۴۰ بکرماجیت میں پرتھی راج تنور فرمانروائے دہلی جس کے خاندان میں دوسو انیس ۲۱۹ برس حکومت رہی ہے اپنی تخت نشینی کے بائیسویں سال لڑائی کرکے اور اس کو مار کر دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور ہندو مذہب میں بیٹے کے تالاب کا پانی باپ کے تالاب میں جانا ثواب کا ذریعہ ہے اس لئے راجہ انا نے اپنے تالاب کا پانی باپ کے تالاب میں جاری کر دیا اُس وقت سے دہلی پر چوہانوں کی حکومت ہو گئی کیونکہ بیلدیو چوہان تھا اور اس سے پہلے تنور (حکمراں) تھے۔[۵۳]

اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ اور حکومت

یہاں تک کہ سمت ۱۲۳۳ بجری مطابق ۱۱۹۲ء میں پرتھی راج چوہان کو سلطان معزالدین نے جو سات مرتبہ اس سے شکست کھا چکا تھا آٹھویں مرتبہ قابو پا کر اس کو گرفتار کرکے غزنیں لے گیا پرتھی راج چوہان کی موت کے متعلق بہت سی روایتیں ہیں۔ اس کے بعد سلطنت مسلمانوں

---

۵۱ اجمیر کے بسانے کے متعلق مورخین کے مختلف بیانات ہیں حقیقت یہ ہے کہ شہر اجمیر کا بانی اول راجہ اجے پال ہے اور اس کے بعد دوسرے راجاؤں نے جب شہر برباد ہوا تو از سر نو آباد کیا اور اس کی تعمیرات میں اضافہ کیا۔ حضرت خواجہ بزرگ کے زمانہ میں اس شہر کی آبادی مشرق کی طرف بڑھتی گئی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے معین الارواح ص۳۹۵ و ص۳۹۹) راجہ اجے پال نے پہاڑوں میں شہر آباد کیا۔ مارواڑی لوگ پہاڑ کو میر کہتے ہیں اور بانی کا نام اجے پال تھا اس لئے اسی نام بانی کے نام پر اجمیر رکھا گیا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو معین الارواح ص۳۹۵، ص۳۹۹، ۴۰۵ - ۴۰۶)

۵۲ یہ تالاب راجہ انا دیو (ارنو راج یا آناجی) نے (تقریباً ۱۱۳۵ء اور ۱۱۵۰ء کے درمیان تعمیر کرایا۔ برسات کے موسم میں اس کا دور تقریباً چھ میل ہو جاتا ہے۔ اس کے کنارے سنگ مرمر کے شاہجہانی محلات ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) معین الارواح ص۴۷ (۲) احسن السیر ص۸۹

۵۳ بیلا تالاب موجودہ شہر اجمیر کے مشرق میں ریلوے اسٹیشن سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ راجہ بیلدیو چہارم نے شکار کے موقع پر تالاب بیلا کے بننے کا حکم دیا اور تقریباً ۱۱۵۵ء اور ۱۱۶۰ء کے درمیان تعمیر ہو گیا۔ اس کے گرد بہت خالے اور پتلیاں تھیں ان کے منہ سے پانی کے فوارے چھوٹتے تھے۔ تالاب کے وسط میں دو ٹیلے ہیں ان پر راجہ کے محل تھے جہانگیر نے اس تالاب کے کنارے مکانات بنوائے تھے اسی مقام پر جہانگیر نے سر ٹامس رو سے ملاقات کی تھی اور سفیر نے ایک چرٹ بادشاہ کی نذر کیا تھا۔ جب اناساگر مقررہ حد تک بڑھ جاتا ہے تو اس کا زائد پانی بیلا تالاب میں آ جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) معین الارواح ص۴۳ (۲) احسن السیر ص۱۰

کے ہاتھ آئی[1] اور اجمیر ہمیشہ سلاطین دہلی کے زیر حکومت رہا یہاں تک کہ سلطان محمد پسر فیروز شاہ کا زمانہ آگیا سلطان محمد کے بعد بھی دلاور خاں کے بانڈہ (ملک مالوہ) میں سرداری کا جھنڈا بلند کرنے تک اجمیر سلاطین کے قبضہ میں رہا اور سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین جس کا سن جلوس ۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ء اور وفات ۹۳۷ھ / ۱۵۳۱ء ہوا اپنے سنہ جلوس مطابق ۹۲۲ھ میں اجمیر آیا۔ رانا سانگا اودے پور کے حاکم نے اجمیر کے قلعہ کو چھینا اور اس نواح کو تہہ و بالا کر دیا۔ لیکن اس کے بعد ہی یہ شہر اسی سلطان کے قبضہ میں آگیا۔ کیونکہ روضۂ خواجہ کی عمارت پر جو مادۂ تاریخ "قبہ عرش برین" کندہ ہے[2] اس کے عدد ۹۳۹ ہیں وہ اس کی تعمیر کا سن ہے اور معتمد خاں بخشی نے جو اقبالنامہ جہانگیری میں اس روضہ کی تعمیر کو سلطان محمود خاں بن خان جہاں سے منسوب کیا ہے شرکت اسمی کی وجہ سے غلط کہہ گیا کیونکہ اس کی وفات ۸۷۳ھ / ۱۴۶۹ء میں اس قبہ کی تعمیر سے ۶۴ سال پہلے ہو چکی ہے۔ اس کے بعد رائے مالدیو راٹھور والی جودھپور کا دخل بھی اجمیر پر ہو گیا۔ اگرچہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس دخل کے کیا اسباب تھے اور کیونکر ہوا۔ لیکن اس بات سے کہ شیر شاہ سوری نے ۹۴۷ھ / ۱۵۴۰ء میں اجمیر کو رائے مالدیو سے چھین لیا اس کا قبضہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر شیر شاہ سوری کے خاندان میں سلطنت کی کمزوری کے زمانہ میں اجمیر پر رانا اودے پور کا عمل دخل ہو گیا۔ اس کے بعد ۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء میں شیر شاہ سوری کے غلام حاجی خان نے اکبرالوزرا کو چھوڑ کر اجمیر پر رانا اودے سنگھ سے سخت جنگ کر کے اجمیر اور ناگور پر قبضہ کر لیا۔

اجمیر پر راجپوتوں کا قبضہ، ۹۶۵ھ / ۱۵۵۷ء میں محمد قاسم خاں نیشاپوری ملازم اکبر بادشاہ نے حاجی خان پر قابو پا کر اجمیر چھین لیا۔ اس کے بعد اجمیر سلاطین تیموریہ کے زیر حکومت رہا۔

[1] مولوی عبدالقادر کا یہ بیان پرتھی راج راسا پر مبنی معلوم ہوتا ہے کیونکہ دہلی کے بیان میں پرتھی راج راسا کے حوالہ سے مولوی عبدالقادر نے یہی بات کہی ہے۔ (ملاحظہ ہو علم و عمل جلد اول صفحہ ۲۰۳) اور ہم نے وہاں بتایا ہے کہ پروفیسر محمود خاں شیرانی کی تحقیق ہے کہ یہ کتاب بہت بعد میں لکھی گئی ہے اور تاریخی اعتبار سے اس کا کوئی درجہ نہیں ہے اور اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ پرتھی راج نے قندھار پر یورش کی اور سات مرتبہ معزالدین سام کو شکست دی۔ یہ سب افسانوی خیال کا نیا لہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ معزالدین سام کی زندگی میں ہندو پاکستان کا دروازہ ۵۷۱ھ / ۱۱۷۵ء میں کھلتا ہے وہ ملاحدہ سے ملتان لیتا ہے ۵۷۵ھ میں پشاور پر قبضہ کرتا ہے ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء میں لاہور فتح کرتا ہے ۵۸۶ھ / ۱۱۹۰ء میں پرتھی راج کے مقابلہ میں ناکام ہوتا ہے اور ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء میں ترائن کے میدان میں پرتھی راج سے مقابلہ کرتا ہے پرتھی راج مارا جاتا ہے سلطان معزالدین سام فتح پاتا ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو (۱) علم و عمل جلد اول صفحہ ۴۳-۲۰۴ (۲) پرتھی راج راسا محمود خاں شیرانی (انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ۱۹۴۳ء) (۳) تاریخ ہندی قرون وسطی جلد دوم صفحہ ۲۰۲-۱۹۹ (مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ ۱۹۴۳ء)

[2] خواجہ معین الدین اجمیری کے گنبد کی غربی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر یہ شعر بخط نستعلیق تحریر ہے ؎

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ معین
گفت ہاتف گو بنا شد قبہ عرش برین
۹۳۹ھ / ۱۵۳۲ء

(راجگان ہند جلد دوم صفحہ ۱۵۳)

سنہ ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء میں جودھپور کے راجہ ابھی سنگھ نے اپنا دخل کر لیا اور سنہ ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۶ء مطابق سمت ۱۸۱۱ میں مہاراجہ بجے سنگھ رئیس جودھپور کی جنوبیوں کے ساتھ جنگ واقع ہوئی۔ مادھوجی سندھیا کا باپ اپاجی لشکر کا سردار تھا۔ راجہ کے متوسلین میں سے ایک شخص اس لشکر میں گیا اور دھوکے سے اس کو مار ڈالا۔ جنوبیوں نے دعا وا کر کے اجمیر کو مارواڑی راجہ سے چھین لیا، اس کے بعد اگرچہ ۲۴ روز سمبت ۱۸۱۹ بکرمی میں اور قریب تین سال کے سمت ۱۸۴۳ میں مارواڑیوں کی طرف سے اجمیر پر دست درازی رہی لیکن درحقیقت سنہ ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۶ء سے شعبان سنہ ۱۲۳۳ھ مطابق ۲۹ رجون سنہ ۱۸۱۸ء تک جنوبیوں کا دخل رہا۔ صرف پرگنہ سودہ ایک دو مرتبہ مارواڑ کے متعلق رہا۔ یکم جولائی ۱۸۱۸ء سے مہاراجہ دولت راؤ سندھیا نے اس ڈیوڑھی کے بدلے جو ساگر کے قریب ہے انگریزی حکومت کے حوالہ کر دیا۔

فیل سنگ وہاں پر شہر پناہ کے شمال مشرقی گوشہ میں مدار دروازہ سے باہر ایک سیاہ ہاتھی کی شکل کا پتھر کا تراشا ہوا پڑا ہے لوگ کہتے ہیں کہ ایک درویش کی بددعا سے ہاتھی پتھر بن گیا ہے پھر طرفہ یہ کہ اس کی پرستش کرتے ہیں اور پتھر پر یہ بیت کندہ ہے ؎

تاریخ فیل سنگ شد از حکمت الہ ۔۔۔ این کوہ پارہ فیل جہانگیر بادشاہ

۱۰۲۱ھ مطابق (۱۶۱۲ء)

اور لکھا ہے کہ جہانگیر کے حکم سے وہ پتھر بصورت فیل تراشا گیا ہے[1]

قلعہ تاراگڑھ پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ ہے جس کو تاراگڑھ بھی کہتے ہیں[1] اور گڑھ بیٹھلی بھی۔ وہاں پر گرمی کے موسم میں بھی سردی رہتی ہے۔ اس کا راستہ ہموار ہے۔ گھوڑا ہاتھی۔ پالکی اور پیادے سب جا سکتے ہیں۔[2]

---

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو احسن السیر صفحہ ۹۵-۹۶ (۲) معین الارواح صفحہ ۱۹۴ (۳) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی ص ۲۱۱

(۲) یہ ایک بہت بڑا قلعہ ہے جو اجمیر کے جنوب میں پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ زمین سے آٹھ سو فٹ بلند ہے۔ یہ قلعہ سنگ سرخ سے بنایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) احسن السیر صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۲ (۲) معین الارواح صفحہ ۲۰۶ — ۲۰۷

(۳) سوانح عمری خواجہ معین الدین صفحہ ۱۹۹

مرقد سید حسین مشہدی

وہاں سید حسین مشہدی، شاہ وجیہ الدین کے بھتیجے کا مزار ہو۔ معزالدین سام کی اوائل سلطنت کے حکام میں وہاں کے قلعہ دار کا خطاب "سید ملک" تھا قطب الدین ایبک کی موت کے ہنگامہ میں دوست کے ملک میں بد نظمی ہوئی تو ج کے راجپوتوں نے رات کے وقت قلعہ پر حملہ کر کے سید اور اس کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ اکبر نامہ میں اس کو شہاب الدین غوری جو کہ معزالدین سام ہے کا نوکر لکھا ہو اور لکھا ہو کہ سلطان اس کو اجمیر کا قلعہ دار بنا کر اپنے ملک کو چلا گیا اور وہ وہیں مر گیا اور ایک زمانہ کے بعد شہادت اور ولایت سے مشہور ہو گیا۔

اس کی قبر دُنیا والوں کا مطاف بنی ہوئی ہے اس کی وفات کی تاریخ ۱۸ رجب ہی اور سال وفات پہلی روایت کے بموجب سنہ ۶۰۷ھ = ۱۲۱۰ء ہو جو کہ قطب الدین ایبک کی وفات کا سال ہی اور اکبر نامہ کی روایت سے خدا جانے [1]

دروازہ بالائے قلعہ

بالائے قلعہ کا بلند دروازہ جو داخول کے نام سے مشہور ہے سنہ ۹۶۶ھ = ۱۵۷۰ء میں اکبر کا بنوایا ہوا ہی۔ اس کا مادہ تاریخ "کاخ دلکشا" ہی۔[2]

جہانگیری اگردان

مزار کا جالی دار اگردان جہانگیر نے سنہ ۱ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۳ھ = ۱۶۱۴ء میں اودی پور کی فتح کے بعد بنوایا۔

تانتیا سندھیا کی تعمیرات

اور مزار کے بائیں دروازہ کا فرش سنہ ۱۲۰۶ھ = ۱۷۹۱ء میں تانتیا سندھیا نے مرتب کر دیا۔ نیز مرقد کی داہنی جانب کا دالان بھی سنہ ۱۲۰۲ھ = ۱۷۸۷ء میں تانتیا نے شروع کر کے سنہ ۱۲۲۹ھ = ۱۸۱۴ء میں ختم کرا دیا۔ اور روضہ کے بائیں جانب کا دالان بالا راؤ نے سنہ ۱۲۲۶ھ = ۱۸۱۱ء میں بنوایا۔

تالاب پہکر

اجمیر سے بجانب مغرب تین کوس پر پہکر کا تالاب ہے کہ کاتک کی چودھویں صبح کو اس میں نہاتے ہیں اور اس کو بڑی عبادت سمجھتے ہیں۔[3]

---

[1] سید حسین شہید کے متعلق باب سوم کا حاشیہ بعنوان میر سید حسین ملاحظہ ہو۔ [2] یہ دروازہ سنہ ۹۶۶ھ = ۱۵۷۰ء میں سنگ سرخ سے تعمیر ہوا ہے اسکی اونچائی ۷۰ فٹ اور چوڑائی سترہ فٹ ہے دروازہ کا فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے دروازہ کے اندر سنگ مرمر کی لوح ہے اس پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ بعہد بادشاہ آسمان قدر

پناہ ملک و ملت ظل یزداں　　جلال الدین محمد اکبر آں شاہ
کہ دارد در نگیں ملک سلیماں　　پئے درگہ کہ ہمچو کعبہ آمد
سواد وشش میں از نور اعیاں　　بافرمود ایں ایوان عالی
کریم الذات اسمٰعیل قلی خاں　　زکاخ دلکشا تاریخ اتمام
اگر خواہد کسے می یابد آساں

کتبہ الراجی درویش محمد الراجی المشتہر بہ مزی۔ بلند دروازہ کے نیچے متعدد دالان ہیں ایک مسجد بنی ہوئی ہو جس میں شہیدوں کے مزار بنے ہوئے ہیں۔ ماخوذ ہو احسن السیر صفحہ ۱۱۶

[3] اجمیر سے تین میل کے فاصلہ پر پکر کا تالاب مشہور ہو کہ اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو مگر جب جہانگیر بادشاہ نے دریافت کرائی تو بارہ گز سے زیادہ نہ تھی۔ مشہور ہو کہ یہاں برہما نے جگ کیا تھا اس مقام کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہو اخبار الاخیار میں اسکی قدامت پر گواہ ہو اسکے گرد مختلف قسم کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور ہندو کے خاندان کیلئے یہاں ایک مکان بنا ہوا ہو۔

اخبار الاخبار میں ہندی تالوں کے سلسلے میں یہ بھی لکھا ہو کہ پہاڑ پر پہلی دیوار تارا گڑھ کی دیوار ہو اور ہندوؤں میں یہ مشہور ہو کہ برہما نے یگیہ یعنی عبادت کے لئے جمع ہونے کی جگہ تجویز کرکے ایک گنی پھینکی وہ جس جگہ زمین پر گری اس کو "بوڑھا پہکر" یعنی پُرانا حوض کہتے ہیں پھر وہاں سے کود کر اس جگہ قرار لیا یہی جگہ عبادت کیلئے مقرر کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ پہلا چشمہ وہی ہو کیونکہ پہکر حوض کو کہتے ہیں۔[1]

دیوالی کے متعلق بھی میں نے ہندوؤں سے پوچھا کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ اخبار الاخبار میں ہو کہ اشنان کے دنوں میں آفتاب کی تحویل برج عقرب میں ہوتی ہو یہ ٹھیک ہو یونانی اسی طرح کہتے ہیں اور ہندی منجم آفتاب کا میزان کے آخر میں ہونا خیال کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہو کہ ہندی برجوں کی شکلوں کا جو کہ ستارے ہیں اعتبار کرتے ہیں اور یونانی خطوط کا اور چونکہ ستارے اپنی اپنی جگہ سے خفیف حرکت کرتے ہیں یونانی اور ہندستانی دانشمندوں میں اختلاف پیدا ہوگیا یعنی اگر ایک کسی بُرج کے اخیر سے نسبت دے گا تو دوسرا اس برج کے شروع سے جو اس سے ملا ہوا ہے۔ قول فیصل یہ ہو کہ ان احکام میں جو ستاروں کے ملنے سے تعلق رکھتے ہیں، ہندیوں کے قول کو ترجیح ہو اور اس حساب میں جو حرکات کے متعلق ہو یونانیوں کی بات صحیح ہو۔

مندر برہما — پہکر کے پچھم میں برہما کا مندر ہو جو ہندوستان میں کسی اور جگہ نہیں اس کا سبب ہندو عقیدہ کے مطابق یہ ہو کہ اس کی بیوی ساوتری نے یہ دُعا کی تھی کہ سوائے اس جگہ کے کہیں دوسری جگہ اس کی پرستش نہ ہو۔[2]

مندر ساوتری — وہاں پر ساوتری مندر بھی ہو اور برہما کے مندر کو کولانے جو گوالیار کی سرکار میں بڑا اقتدار رکھتا تھا بہت عمدہ تیار کرایا ہو اور اسکے متصل ایک میوہ دار باغ اچھی عمارت کا بنوایا۔ باغ اور مندر کا اہتمام بالچند مارواڑی ساکن اجمیر سے متعلق ہی جو آج منی رام وصی کو کلا کی جانب سے جے پور کی دوکان پر مختار ہو۔

مندر نرسنگھ — وہاں پر ایک نرسنگھ مندر ہو کہ نصف بالائی جسم شیر کا سا ہو اور نیچے کا آدھا نگل انسان ہو۔ یہ نگل خدا کے منکر ہرانکشپ کو مار ڈالنے اور اس کے موحد لڑکے پرہلاد کو اس کے ہاتھ سے نجات دلانے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہاں بہت سی سمادیاں بنی ہوئی ہیں اس جگہ سب سے شاندار عمارت برہما کا مندر ہو۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احسن السیر صفحہ ۱۰۵ و صفحہ ۱۰۶

[2] برہما کا مندر نہایت شاندار تعمیر ہوا ہو۔ یہ مندر مہاراجہ سیندھیا کے خزانچی گوکل پارکھ نے ایک لاکھ تیس ہزار روپے کی لاگت سے بنوایا ہے اس میں چو مکھی مورت سنگ مرمر کی تراشی ہوئی ہے جس کی ناف سے کنول کی شکل بنی ہوئی ہو۔ ملاحظہ ہو احسن السیر صفحہ ۱۰۶-۱۰۷

لئے ظاہر ہوئی کافر کا پیٹ پھوڑا اور موحد کو چھوڑ کر غائب ہو گئی۔

مندر رانیان جودھپور و جے پور

ایک نیا مندر مہاراجہ مان سنگھ جودھپور والے کی لڑکی اور مہاراجہ جگت سنگھ جے پور والے کی رانی نے تعمیر کرایا ہے۔

مہادیوی کی مکتی

ایک مقام پر زمین کے نیچے تہ خانہ ہے جو بیحد تاریک ہے کہتے ہیں کہ وہاں مہادیو کی مکتی ہے اسے دیکھنے جاتے ہیں میں نے اس میں ایک پتھر دیکھا اس پتھر پر ایک عورت کو اپنے آگ میں جلانے کی تاریخ سمبت ۱۱۰۶ تحریر ہے۔

پہکر کے راستے کی درستی

اجمیر سے پہکر کا راستہ ایک تو نوسر کا ہے جو بیحد دشوار گزار تھا پہاڑ کے اوپر ہو کر جاتے تھے گاڑی اس راستے سے نہیں جا سکتی۔ دوسرا راستہ ماکر والی کا ہے جو بیحد پیچ در پیچ ہے اور اس قدر ریت ہے کہ دشواری میں پہاڑ سے کم نہ ہوگا۔ بندہ نے ایک تیسرا راستہ کھر بکھیری کے نیچے دیکھا تھا اس میں نہ پہاڑ ہے نہ ریت، البتہ کچھ مرمت طلب ہے جس وقت ولیدر صاحب اجمیر سے سانٹو پہاڑ کو جا رہے تھے اسی زمانہ میں میں نے دیکھا تھا اس کے متعلق میں نے ایک عرضی پیش کر دی صاحب موصوف نے ہنری مدلین کی خدمت میں بھیج دی۔ صاحب ممدوح نے ایک دن بندہ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ ایسی اچھی اچھی تدبیریں ہم سے بھی کہدیا کرو بندہ کی ستائش کے سوا اس راستہ کی درستی کے متعلق کوئی تذکرہ نہ کیا۔ کیونکہ جناب ممدوح کا مشغلہ بیشتر عدالت ہے اس کے بعد اپنے کارخانے اور جھاؤ کی سیر اور تصویر کا شوق رہتا ہے۔ اپنے دوسری میں اپنے اوقات شریف ضائع نہیں کرتا۔ پھر جب ولیدر صاحب واپس پہنچے جنرل آکٹرلونی سے تکرار کی بنا پر برداشتہ خاطر ہو گیا وہ کام یونہی رہ گیا۔ آخر ہنری رچمڈ مور صاحب نے اپنی قائم مقامی کے زمانہ میں کپتان ڈکسن صاحب کے مشورے سے وہ راستہ درست کرا دیا۔ برسوں تک کمپنی کا نام اس کار گزاری سے دنیا میں ہیگا کیونکہ جس کام کو نہ ہندو ثواب کی خاطر کر سکے نہ سلاطین رفاہ عام اور ناموری کی غرض سے پورا کر سکے وہ اس انگریزی حکومت میں انجام کو پہونچا۔

باغِ دولت خانہ

دولت خانہ باغ وہ ہے جس کی نصف تعمیر جہانگیری ہے اور نصف شاہجہانی۔ تین لاکھ روپیہ اس کی عمارت پر صرف ہوا۔ جو سنہ ۱۰۳۶ھ میں پوری ہوئی پھر چند جو بیوں کی بے پرواہی اور صاحبان عالی شان کی کمال توجہ سے اپنی اصلی ہیئت پر نہیں رہا تاہم قابل دید ہے جس سے سلاطین

تیموریہ کی فضول خرچی ظاہر ہے۔[1]

شاہجہانی مسجد

یہ شاہجہانی مسجد ہے جو چالیس ہزار روپیہ کے خرچ سے ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ مادہ تاریخ یہ ہے۔

بنائے شہنشاہ روئے زمیں[2]

دیگر عمارات

خواجہ معین الدین چشتی کے آستانے میں روضۂ خواجہ کے گنبد سے بجانب مغرب فرش، دیوار چھت نہایت خوشنما سفید پتھر کے ہیں لیکن چونکہ دیوار میں پانی مر رہا ہے اس کا ایک ستون کمزور ہو گیا ہے اگر کوئی تبر گیر نہ ہوا تو گر پڑے گا پھر ایک کثیر رقم سے بھی اس کی درستی دشوار ہے۔ احاطہ درگاہ کے باہر مغرب کی طرف سولہ ستونی عمارت کے قریب ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جس کے اوپر ایک بالشت موٹائی کا ایک پتھر ہے اس پر ایک مربع عمارت ہے جس کا ایک ضلع دو گز سے کچھ زیادہ ہوگا وہ بھی سب مع دیوار چھت اور فرش کے پتھر کی ہے اور دیکھنے کے قابل ہے کس پختہ کاری سے اس کو مضبوط بنایا گیا ہے۔ صحن درگاہ اور پہاڑ کے درمیان ایک چشمہ ہے بہت گہرا، لمبائی چوڑائی بھی بہت ہے پہاڑ سے اس میں پانی آکر جمع ہوتا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ اس میں بھی پانی کے سوت ہیں۔ پانی اس میں اتنا کثرت سے ہے کہ سارے شہر کو کفایت کرتا ہے۔

بہیر دل

اس شہر میں ایک عجوبہ یہ ہے کہ شمال کی جانب شہر کے باہر ایک مکان ہے جس کو ہندو "بہیر دل" کہتے ہیں اس کا پوجاری ایک مسلمان عبداللہ شاہ نامی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ آنکس کہ باشد بہ بند شکم — چہ کارست اوے را بدیر و حرم
نہ از دیر مقصود او جز شراب — نہ در کعبہ معبود غیر از کباب
شکم داں خدایش پیمبر دہن — عبادت خور و نوش بے رنج تن

کچہری کا خود ساختہ حاکم

رمضان ۱۲۳۲ھ مطابق جولائی ۱۸۱۷ء میں ہم اجمیر پہونچے۔ ویلڈ صاحب بہادر کے پہونچنے سے پہلے ایک شخص نے کچہری میں جا کر سرکاری حاکم ظاہر کیا اور

۱؎ دولت باغ شاہجہانی محلات کے قریب متصل انا ساگر واقع ہے جہانگیر نے ۱۶۱۰ء میں تخت نشین ہونے کے بعد نصب کرایا تھا یہاں کچھ محلات بھی تعمیر کرائے تھے مگر اب ان کا نشان نہیں یہاں عمدہ پانی کا کنواں، اور سیلانی پیر کا مزار بھی ہے۔ برطانیہ کے عہد میں یہاں سڑکیں اور دروازے بنائے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہی زمانہ میں یہاں اصلی بازار کی نمائش ہوتی تھی۔ (ملاحظہ ہو معین الارواح ص ۳۲۶)

۲؎ یہ مسجد شاہجہانی خاص درگاہ میں خواجہ بزرگ کے مزار سے بالکل متصل ہے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے یہ مسجد دو لاکھ چالیس ہزار روپئے کے خرچ سے تعمیر ہوئی۔ "قبلۂ اہل زماں شد مسجد شاہی" سے تاریخ تعمیر نکلتی ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) احسن السیر ص ۵۲-۴۷

پوری تحصیل وصول کر کے وہیں جمع کرتا رہا جب منشی کریم الدین نے کسی کو اپنی طرف سے وہاں بھیجا تو اس نے دیکھا کہ کوئی اجنبی شخص حکومت کر رہا ہے اس نے اس کو اجمیر سے پہنچایا۔ پہلی پیشی میں یہی مقدمہ آیا صاحب نے پوچھا ایسا کیوں کیا اس نے کہا انعام کی اُمید پر کیونکہ مرہٹہ حکومت ختم ہوگئی اور سرکار کی طرف سے کوئی حاکم تھا نہیں! میں نے سرکار کے نام سے بندوبست کردیا۔ تمام آمدنی فراہم کر کے خزانہ میں داخل کردی۔ دوسرے مقامات سے اس عرصہ میں کیا وصول ہوا؟ میں سمجھتا تھا کہ والیانِ ملک میری اس بے معاوضہ خدمت پر مجھ کو اچھا صلہ دینگے میں انعام سے باز آیا مجھے مواخذہ سے بھی معاف رکھیں آئندہ اب نہ کروں گا۔ صاحب ممدوح نے سفر خرچ دیا نئے کپڑے بنا دیئے اور اس کی شوخ چشمی سے اندیشہ کر کے رخصت کر دیا۔

دیوان مہدی علی خاں کا تقرر

منشی کریم الدین نے عرض کیا کہ خواجہ بزرگ کی درگاہ کے صاحب سجادہ دیوان محتشم علی خاں کی وفات ہوگئی ان کا بڑا لڑکا دیوان مہدی علی خاں[1] نکا جانشین ہے جناب عالی کو وہاں قدم رنجہ فرمانا بہت مناسب ہے تاکہ اس کی عزت افزائی کا سبب ہو، دیوان کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہوں کے زمانہ میں یہ کام عہدے کے طریقہ پر تھا بحالی برطرفی کا تعلق بادشاہ سے تھا موروثی نہ تھا جنوبیوں کے زمانہ میں موروثی ہوگیا لیکن یہ لوگ بھی سرکاری نذرانہ ایک ہزار روپیہ نذرانہ جو پہلے سے چلا آرہا تھا لیتے تھے ایسا نہ ہو کہ معلوم ہونے کے بعد انگریز بھی سلطنت کا طریقہ جاری کردیں اس وقت تک یہ راز ظاہر نہیں ہے اس تقریب سے عہدہ مستحکم ہو جائے گا پھر تو اپنا ہی پاس کیا ہوا اس سرکار میں بھی رہے گا۔

ویلڈر صاحب منشی کریم الدین کے کہنے پر جو جنرل صاحب کی طرف سے اتالیق تھا گئے اور انہوں نے منشی میر تیغ علی ساکن انام علاقہ لکھنؤ کو جو انگریزی سرکار کے اکثر ملازموں کی طرح بے حد ہوشیار اور چالاک شخص ہے درگاہ امین مقرر کر دیا تھا۔ دیوان نے منشی کریم الدین اور امین کے مشورہ سے باپ کے زمانہ سے بے انتہا قرضہ روڑمل مہاجن کا اپنے ذمہ ہو جانے کا تذکرہ کیا اور حد سے زائد سود کے باعث ادائیگی سے معذوری ظاہر کر کے سرکار سے فیصلہ کی درخواست کی۔ ویلڈر صاحب نے فرمایا کہ محکمہ میں درخواست کے بعد کوئی تدبیر عمل میں آئیگی۔ روڑمل نے بھی مہدی علی خاں کے نام نالش کی درخواست گذرانی خداوند نعمت نے دیکھا کہ

---

[1] دیوان مہدی علی خاں کے خواجہ صاحب کی اولاد ہونے کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو تحقیقات اولادِ خواجہ صاحب از حافظ محمد حسین صفحہ ۳ (مطبع العلائی آگرہ [illegible])

سود سرشتہ کے معمول سے زائد ہی اگر اپنے طریقہ پر فیصلہ دوں گا تو ابتدائی عمل دخل میں مہاجن لوگ یک دم دل برداشتہ ہو جائیں گے اور اجمیر کی آبادی کی ترقی منظور رہی۔ اگر کسی ایک کے لئے سررشتہ کے خلاف بھی کر دیا جائے تو وہی سررشتہ بن جائے گا۔ بہتر یہ ہو کہ اسے ثالثوں کے سپرد کر دیا جائے جو فریقین کے منظور کردہ ہوں چنانچہ یوں ہی کر دیا۔

علاقہ اجمیر کے راجپوت سردار

اسی عرصہ میں اس علاقہ کے راجپوت سردار جو اپنے اپنے علاقہ میں تحصیل کے خود مختار تھے اور سرکار میں بطور نذرانہ مقررہ رقم بھیجتے تھے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے منشی کریم الدین نے جب اجمیر کے سررشتہ میں دردسری زیادہ، محاصل اور اختیارات بہت کم دیکھے تو رخصت لے کر جنرل اکٹرلونی کے پاس چلا گیا۔

(۱) امیر سنگھ راجہ شاہ پورہ متعلقہ اودے پور و پولیہ علاقہ اجمیر قوم سودیہ[1] نہایت بے تکلف تھا، امیر خاں کے قلعہ پر محاصرہ کے وقت بطریق سفیر لباس بدل کر تنہا لشکر میں چلا گیا اور امیر خاں سے ملاقات کی امیر خاں نے کہا "تو نے کچھ خوف نہیں کیا" اُس نے کہا "میرے قید کرنے سے قلعہ خالی تو نہیں ہو جائے گا۔"

(۲) دیو سنگھ راٹھور کھروہ اس کا علاقہ ہے[2] مرد بہادر، ہوشیار، گرم سرد زمانہ دیکھے ہوئے۔ ہندوؤں کے علوم میں ماہر، شاعرانہ مذاق سے واقف، بادشاہوں کی تواریخ سے آگاہ ہے اس نے چوسر کے کھیل میں کئی چیزیں اضافہ کی ہیں۔

(۳) دیبی سنگھ راٹھور علاقہ مسعودہ[3] گھوڑے کی سواری اچھی جانتا تھا خوبصورت جوان مگر اولاد نہیں ایک جوان بھائی اس کا وارث تھا اس کی بہن راجہ شاہ پور کے گھر میں ہے۔

---

[1] اس خاندان کا مورث اعلیٰ اکھے راج تھا جس نے ۱۶۰۸ء کی تقسیم کے مطابق ۸۰ گاؤں ملے تھے۔ اکھے راج کے پانچ بیٹے ہوئے اور یہ گاؤں پانچوں میں تقسیم ہو گئے (ملاحظہ ہو راجگان ہند ص ۱۸۰)

[2] کھروہ والوں کا بیان ہے کہ ٹھاکر سکت سنگھ ان کے مورث اعلیٰ نے اکبر بادشاہ کو دریا سے نکالا تھا کہ سیر کرتے ہوئے کشتی سے گر پڑے تھے اس کے صلے میں یہ پرگنہ عطا ہوا تھا۔ مگر ان کی سند فرمان اکبری ۱۶۱۵ء میں اس قدر لکھا ہے کہ پرگنہ کھروہ راؤ سکت سنگھ کو بعوض مدد معاش ۱۶۱۵ء بعد نسل عطا (راجگان ہند جلد دوم ص ۱۸۱)

[3] بادشاہی زمانہ میں مسعودہ کا علاقہ سرکاری خالصے میں تھا اور اجمیر کے صوبہ دار کی طرف سے تھانہ قائم تھا ۱۶۳۰ء میں جگ مل مع اپنے بیٹوں کے اکبر بادشاہ کی خدمت میں نوکری کے واسطے گیا تھا۔ پنوار راجپوتوں نے مسودے کے تھانہ دار کو نکال کر اپنا قبضہ کر لیا۔ بادشاہ نے ان کے نکالنے کے واسطے جگ مل کو مع فوج متعین کیا اور پنواروں نے چتوڑ کے رانا کی مدد سے بمقام ہرپاڑہ مقابلہ کیا سخت لڑائی ہوئی۔ انجام میں جگ مل فتح یاب ہوا اور مسودے پر دخل پایا۔ بادشاہ نے مسودے کا پرگنہ ہنونت سنگھ پسر جگ مل کو دے دیا۔

(راجگان ہند جلد دوم ص ۱۶۹)

(۴) مان سنگھ راجہ بیاگن راٹھور۔ سیدھا آدمی ہو اسی وجہ سے اپنی ساری ریاست برباد کردی۔ ویلڈر صاحب کے زمانہ میں ادائے مالگذاری کے سلسلہ میں گرفتار ہوگیا اور بہزار دُسوائی سرکاری رقم ادا کی۔

(۵) شیو ناتھ سردار گوبند گڑھ راٹھور۔ اگرچہ خود جوان تھا مگر کارندے پُرانے اور باتدبیر تھے۔

(۶) سورج بھان راٹھور۔ نوجوان تھا۔ جب تک دوسروں کے ہاتھ میں اس کا کام رہا اس سے بہتر طریقہ پر ہوتا رہا۔ خواہشات کی پیروی کی وجہ سے بدنامیاں اُٹھائیں اور اپنی قوم کے ایک سردار کو مروا لنے کی وجہ سے ایک زمانے تک اجمیر میں نظر بند رہا۔ جنرل بہادر نے اس کا قصور معاف فرماکر ملازمت کے شرف سے مستعد بنا دیا۔ نوجوان ہی مرگیا۔ چھوٹی عمر کا لڑکا چھوڑا جس کی مختار اس کی ماں یعنی راجہ کی بیوی سب کے مشورہ سے ہوگئی تھی۔

(۷) اجیت سنگھ سردار دیولیہ راٹھور۔ جوان عمر بیعشت ، طریقہ معتدل او گھوڑے کی سواری خوب کرتا تھا

(۸) بشن سنگھ سردار بری راٹھور۔ گزشتہ قرضہ میں اتنا زیر بار رہا کہ روٹی کپڑا بھی جیسا چاہیے میسر نہیں، جنوبیوں کے زمانہ میں ایک مرتبہ اس کا گاؤں تباہ ہوگیا اور چونکہ اس کا خاندان بڑا اور گاؤں سرِراہ ہو آنے جانے والوں کی تواضع سے اور تباہ ہو رہا ہو اس کا حال رحم کے قابل ہے کیونکہ کوئی بھلائی کی تدبیر اس کے پاس نہیں ہو۔ غالباً اب تک اس کی معاش کا ذریعہ بھی نہ رہا ہو۔ ادائیگی مالگذاری کے سلسلے میں عدم استطاعت کی بنا پر حکومت کا قبضہ (کورٹ) ہو جائے تو عجب نہیں۔

(۹) سر سال راٹھور۔ علاقہ موساں اس کے قبضہ میں ہو۔

(۱۰) رنجیت سنگھ راٹھور۔ لوکا لوگھڑہ اس کا علاقہ ہو۔

(۱۱) سوبھاگ سنگھ راٹھور۔ پوکلہ اس کے قبضہ میں ہو۔

(۱۲) سوامی سنگھ راٹھور۔ موضع سانگر اس کے قبضہ میں ہو۔

(۱۳) لال سنگھ راٹھور۔ کا دہرہ اس کے علاقہ میں ہو۔ اگرچہ دہ مہرول پر بھی جو جگت سنگھ کا حصہ تھا قابض ہوگیا تھا لیکن انگریزی انصاف سے پھر اسی کے وارثوں نے پا لیا۔ صرف تین موضع اس کے نام میں رہ گئے۔ شروع میں وہ اجمیر کے علاقہ میں نہ تھا تاکہ ملاقات ہو جاتی بلکہ اس کے بعد شرف یابی ہوئی۔ لیکن یہاں پر دوسروں کے ساتھ شامل کرکے اس کا نام لکھدیا گیا تاکہ بھول نہ جاؤں۔ فوجداری اور والا وریہ ہندوستانی

وضع رکھتا ہے۔

(۱۴) بخت سنگھ راٹھور علاقہ دار شارہ۔ مگر اس گاؤں راجہ کشن گڑھ کے یہاں رہن تھا یہ شخص حاضر نہیں ہوا۔

(۱۵) پیروہ سنگھ راٹھور۔ موضع ہول اس کے قبضہ میں ہے۔

(۱۶) رنجیت سنگھ راٹھور رتولی ہیمراد اس اس کا علاقہ ہے۔

(۱۷) امر سنگھ راٹھور۔ موضع کادولائی اس کا علاقہ ہے۔

(۱۸) گلاب سنگھ راٹھور۔ موضع پران ہیرہ اس کا علاقہ ہے۔

(۱۹) بھاگ سنگھ راٹھور۔ موضع خواص سرہری اس کا علاقہ ہے۔

(۲۰) کیر سنگھ راٹھور۔ کلکالو اس سے متلق ہے۔

(۲۱) بجے سنگھ راٹھور۔ کرونج اس کے تصرف میں ہے۔

(۲۲) مرجاد سنگھ راٹھور۔ شیر گڑھ باندونی اس کے پاس ہے۔

(۲۳) ناتھ سنگھ راٹھور۔ ماندے اس کا علاقہ ہے

(۲۴) انوپ سنگھ راٹھور۔ نالیکمد اس کے پاس ہے۔

(۲۵) لال سنگھ راٹھور۔ کاچھرہ اس کے پاس ہے۔

(۲۶) بختاور سنگھ راٹھور۔ لکھار اس کے پاس ہے۔

(۲۷) لچھمن سنگھ راٹھور رکھناتھ اسکے قبضہ میں ہے

(۲۸) کسل سنگھ راٹھور ٹاردڑ اس کے قبضہ میں ہے۔

(۲۹) مہتاب سنگھ راٹھور۔ جوناناں اس کے قبضہ میں ہے۔

(۳۰) زور آور سنگھ راٹھور۔ پاوری اس کے قبضہ میں ہے۔

(۳۱) رتن سنگھ راٹھور۔ جیت پورہ۔ اس کے قبضہ میں ہے۔

(۳۲) سورج ناتھ راٹھور۔ سورج کنڈ اس کے قبضہ میں ہے۔

(۳۳) سروپ سنگھ راٹھور۔ کنئے اس کے قبضہ میں ہے۔

(۳۴) جواں سنگھ راٹھور۔ سکرالی اس کے قبضہ میں ہے۔

(۳۵) سردار سنگھ راٹھور۔ مگر اس کے قبضہ میں ہے۔
(۳۶) مدن سنگھ راٹھور۔ رلجیہ بالیاں اس کے قبضہ میں ہے۔
(۳۷) شیو دان سنگھ امان سنگھ راٹھور یوہانیہ ان کے پاس ہو۔
(۳۸) اگر سنگھ راٹھور۔ سانچہ اس کے پاس ہے۔
(۳۹) چمنا خاں قوم چیتہ، راجوسی اس کے قبضہ میں ہے۔
(۴۰) ظالم خاں چیتہ۔ توسرا اس کے قبضہ میں ہے۔
(۴۱) سجان سنگھ راٹھور۔ علاقہ پارہ اس کے قبضہ میں ہے۔
(۴۲) کلیان سنگھ راٹھور۔ موضع سدرا اس کا علاقہ ہے۔
(۴۳) بخت سنگھ راٹھور۔ گوہڑا اس کے پاس ہو۔
(۴۴) رتن سنگھ راٹھور۔ دیولیہ اس کے پاس ہو۔
(۴۵) مہتاب سنگھ راٹھور۔ کوٹلہ اس سے متعلق ہے۔
(۴۶) سمند سنگھ راٹھور۔ کورتھل اس کا علاقہ ہو۔
(۴۷) بجے سنگھ راٹھور۔ ساولا اس کے پاس ہے۔
(۴۸) امان سنگھ راٹھور۔ جدار اس کے پاس ہے۔
(۴۹) شیونا تھ سنگھ راٹھور۔ ریجبہ مالیاں اس کے قبضہ میں ہے۔
(۵۰) اگر سنگھ راٹھور۔ شوکلہ اس کے قبضہ میں ہے۔
(۵۱) ہولی سنگھ راٹھور۔ کلیان پورہ اس کے پاس ہے۔
(۵۲) گوبند سنگھ راٹھور۔ شاہرولی اس کے پاس ہو۔
(۵۳) امر سنگھ راٹھور۔ کیروت اس کا علاقہ ہو۔
(۵۴) جیت سنگھ راٹھور۔ سولیاں اس کا علاقہ ہے۔
(۵۵) بھارت سنگھ راٹھور۔ لانبہ اس کے قبضہ میں ہے۔
(۵۶) جیونت سنگھ راٹھور۔ میواڑا اس کے پاس ہو۔

(۵۷) بھوانی سنگھ راٹھور راکور ستورہ اس کے پاس ہے۔
(۵۸) بدن سنگھ زورآور سنگھ راٹھور کربل ان کے قبضہ میں ہے۔
(۵۹) لچھمن سنگھ راٹھور منوہرپور اس کے قبضہ میں ہے۔
(۶۰) سنبوخاں چیتہ اجیسر اس کے پاس ہے۔
(۶۱) سردخاں " کریکیری اس کے پاس ہے۔
(۶۲) پرتاب سنگھ راٹھور رادل وارہ اس کا علاقہ ہے
(۶۳) بدن سنگھ " سیتھن اس کے قبضہ میں ہے
(۶۴) کرن سنگھ اودے سنگھ گولہ رکھتے تھے گو جمعبندی سنگین ہوجانے سے چھوڑ دیا۔
(۶۵) تیبودان سنگھ راٹھور کوٹری اس کے پاس ہے۔

چونکہ اجمیر کا کاغذ اپنے پاس نہیں ہے جو کچھ یاد آیا لکھدیا۔ ٹھاکر ساور کا نام چونکہ وہ اجمیر میں بہت کم آمد و رفت رکھتا تھا یاد نہیں رہا اور مواضعات کی جمعبندی بھی تفصیل وار یاد نہیں نیز کمی بیشی کے قابل ہے کیونکہ درحقیقت یہ مواضعات آل تمغائی نشتینی میراث کے نہیں ہیں بلکہ ملازمانہ جاداد میں تھے کیونکہ مرہٹہ حکام ہمیشہ مستاجرانہ طور پر دکھن سے آتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جمعبندی میں اضافہ نہ ہو جمع بحال رکھتے ہوئے دوسرے طریقہ سے اضافہ کرلیتے تھے جس کا نام فوجی خرچ وغیرہ تھا اور سرکار دولت مداریہ خیال کرکے کہ راجاؤں کی اولاد میں سپہ گری کے علاوہ اور کوئی پیشہ نہیں جانتے اور سرکار میں ان کی خدمت کی ضرورت تھی۔

راجہ سورج سنگھ اجمیری اجمیر میں راجہ سورج سنگھ رلادتہ وغیرہ کشن گڈھ کے علاقہ سے اور کنگوانہ اجمیر کے علاقہ سے اسکے پاس تھا پہلے روپ نگر بھی رکھتا تھا اور کشن گڈھ کے راج میں شریک تھا۔ کشن گڑھ کے راجہ کے بزرگوں نے زبردستی اس کی جگہ چھین لی۔ اس کے لئے چند تھے چھوڑ دیئے اور اس نے اجمیر میں بود و باش اختیار کرلی اگرچہ بہت کم حیثیت رہ گئی مگر عزت جودھپور اور جے پور میں کشن گڑھ کے برابر ہے آدمی قابل ہنرمند اور ہندی علوم بالخصوص شعر و شاعری اور موسیقی میں اچھی مہارت رکھتا تھا متھرا میں آکر ختم ہوگیا۔ اس کا بڑا لڑکا راجہ حسونت سنگھ رلادتہ پر قابض ہے اور اس کے دوسرے لڑکے کنگوانہ پر۔ ایک نقشہ جس کے ذریعہ راجہ

جودھپور کے نسبی سلسلے میں اجمیر کے ٹھاکروں اور بڑے راجاؤں کا قرب و بعد معلوم ہو جائے میں نے اجمیر میں لکھا تھا اس سفر میں وہ ساتھ ہے چاہتا ہوں کہ یہاں لکھ دوں اگرچہ انگریزی سرکار میں ایک ہندوستانی کی لکھی ہوئی ایسی چیز بالخصوص جو بے وسیلہ اور بے زر ہو ساز و سامان اور شان و شوکت نہ رکھتا ہو قابل التفات نہیں ہوتیں لیکن چونکہ حق نمک مجھ پر ہے ان تیز فہم صاحبوں کے لئے جو اس مصرعہ کا مصداق ہیں "بہمت جوان بہ تدبیر پیر" ایک یادگار چھوڑتا ہوں[1]

بتاریخ ۹ر ستمبر ۱۸۱۶ء کو مال تجارت کی آمد کے نقشہ کی درستی کا پروانہ صادر ہوا مقصد یہ تھا کہ وہ کون سے راستے ہیں جن سے اجمیر کو راستہ جاتا ہے میں نے آخری تاریخ کو لکھ کر بھیج دیا اس کی نقل نہ یاد ہے نہ ہمراہ گھر چھوڑ آیا ہوں۔

راج گڑھ میں تانبے کی کان کی تحقیقات کرنا

۱۱ر اکتوبر ۱۸۱۶ء کو راج گڈھ جانے کا حکم صادر ہوا اس تحقیقات کیلئے کہ وہاں تانبے کی کان ہے میں گیا اور نیاریوں کو ساتھ لے گیا میں پہلے مسعودہ پہنچ گیا وہاں سے شام گڑھ کی سرحد تک فسادی قابو میں نہیں آئے تھے اس قوم کے ایک ایسے ممتاز شخص کو جو زیر فرمان علاقہ میں رہتا تھا میں اپنے ساتھ لے گیا اور حیلہ بہانہ کر کے آبادی میں بھی گھس گیا تھوڑی دیر بیٹھ کر مسعودہ واپس آ گیا ابھی آیا ہی تھا کہ اجمیر واپس آنے کا پروانہ ملا چونکہ اس دن کی دوڑ دھوپ سے کچھ حرارت ہو گئی تھی اور اجمیر سے گھوڑے پر سوار ہو کر شام تک راستہ کی بڑی دقتوں سے بمشکل اپنے کو راج گڈھ پہونچایا تھا دن بھر کچھ کھایا نہ تھا رات کو بہت شدت سے بخار آیا کھانے کی طرف قطعاً رغبت نہیں ہوئی بلکہ زندگی سے بیزار ہو گیا آخر شب میں بخار اُترا۔ میں نے کچھ کھایا اور سو گیا۔ صبح کو اپنے آپکو تندرست پایا مگر ضعف بہت تھا۔ خدا پر بھروسہ کر کے گھوڑے کو بھی چھوڑ دیا راستہ میں ایک دو جگہ گھوڑے سے اُترا دم لیا۔ قریب دوپہر کے اجمیر پہونچ گیا اپنی جائے قیام دار الضرب (ٹکسال) میں آ کر سو گیا شام کو مکرر حکم پہونچا کہ تانبے کی کان کی جو کچھ کیفیت معلوم کی ہو بھیجو اگرچہ نوکری میں ایسا عذر بیجا ہے مگر آقا کی مہربانی پر بھروسہ کر کے میں نے لکھ دیا کہ کل بھیج دوں گا۔

رات میں میں نے عرضی درست کر لی کہ راج گڈھ میں دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے وہاں ہ

---

[1] مولوی عبد القادر نے یہ نسب نامہ یہاں نقل نہیں کیا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بھول گئے۔

کان کا گمان کر کے کھودا تھا جب دیکھا کہ خرچ پیداوار سے زیادہ ہے اس کو "کوہ کندن و کاہ برآوردن" سمجھ کر چھوڑ دیا اب جو کچھ جلے ہوئے پتھر وہاں پڑے ہوئے ہیں ناتجربہ کاروں اور حریفوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ جگہ اچھی ہے۔ ایک دو پتھر جلے ہوئے میں اُٹھا لے گیا اور اس کو پھر جلایا۔

چونکہ پتھر اس میں بہت کم رہ گیا ہو نصف پتھر کے اندازہ سے مال نکل آتا ہے ناواقف سمجھتا ہے کہ خرچ سے آمدنی زیادہ ہے۔ اور اپنی رقم برباد کرتا ہے۔ اور اب تو عرصۂ دراز ہو گیا ہے اُن جلے ہوئے پتھروں پر بھی لوگوں نے دردسری کر کے کچھ فائدہ نہ دیکھا اور اسی گڑھے میں ڈال کر چلے گئے شروع میں امتحان کے طور پر کان کھودنے کی مقدار پچاس ہاتھ ہے یہاں اس سے زیادہ کھد چکی ہے۔ البتہ تانبے کی رگ جیسی اوپر نظر آتی ہے اندر جا کر باریک ہو جاتی ہے موٹی نہیں ہوتی۔ نمرہ اور شام گڑھ میں کوئی پتہ نہیں بتاتا۔ اُن پتھروں کا رنگ جو رگڑ سے رگ لائے ہیں بغیر جلے ہوئے تانبے کا رنگ ہے اور جلے ہوئے میں جیسا کہ جلنے کے بعد تانبے کا رنگ سفید ظاہر ہوتا ہے ویسا ہی ہے۔

عائدین اجمیر اب میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتا ہوں جو آقا کے حضور میں حاضر ہوئے ملاقات کی اور جو محکمہ میں تجویز ہوئے۔

(۱) میر عظیم اللہ متولی درگاہ خواجہ صاحب
(۲) میر عنایت علی خادم درگاہ مذکور
(۳) میر مظہر علی متولی درگاہ سید حسین
(۴) نواب عنایت اللہ خاں جاگیردار ورا تھور وغیرہ
(۵) میر ارشاد علی متولی عرس شیخ عبدالقادر جیلانیؒ و جانشین شیخ ملو ہو و شیخ فضل علی
(۶) نادر یار خاں و خواجہ بخش جاگیردار رسول پور
(۷) ولایت اللہ شاہ اندر کوٹی
(۸) حکیم خاں جاگیردار چھابڑی
(۹) نعمت خاں پسر داؤد خاں
(۱۰) دیوان مادھو راو
(۱۱) دیوان مالو سند حیا
(۱۲) روزمل سورج مل
(۱۳) موتی رام مہتہ
(۱۴) حسکم چند
(۱۵) بال چند
(۱۶) چوتھ مل
(۱۷) خواجو رام بید
(۱۸) حکیم گلزار علی خاں

اجمیر کے سرکاری عہدیداران

اجمیر کے کمشنر ویلڈر صاحب ہیں۔ سررشتہ داری بنام بندہ (مولوی عبد القادر) نیابت بنام شام بہاری لال، محافظ دفتری جواہر لال، کوتوالی بنام سندر داس کشمیری، محرری بنام موہن لال، نظارت یا سب کی خبر گیری بنام عبد اللطیف، پرگنہ سری نگر و اجمیر کی تحصیل بنام مومن خاں دانگی بیگ رام سرکی تحصیل بنام بدری ناتھ اور سار کنکری بنام کشن چند کشمیری مقرر ہوئی۔

باشندگان گمرہ کی دلیری

اسی عرصہ میں عبد اللطیف گمرہ کے لوگوں کو لے آیا انہوں نے کہا کہ ہم سے زراعت نہیں ہوتی کہ رقم ادا کریں معلوم ہوا کہ پیشتر بھی جنوبیوں کے حکم سے سرتابی کرتے تھے، کہنے لگے کہ اگر سرکار ہمارے کھانے کے لئے کچھ دیدے تو ہم لوگ لوٹ مار سے باز آجائیں ورنہ پیٹ کیسے پالینگے یہ لوگ اس پہاڑی علاقہ میں رہتے ہیں جس کا کچھ حصہ اجمیر میں ہے کچھ حصہ جودھپور میں اور کچھ اودے پور کے علاقہ میں شمار کیا جاتا ہے خلاصہ تقسیم یہ ہے کہ ریاست کی کمزوری کے وقت ہر شخص اپنے علاقہ میں چوری کرتا اور رئیس کی قوت کے وقت ایک دو خرگوش ہدیہ بھیجدیتا۔

سرکاری جمعبندی میں خسارہ

دیوان مادھوراؤ نے علاقہ اجمیر میں مالو سیندھیا کے بقایا کے کاغذات ویلڈر صاحب کے سامنے پیش کئے یہ دو قسم کے تھے ایک سالہائے گزشتہ کا اور ایک سن حال کا، سن حال کی بابت سرکاری جمع مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کے خزانہ میں داخل کردی تھی۔ لطف یہ ہے کہ اجمیر کی جمع سربشاہی روپیہ سے تھی اور قائم مقام ریزیڈنٹ صاحب نے وہاں پر کلدار سکہ کا روپیہ بھی اسی تعداد میں دے دیا تھا دونوں میں فرق فی صدی نو روپے چار آنے (دلیم) کا تھا جس سے انگریزی سرکار دولتمدار کا بغیر کسی پر احسان رکھے کھلم کھلا نقصان تھا مگر سرکار کی بلند حوصلگی سے وہاں کے قائم مقام رزیڈنٹ صاحب سے بھی کوئی باز پرس نہ ہوئی بلکہ سرکار میں اس کی بہت اچھی طرح رسائی رہی۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ سرکار ممدوح کا نام کیا تھا۔ اجمیر کے مالگذاروں سے باقی کے مقابلہ کا حکم بندہ (مولوی عبد القادر) کے نام نافذ ہوا اکثر جگہ تو بالکل بے اصل نکلی لیکن کہیں ناداری کی وجہ سے وصول نہیں ہوئی لیکن پھر بھی کچھ کچھ وصول ہوئی ہے۔

راجپوتوں میں استمراری بندوبست

تاریخ ۱۳ اکتوبر ۱۸۱۸ء کو بندہ (مولوی عبد القادر) کے نام ٹھاکروں کے استمرار کی حقیقت لکھنے کا حکم صادر ہوا۔ میں نے لکھا کہ استمرار یہ نہیں ہے

کہ میعادی اجارہ کے چند سال دیکھ کر جب ملک پوری جمع پر پہونچ گیا تو اسی جمع پر مستاجر کو دائمی سند عطا کردی جائے کیونکہ یہ طریقہ راجاؤں بلکہ سلاطین کے زمانہ میں بھی بہت کم تاریخ میں ملتا ہے[۱] صرف انگریزوں کی بدولت بنگالہ میں رواج پاگیا۔

اُس طرف کے لوگ مرادآباد میں چودھری مہتاب کے پاس اور میرٹھ کے علاقہ میں راجہ مین سنگھ وغیرہ کے پاس آکر سیکھ گئے کہ تم لوگ اپنے علاقہ کا استمرار عہد سابق سے ظاہر کرو۔ صاحبان عالی شان کی علو ہمت اور چشم پوشی سے کئی سال تک ان استمراروں کی بنا پر حکام کی جبریہ کامیابی اور عملہ تحصیل کی گرم بازاری رہی۔ یہ بھی نہیں کہ کسی رئیس نے لکھ کر دے دیا ہو کہ اس قدر روپیہ سرکار میں پہنچادیں باقی تم کو معاف۔ یہی وجہ ہو کہ کوئی سند بھی ایسی نہیں لائے جس میں جائداد کا اندراج ہوا ہو اور عہدِ سلطنت کی تاریخی کتابوں سے ظاہر ہے کہ جائدادوں کا حساب بادشاہی دفتر میں پہنچتا تھا اور توفیر واپس مل جاتی تھی مگر اصل یہ ہے کہ راجپوت قوم میں یہ رسم ہے کہ ایک بھائی جب کسی ملک یا پرگنہ یا گاؤں کا باپ کی میراث سے مالک ہو تو وہ دوسرے بھائیوں کو باپ کی زمین میں سے حصّہ دیتا ہے اور وہ اس کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ اگر وہ اطاعت نہ کریں اور یہ طاقت ور ہے تو ان کو نکال باہر کرتا ہے۔ پس اگر بلا قصور نکالا ہو تو دوسرے راجپوت اس کی سفارش کرتے ہیں بلکہ اس کی حمایت اور امداد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر یہ شخص زور آور ہے تو باپ کا جانشین درگزر کرتا ہے اور صرف اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ وہ اس کے ادب کا لحاظ رکھتا ہے۔ پھر جب ہر ایک کی اولاد روز بروز بڑھنے لگتی ہے اور بھائی طاقت میں برابر کے ہو جاتے ہیں تو مسند نشین کی بڑائی صرف نام کی رہ جاتی ہے۔ بلکہ کبھی بعض بھائی زور وزر میں مسند نشین سے بڑھ جاتے ہیں مثلاً اگر اُن کے شریک حصے داروں نے اپنا وارث نہیں چھوڑا۔ گرد و پیش کے ملکوں میں سے ملک بندیل کھنڈ میں بعض مقامات پر ایسا ہی ہوا ہے

---

[۱] اکبر کے عہد سے ایک مستقل صوبہ بنا اور اجمیر میں رہنے لگا اور جو خانقاہی راجپوت میواڑ اور مارواڑ سے علیحدہ ہو کر بادشاہی نوکری میں آئے ان کو اجمیر کے خالصے میں جاگیریں مع مخروسا ہوئیں اکبر کے عہد سے پہلے کوئی جاگیردار یا استمرار دار اجمیر کے علاقہ میں نہیں تھا۔ حکیم نجم الغنی خاں راجگان ہند میں لکھتے ہیں کہ ضلع اجمیر میں تین لاکھ روپیہ سالانہ سرکاری خالصے کے سوا پونے سات لاکھ سالانہ آمدنی کے گاؤں جاگیرداروں کے قبضے میں ہیں جن میں سے ایک لاکھ سالانہ کے قریب خاص شہر کے معافی داروں کی آمدنی ہے اور پانچ لاکھ ساٹھ ہزار سالانہ کی زمین علاقہ کے استمرار داروں کے تحت میں ہے۔ استمرار دار وہ لوگ ہیں جن کی مالگذاری میں بجز خاص خرچ و نذر کے سوا کمی بیشی نہیں کی جاتی پانچ لاکھ سالانہ سے زیادہ کی جاگیر راٹھوروں کے قبضہ میں ہے اور پچاس ہزار سالانہ کے قریب سیسودیوں کے تحت میں ہے اور دس ہزار آمدنی کی زمین مختلف اجپوت راجپوت اور چوہان جیمندہ وغیرہ کے پاس ہے ملاحظہ ہو راجگان ہند جلد دوم صلہ۱

اور اگر راجہ زبردست ہے تو متوفی کے کل حصہ پر قابض ہو جاتا ہے۔ اجمیر کے ٹھاکر سب راٹھور راؤ جودھا کی اولاد
میں سے ہیں جو مارواڑ کے راجہ کا مورث اعلےٰ اور جودھپور کا بانی ہے۔ وہاں کے ٹھاکروں کی جائداد کی سندی
شرح یہ ہے کہ پانسو روپیہ کی پٹہ بندی کو ایک ہزار کا نام رکھ کر ٹھاکر کو دیتے ہیں اور حسب طلب ایک سوار بھیجنا
اس کے ذمہ ہوتا ہے۔ تین سال کے بعد سرکاری کاغذ کی سند پر تیس فی صدی کے حساب سے سرکار میں پہنچاتے ہیں
حقیقت میں یہ شرح چار سو روپے سالانہ اور ایک سوار ہے۔
مارواڑ کے ٹھاکروں کی جو رونق دکھائی دیتی ہے کبھی تو سرکاری دفتروں کے محرروں یا پرگنہ کے قانون
گوؤں سے جو گاؤں کی پیداوار میں کمی بیشی کر دیتے ہیں ساز باز کر لیتے ہیں یا فوج کے بخشی سے ساز باز کر لیتے
ہیں جو ٹٹو کو گھوڑا شمار کر لیتا ہے یہ نہیں پوچھتا کہ دوکاندار کی باربرداری کا ٹٹو ہے یا سردار کی سواری کا گھوڑا
ہے اس کو رعیت پر سزا، جرمانہ، تجارت کے محصول، پیشہ وروں سے زمین کا کرایہ، کمزور اور سردار کو پناہ
دینا اور چور لٹیرے ڈاکوؤں کو آباد کرنے کے اختیارات ہیں اور کبھی لڑائی میں جانبازی کے عوض سرکار سے صریح
رعایت کی بنا پر یا تین سال کے بعد مجوزہ سرکار کو خورد برد کر دینے کے عذر و بہانہ سے فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔
چونکہ اجمیر کو فی الجملہ معرض زوال میں سمجھ رہے تھے۔ یہاں کے ٹھاکر جمعبندی کے تعین اور سہ سالہ تحصیل میں بھی
بہت کچھ نرمی برت رہے تھے۔ مرہٹہ حاکموں نے کچھ عرصہ نوکری پر اکتفا کی پھر مادھو جی سیندھیا پٹیل کے
حاکم سیوجی نے ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء میں ہر ایک پر جمع مقرر کی مصلحت وقت اور رواداری کو دیکھتے ہوئے مقرر کی لیکن
کہیں کم اور کہیں زیادہ کسی قاعدہ کے ماتحت مقرر نہیں کی۔
اس کے بعد سیوا نانا نے ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء میں ایک رقم فوجی خرچ کے نام سے اس پر اضافہ کی اور اس کو جمع سے
علیحدہ رکھا تاکہ سرکاری کاغذ میں جمعبندی پر اضافہ ظاہر نہ ہو اس کے بعد بھی باؤ سیندھیا نے جو ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء سے
۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء تک مہاراجہ دولت راؤ سیندھیا کی جانب سے اجمیر کا حاکم تھا سربشاہی روپیہ جو چاندی میں
ناناشاہی سے زیادہ تھا ٹکسال میں ڈھلوایا۔ فوجی اور دیگر اخراجات میں ناناشاہی روپیہ دیا اور تحصیل میں
سربشاہی روپیہ وصول کیا۔
بھوم وہ زمین ہے جو بقدر ضرورت اوقات گزاری کے لئے راجپوت کے پاس ہے اس پر نہ حق
پاسبانی ہے نہ حق زمینداری۔ کیونکہ اس نواح میں زمیندار اکثر ایسے کاشتکار ہیں جو اپنی زمیں کو خود اپنے

یا اپنے بزرگوں کے تعمیر کردہ کنوئیں سے پانی دیتے ہیں البتہ حکام وہی سرحدوں کی حفاظت ہمیشہ ان کے ذمے کر دیتے ہیں جیسا کہ مشرقی ملک میں زمینداروں کے ذمہ ہی۔

گوشوارہ حکامِ اجمیر

اب اجمیر کے حکام کے نام سال وار لکھتا ہوں تاکہ اسناد کے ملاحظہ میں کام آئیں۔

نام والیِ ملک	نام حاکم	سنہ	کیفیت
جلال الدین اکبر ابن ہمایوں	محمد قاسم نیشاپوری	سنہ ۹۶۵ھ / ۱۵۵۷ء	سنہ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء میں محاصرہ کرکے حاجی خان کا قافیہ تنگ کر دیا سنہ ۹۶۵ھ / ۱۵۵۷ء میں حاجی خان گجرات کو بھاگ گیا۔
" " "	شرف الدین حسین مرزا	سنہ ۹۶۷ھ / ۱۵۵۹ء	اجمیر نوکری میں ملا۔ جالور، ناگور، سابند اور میرٹھ بادشاہی
" " "	حسین علی خاں	سنہ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء	ممالک میں داخل کیے سنہ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء میں بغاوت کے ارادے
" " "	قاضی عماد	سنہ ۹۷۶ھ / ۱۵۶۸ء	جالور پہنچا اور سیر خاں اپنے ملازم کو اجمیر سپرد کیا۔
" " "	جلال بخاری	سنہ ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء	محاصرہ کرکے شیر خاں سے قلعہ چھین لیا گیا۔[1]
" " "	راجہ مادھو سنگھ	سنہ ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء	
" " "	راجہ مان سنگھ	سنہ ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء	
" " "	مادھو سنگھ	سنہ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء	
" " "	میر کلاں	سنہ ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء	
" " "	شہباز خاں	سنہ ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء	
جہانگیر بادشاہ	میرزا مسعود	سنہ ۱۰۱۷ھ	مطابق سنہ ۱۶۰۸ء
"	سعید علی	سنہ ۱۰۱۸ھ	" سنہ ۱۶۰۹ء
"	صفدر خاں	سنہ ۱۰۲۰ھ	" سنہ ۱۶۱۱ء
"	کریم داد خاں	سنہ ۱۰۲۶ھ	" سنہ ۱۶۱۷ء
"	سارد ول سنگھ	سنہ ۱۰۳۲ھ	" سنہ ۱۶۲۳ء

[1] ان جدولوں میں یہ بات کہ حاکم معزول ہوا یا مر گیا یا اسکے بجائے دوسرا مقرر ہوا تحریر نہیں ہوا ہے نیز یہ کہ ایک نام کے کئی حاکم ہوئے ہیں نہ معلوم وہ ہی حاکم دوبارہ آیا یا کوئی دوسرا اسی کا ہم نام ہے مثلاً ایک سال تک مرحمت خاں کی حکومت کا پتہ چلتا ہے جسکا تاریخ سے ثبوت نہیں ملتا مگر کلاں باغ کی عمارت جو اجمیر میں ہے [illegible]

نام والیِ ملک	نام حاکم	سنہ	کیفیت
شاہجہاں بادشاہ	میرزا متو	سنہ ۱۰۳۶ھ	" سنہ ۱۶۲۶ء
" "	حبیب خاں	سنہ ۱۰۳۸ھ	" سنہ ۱۶۲۸ء
" "	سارددل نہوار	سنہ ۱۰۳۹ھ	" سنہ ۱۶۲۹ء
" "	راجہ بھیم سسودیہ	سنہ ۱۰۴۶ھ ۱۶۳۶ء	" سنہ ۱۶۳۶ء
" "	سید باگھا	سنہ ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء	" سنہ ۱۶۳۸ء
" "	محمد مراد	سنہ ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء	" سنہ ۱۶۳۸ء
" "	بھگوان سنگھ	سنہ ۱۰۵۰ھ ۱۶۴۰ء	" سنہ ۱۶۴۰ء
" "	ارجن سنگھ گورا	سنہ ۱۰۵۳ھ ۱۶۴۳ء	" سنہ ۱۶۴۳ء
" "	مرزا مظفر	سنہ ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۴ء	" سنہ ۱۶۴۳ء
" "	چیتل داس گور	سنہ ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۴ء	" سنہ ۱۶۴۴ء
" "	روپ سنگھ رام سنگھ	سنہ ۱۰۶۶ھ ۱۶۴۶ء	" سنہ ۱۶۵۵ء
اورنگ زیب عالمگیر	حافظ ناصر	سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷ء	
" " "	رام سنگھ کوگڑ	سنہ ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء	
" " "	تربیت خان	سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء	
" " "	رحمت خان	سنہ ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء	
" " "	عثمان خاں	سنہ ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء	
" " "	حافظ ناصر	سنہ ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۴ء	
" " "	سید احمد	سنہ ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء	
" " "	مہاراجہ اودے بھان	سنہ ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء	
" " "	مہاراجہ راج سنگھ	سنہ ۱۰۷۷ھ ۱۶۶۶ء	
اورنگ زیب عالمگیر	سید احمد	سنہ ۱۰۷۸ھ	مطابق ۱۶۶۷ء

یہ صوبہ دار کا اس جدول میں کوئی ذکر نہیں اور وہ وارث کے تاریخ اس شہر کا صوبہ دار رہا لیکن اسکے نصب و عزل کا سنہ معلوم نہیں ہوا۔ نیز خان خاناں بھی صوبہ دار ہوا ہے کہ خفا یہ طور بھی کوئی ہوا ہو۔ مجھے اجمیر میں اتنی فرصت نہ تھی کہ تواریخ سے مقابلہ کر لیتا۔ نیز تواریخ میں تعریفوں اصنا باشیوں کے شوق میں عبارت کو استطول دیتے ہیں کہ مطلب نکالنے میں بڑی دقت کرنی پڑتی ہے اور جن کتابوں کی ضرورت ہے وہ اس شہر میں موجود نہیں جو کوئی اجمیر کا فرزند دیکھے گا وہ میرے حق میں دعائے حق سے دریغ نہ کرے گا۔ (عبدالقادر)

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) ... اس کی سکونت کا پتہ دیتی ہو اگرچہ احتمال ہو کہ اقامت کے خیال سے بنائی ہو پھر زندہ رہا ہو تاکہ نام کیلئے یہاں بھی ایک تعمیر چھوڑ دی ہو۔ پیرزادہ علی۔

نام والی ملک	نام حاکم	سنہ ھ		سنہ ع
اورنگ زیب عالمگیر	عابد خاں	سنہ ۱۰۷۹ھ	مطابق	سنہ ۱۶۶۸ء
" " "	نواب نور خاں	سنہ ۱۰۸۰ھ	"	سنہ ۱۶۶۹ء
" " "	جعفر خاں	سنہ ۱۰۸۰ھ	"	سنہ ۱۶۶۹ء
" " "	نواب عزت خاں	سنہ ۱۰۸۱ھ	"	سنہ ۱۶۷۰ء
" " "	مہاراجہ راج سنگھ	سنہ ۱۰۸۱ھ	"	سنہ ۱۶۷۰ء
" " "	روپ سنگھ	سنہ ۱۰۸۲ھ	"	سنہ ۱۶۷۱ء
" " "	نواب اراب خاں	سنہ ۱۰۸۸ھ	"	سنہ ۱۶۷۷ء
" " "	تہور خاں	سنہ ۱۰۹۰ھ	"	سنہ ۱۶۷۹ء
" " "	مہاراجہ راج سنگھ	سنہ ۱۰۹۱ھ	"	سنہ ۱۶۸۰ء
" " "	اسد خاں	سنہ ۱۰۹۲ھ	"	سنہ ۱۶۸۱ء
" " "	مہاراجہ بدھ سنگھ	سنہ ۱۰۹۳ھ	"	سنہ ۱۶۸۱ء
" " "	ابھے سنگھ	سنہ ۱۰۹۶ھ	"	سنہ ۱۶۸۵ء
" " "	راجہ پرتھی سنگھ	سنہ ۱۰۹۷ھ	"	سنہ ۱۶۸۵ء
" " "	سپہدار خاں	سنہ ۱۱۰۰ھ	"	سنہ ۱۶۸۸ء
" " "	خداداد خاں	سنہ ۱۱۰۱ھ	"	سنہ ۱۶۸۹ء
" " "	محامد خاں	سنہ ۱۱۰۲ھ	"	سنہ ۱۶۹۰ء
" " "	الہ یار خاں	سنہ ۱۱۰۴ھ	"	سنہ ۱۶۹۲ء
" " "	صفی خاں	سنہ ۱۱۰۵ھ	"	سنہ ۱۶۹۳ء
" " "	محمد شریف	سنہ ۱۱۰۵ھ	"	سنہ ۱۶۹۳ء
" " "	محامد خاں	سنہ ۱۱۰۶ھ	"	سنہ ۱۶۹۳ء

نامِ والیِ ملک	نام حاکم	سنہ ھ	سنہ ع
اورنگ زیب عالمگیر	سبکداس	سنہ ۱۱۰۶ھ	مطابق سنہ ۱۶۹۴ع
" "	صلاح محمد	سنہ ۱۱۰۹ھ	" سنہ ۱۶۹۷ع
" "	احمد علی	سنہ ۱۱۱۰ھ	" سنہ ۱۶۹۸ع
" "	کنور کیسر سنگھ	سنہ ۱۱۱۰ھ	" سنہ ۱۶۹۸ع
" "	امیر علی خاں	سنہ ۱۱۱۲ھ	" سنہ ۱۷۰۰ع
" "	رامچندر گور	سنہ ۱۱۱۳ھ	" سنہ ۱۷۰۱ع
" "	کنور کیسر سنگھ	سنہ ۱۱۱۴ھ	" سنہ ۱۷۰۲ع
" "	محمد سعید بن شیخ خطیب	سنہ ۱۱۱۵ھ	" سنہ ۱۷۰۳ع
" "	آتمارام گور	سنہ ۱۱۱۶ھ	" سنہ ۱۷۰۴ع
بہادر شاہ اول	نواب عنایت علیخاں	سنہ ۱۱۱۹ھ	" سنہ ۱۷۰۷ع
جہاندار شاہ	شاہ آمد خاں	سنہ ۱۱۲۲ھ	" سنہ ۱۷۱۰ع
" "	رام سنگھ ابن جودھ سنگھ	سنہ ۱۱۲۲ھ	" سنہ ۱۷۱۰ع
فرخ سیر	عنایت خاں	سنہ ۱۱۲۳ھ	" سنہ ۱۷۱۱ع
" "	باز خاں	سنہ ۱۱۲۳ھ	" سنہ ۱۷۱۱ع
" "	جہاں خاں	سنہ ۱۱۲۴ھ	" سنہ ۱۷۱۳ع
" "	عزادار خان عالم	سنہ ۱۱۳۰ھ	" سنہ ۱۷۱۷ع
" "	تمندر خاں	سنہ ۱۱۳۰ھ	" سنہ ۱۷۱۷ع
محمد شاہ	مہاراجہ کیسری سنگھ	سنہ ۱۱۳۱ھ	" سنہ ۱۷۱۸ع
" "	مہاراجہ مان سنگھ	سنہ ۱۱۳۳ھ	" سنہ ۱۷۲۰ع
" "	جعفر علی خاں	سنہ ۱۱۳۷ھ	" سنہ ۱۷۲۴ع

نام والیِ ملک	نام حاکم	سنہ ھ		سنہ ع
محمد شاہ	شیخ رحمت اللہ	سنہ ۱۱۴۱ھ	مطابق	سنہ ۱۷۲۸ع
"	ولی محمد خاں	سنہ ۱۱۴۲ھ	"	سنہ ۱۷۲۹ع
"	میر محمد اسلم	سنہ ۱۱۵۲ھ	"	سنہ ۱۷۳۹ع
راجہ بجے سنگھ جودھپور	محمد اسلم	سنہ ۱۱۵۷ھ	"	سنہ ۱۷۴۴ع
بجے سنگھ	بالوجوشی	سنہ ۱۱۷۶ھ	"	سنہ ۱۷۶۲ع
مادھو سیندھیا	باپوراؤ پنڈت	سنہ ۱۱۷۷ھ	"	سنہ ۱۷۶۳ع
" "	سیواجی	سنہ ۱۱۸۱ھ	"	سنہ ۱۷۶۷ع
" "	مرزا انور بیگ	سنہ ۱۱۸۳ھ	"	سنہ ۱۷۶۹ع
" "	سنتوجی	سنہ ۱۱۸۴ھ	"	سنہ ۱۷۷۰ع
" "	جیوارام	سنہ ۱۱۹۰ھ	"	سنہ ۱۷۷۶ع
"	انور بیگ	سنہ ۱۱۹۶ھ	"	سنہ ۱۷۸۲ع
بجے سنگھ	دین رام سنگھی	سنہ ۱۲۰۱ھ	"	سنہ ۱۷۸۶ع
مادھوجی سیندھیا	سیوانانا	سنہ ۱۲۰۵ھ	"	سنہ ۱۷۹۰ع
دولت راؤ	پیرون صاحب	سنہ ۱۲۱۵ھ	"	سنہ ۱۸۰۰ع
" "	بلی راؤ	سنہ ۱۲۱۸ھ	"	سنہ ۱۸۰۳ع
" "	میرا خاں	سنہ ۱۲۲۴ھ	"	سنہ ۱۸۰۹ع
" "	کمانجی راؤ سیندھیا عرف نانہا	سنہ ۱۲۲۴ھ	"	سنہ ۱۸۰۹ع
"	باپوراؤ سیندھیا	سنہ ۱۲۳۲ھ	"	سنہ ۱۸۱۶ع
سرکار کمپنی	دلیدر صاحب	سنہ ۱۲۳۳ھ	"	سنہ ۱۸۱۷ع

چند ضروری تاریخیں

اب چند باتیں اور بھی میں یہاں بیان کر دوں جن کا سنین سے تعلق ہے اکبر بادشاہ کے جلوس کا دن جمعہ ۲ ربیع الآخر سنہ ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء ہے۔

سنہ ۹۹۲ھ فصل الٰہی میں نوروز سے بنیاد رکھی اس کے شروع میں جلوس کا دن چہار شنبہ ۲۸ ربیع الآخر سنہ ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء مقرر کیا۔ اس کے بعد اسی حساب سے لکھا گیا۔

جہانگیر بادشاہ کے جلوس کا دن پنجشنبہ ۱۱ جمادی الآخر سنہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء مگر تاریخ جلوس نوروزی جو ۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء کو واقع ہوئی تھی تحریر میں آئی۔

شاہجہانی جلوس کا دن یکشنبہ ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء ہے اور اکبرآباد کے تخت پر بیٹھنے کا سال سنہ ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء ہے۔

اور جلوس محمد شاہ (بن جہان شاہ ابن بہادر شاہ) کے جلوس کی تاریخ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء بروز دوشنبہ ہے۔

تانتیا سندھیا سنہ ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں مر گیا۔ اس کے بھائی بابورا و سندھیا نے ماہ شعبان سنہ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء تک اسی کی مہر جاری رکھی۔

بابُ دوم

باشندگان مگرہ کے تفصیلی حالات

اب ہر ایک سال کی سرگزشت لکھتا ہوں۔

۱۳ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو حسب ارشاد مگرہ کے حالات لکھ کر حضور میں پیش کئے۔ مگرہ اس ملک کی زبان میں ماہی پشت جیسے بلند مقام کو کہتے ہیں۔ مگرہ کے بدمعاش لوگ اجمیر کے جنوبی مغربی گوشہ کی جانب کوہستان میں رہتے ہیں۔ اصل میں یہ لوگ چوہان قوم کے راجپوت ہیں۔ لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ چوہانوں کے ایک راجہ نے بوندی پیردھا واکر کے مینہ قوم کی ایک عورت کو پکڑ لیا اور عشق میں گرفتار ہو گیا۔ ہمبستر ہوا۔ دو لڑکے اس سے پیدا ہوئے ایک کا نام جودھا اور دوسرے کا لاکھن رکھا۔ چونکہ راجپوت اور مینہ میں اس قسم کا میل جول نہیں ہے اس لئے دونوں لڑکوں کو معہ ان کی ماں کے اوملا پہاڑ میں بھیجدیا اور مینہ سے متعلق کر دیا۔

ہر ایک سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ ہمارا جوڑ اور قرابت دوسرے ہندوؤں سے نہیں ہو سکتا۔ چونکہ پیدا کرنے والے نے ہمیں دوسری قوم کا پیدا کیا ہے۔ ہم بھی دوسرا طریقہ نکالیں کہ چچا کی لڑکی سے پیوند جاری کر دیں چنانچہ جودھا سے مہرا اور لاکھا سے گورا ہوا۔ گورا کی اولاد کو میر کہتے ہیں۔ کیونکہ میر ایک پہاڑی مقام ہے وہ وہیں کوہ نشین رہا اور چندلاں نام آور نہ ہوا اس کی جگہ اس کی اولاد نام آور ہوئی اور مہرا نام آور رہا اس کی اولاد اسی سے منسوب ہوئی مہرادت انہی کو کہتے ہیں لفظ دت نسبت کے لئے آتا ہے۔ مہرا کی اولاد نے ہر راج میں بھلائی حاصل کی۔ سلاطین غور کے زمانے میں قوم کی تباہی کے اندیشہ سے ختنہ کرا کے اپنا عقیدہ چھوڑ دیا اور اسلام میں داخل ہو گئے مسلمانوں سے رشتے کئے اور بادشاہ سے تعلق پیدا کر لیا۔ تمام قوم میر اور مہرادت نے قومی حفاظت کے شکریہ میں اپنے سردار کا لقب ہیراج رکھکر اس کی تعریف کیں۔ اس کے دو لڑکے ہوئے گومیا اور رکا تھا۔ گرمیا کی اولاد چیتہ کے نام سے مشہور ہوئی کیونکہ یہ لوگ شاہی لشکر کے ساتھ لڑائی میں کود کر تلوار مارتے تھے۔ بندہ (مولوی عبدالقادر) نے اس قوم

کے نسب نامہ کی ایک کتاب بنسا ولی کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں تحریر ہو کہ جودھا نام کا ایک لڑکا راجہ پرتھی راج چوہان کا مینہ قوم کی عورت سے ہوا۔ اس نے اس راز کو مخفی رکھ کر کچھواہا قوم کی ایک لڑکی سے اس لڑکے کا جوڑ ملا دیا۔ پردہ فاش ہونے پر جب بلوے اور جنگ کا اندیشہ دیکھا لڑکے اور اس کی ماں کو حرم سرائے سے نکال دیا اور بدنور میں جو اب راناؤ دے پور کی حکومت میں ہے لا کر رکھا اس سے دو لڑکے ہوئے۔ اجیل اور اننت۔ اجیل کا لڑکا بنجل اسکا دیوانسی اسکا راسی اسکا بہروا اسکا ہیش اسکا کالا اسکا جیلا اسکا جلا اسکا میرزا اسکا مرکھا اسکا باگھا اسکا سمیرسی اسکا سمیروال اسکا کورتمند اسکا کاتہا اسکا کرم سی اسکا سلا اسکا رسی اسکا ملا اسکا سپلا اور اسکا ہر یراج ہوا۔

راناکو بھلا نے ہر یراج کو بدنور سے نکالا وہ بادشاہ دہلی کے پاس آکر مسلمان ہوگیا اور اپنی بہن بادشاہ کو دیدی اور بادشاہ کی امداد سے پھر بدنور لے لیا۔ ہر یراج نے دو لڑکے چھوڑے کرما اور دولا بادشاہ نے ایک دن فرمایا کہ حوض کے ایک کنارے سے کود کر دوسرے کنارہ پر پہنچو دونوں کود گئے۔ کرما نے بہادر خاں کا خطاب پایا اور دولا نے چیتہ کا خطاب حاصل کیا۔ دونوں کی اولاد بہادر خانی اور چیتہ سے مشہور ہوئی۔

حالات مہراوت یا چیتہ

دوسرا لڑکا کاتہا جورتن سی نام رکھتا تھا اس سے سوسنی اس سے انا اس سے شاہ مل اس سے پیرم اس سے مہرا ہوا۔ مہرا نے نام پیدا کیا اور ایک لڑکا دودا نامی چھوڑا۔ دودا کے دو لڑکے ہوئے ایک کاتھا دوسرا کورا۔ کاتھا مسلمان ہوگیا اور اپنی بہن بادشاہ کو دیدی۔ اولاد کو اپنے نامور دادا مہرا کے نام سے منسوب کرکے مہراوت لقب رکھا۔ کورا کی اولاد جو مسلمان نہیں ہوئی اپنے پرانے نام میر پر رہی چنانچہ اننت کی اولاد کا بھی وہی لقب ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ میر مہراوت کو لڑکی دے دیتے ہیں یہ اننت کی اولاد ہے نہ کہ کورا کی کیونکہ وہ لوگ بھائی سمجھتے ہیں اور تاریخی اعتبار سے راناکو بھا پسر رائے مل پسر رانا سانگا ہے جو بابر کے زمانے میں تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر یراج کے اسلام لانے کا زمانہ شیر شاہ یا سلاطین تیموریہ کا تھا۔ میر قوم خورد و نوش بیاہ شادی اور پوجا پاٹ میں چوہانوں کا سا طریقہ رکھتے ہیں مگر سور کے ترک اور گائے کا گوشت کھانے اور لڑکیاں دینے میں مہراوت کے متبع ہیں۔ مہراوت اور چیتہ جو اسلام کے مدعی ہیں خورد و نوش میں مسلمانوں کے شریک ہیں اگر لڑکے کا

نکاح میر کی لڑکی سے ہوتا ہے تو اس میں ہندوانی رسمیں ادا کرتے ہیں اور لڑکی کے نکاح میں جو مسلمانوں کو دیتے ہیں ——————— اس میں اسلامی رسمیں ادا کرتے ہیں مگر بھوانی کی پرستش میں سب متفق ہیں اور میراوت اور چلیتہ مسجد ضرور بناتے ہیں لیکن نماز روزہ نہیں جانتے۔ بعض اللہ اللہ بھی تسبیح پر پڑھتے ہیں۔ چھوٹی عمر کی لڑکی کو مار ڈالتے ہیں۔ میر زنا سے پرہیز کرتے ہیں میراوت اس باب میں اور بھی زیادہ پرہیز کرتے ہیں کم و بیش سب کھیتی کرتے ہیں غارت گری سے مفت مال جس قدر بھی ہاتھ لگے اس کو شیر مادر سمجھتے ہیں جو لوگ محفوظ جگہ رہتے ہیں وہ مالگزاری کی ایک پائی نہیں دیتے اور جو لوگ ایسی امن کی جگہ نہیں رکھتے وہ ریاست کی طاقت کے مطابق بطریق نذر اور ہدیہ کچھ دیدیتے ہیں اکثر گھوڑوں پر چڑھ کر ڈاکہ ڈالتے ہیں پیدل کم، چوری جدا جدا اور ڈاکہ مجمع کے ساتھ ڈالتے ہیں اکثر پانچ سے کم اور سو سے زیادہ نہیں ہوتے اپنے گھروں سے چالیس کوس کے فاصلہ تک یہ سب کچھ ہوتا ہے دور کے مقامات پر غارت گری کے لیئے نہیں جاتے۔ ہتھیاروں میں تلوار اور چھوٹے چھوٹے نیزے ہوتے ہیں بندوق بہت کم، تیر کی طرح ان کا پتھر نشانہ سے خطا نہیں کرتا لوٹ میں حصہ کا یہ طریقہ ہے کہ سوار کے دو حصے پیدل اور بوجھ اُٹھانے والے کا ایک، صرف گھوڑے کا ایک اور اگر گھوڑا مر جائے تو پہلے اس کی قیمت نکال دیتے ہیں تاکہ مالک کو پہنچا دیں اس کے بعد تقسیم کرتے ہیں۔

باشندگانِ مگرہ کو راہِ راست پر لانے کی تدبیر

ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے اور زراعت کا عادی بنانے کی تدبیروں میں سے ایک یہ ہے کہ ان لوگوں سے امن اُٹھا لیا جائے جس کسی کو مگرہ کا باشندہ پائیں گرفتار کرکے لے آئیں اگر مقابلہ کرے تو قتل کردیں اور اس کا مال و اسباب چھین لیں ایک دو سال میں بہت سے مر جائیں گے۔ زخمی ہو جائیں گے اور گرفتار ہو جائیں گے، باقی سیدھے ہو جائیں گے جیسا کہ بریلی اور مراد آباد میں میواتی وغیرہ دامنِ کوہ میں اسی طرح سیدھے ہو گئے۔ دوسری عجلت کی تدبیر یہ ہے کہ ان کے قرب و جوار کے معتبر استمرار داروں کے پاس سختی کے ساتھ ان کو بلا لیا جائے اور آنے کے بعد استمرار داروں کی ضمانت کے بغیر ان کو نہ چھوڑا جائے۔

مفسدوں سے گاؤں والوں کے جرائم کی بابت جوابدہی یا مجرموں کو عدالت میں لے جانے کا اقرار نامہ لکھوا لیا جائے۔ ان استمرار داروں پر جن کے کہنے سے مفسد حاضر ہو جاتے ہیں ان کا اعتماد یقینی ہے۔ نیز اگر

فوج کے ذریعہ ہر طرف سے ان کی ناکہ بندی کر لی جائے کہ باہر سے ان کو رسد نہ پہنچ سکے نہ ان میں سے کوئی باہر نکل سکے جو بھی نکلے گا زخمی یا گرفتار ہو جائے گا اس طرح کھیتی یا غلہ کم ہو جائے گا یا تو دوسرے ملک میں چلے جائینگے یا فرمانبردار ہو جائینگے یا میدان میں آکر انگریزی فوج کی زد و کوب دیکھ لیں گے اور اپنی بداعمالی کا نتیجہ بھگتیں گے۔

دستور زمینداری اس کے بعد ملک کے زمینداروں کا دستور لکھنے کا حکم صادر ہوا۔ میں نے لکھا کہ زمیندار اس ملک میں زمیندار جاٹ۔ گوجر اور راجپوت ہیں۔ اور دیس والی مسلمانوں میں ہیں فائدہ صرف اس پر اتنا ہے کہ بسوہ داری زمین میں سوائے زمیندار یا اس کی اجازت والے کے کوئی زراعت نہیں کر سکتا اجازت کی صورت میں آراضی کی پیداوار یا کاشت کے بموجب جو کچھ مقرر ہو جائے فی بیگہ دس سیر یا بیس سیر مالکِ زمین کو دیا جاتا ہے۔ بائع اور راہن بعد بیع و رہن کے اگر زراعت کرے گا تو مشتری اور مرتہن کو زمینداری کا محصول دے گا اور زمینداری صرف چاہی زمین پر منحصر ہے۔ بارانی زمین کو جو چاہے بو سکتا ہے اس محصول کو کھوکھری کہتے ہیں اور بارانی زمین میں کنواں کھودنے سے زمیندار ہو جاتا ہے۔

پٹیل کی رسمیں بطور مہرانہ اور پٹواری کا حق بطور چک مقرر ہے۔ بارانی زمین کا کاشتکار دو سال کے بعد نئے کاشتکاروں کی بہ نسبت تخفیف کا مستحق ہو جاتا ہے۔ بٹہ اور قبولیت میں پرانے پٹیل کا نام لکھا جاتا ہے نیا نام پرانوں کی اجازت پر موقوف ہے لیکن سب زمیندار اور دو سالہ کاشتکار نفع و نقصان میں شریک ہیں۔ سلطنت کے زمانے میں رعایا سے آٹھواں۔ ساتواں۔ چھٹا۔ پانچواں حصہ غلہ کا سرکار میں پہنچتا تھا اس کے بعد جو بھی آیا اس پر بڑھاتا گیا۔ اگر پٹیل خود کاشت کرتا ہے تو سرکاری حصہ بہ نسبت دوسری رعایا کے کم دیتا ہے۔ پٹیل اور پٹواری لڑکی کی شادی میں اس کے باپ سے چونری کے نام سے کچھ رقم لے لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر بیوہ عورت دوسرا شوہر کرے یا داماد ڈھول بجوائے تو ان سے بھی کچھ رقم جو ہر پرگنہ میں مختلف ہے وصول کرتے ہیں۔ ڈھول بنوانے کا خرچ پٹواری اور پٹیل کے ذمہ نہیں ہے۔ فصل ربیع میں کاشتکاروں سے فی صدی ایک من یا کم و بیش اس گاؤں کے قدیم معمول کے مطابق اور فصل خریف میں بیل شماری میں کچھ رعایا سے اور زیادہ سرکار سے ہر گاؤں کی مختلف

شرحوں کے مطابق لیتے ہیں۔ اس ملک میں ایک نیا عہدہ ہے جس کو پانچ کہتے ہیں وہ پٹیل۔ پٹواری اور کاشتکاروں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ کاشتکاروں پر تحصیل کے وقت جمعبندی کی رقم تقسیم کرنا اس کا کام ہے۔ ان رقوم کو دیکھ کر ویلدر صاحب نے فرمایا کہ سرکاری عمل دخل ابتدائی ہے جبتک سرکار میں اس کی نالش نہ آئے اس کی ممانعت جاری کرنے کی ضرورت نہیں۔

بھکر کے میلے کا انتظام بھکر کے میلہ میں خود ویلدر صاحب تشریف فرما ہوئے کمپنی کے سوار نگرانی کے لیے پہونچ گئے۔ جانوروں کا محصول جو گھوڑوں۔ اونٹوں اور بیلوں وغیرہ پر تھا معاف کر دیا گیا اس سے تمام ملک میں سرکار کی شہرت ہو گئی۔ ناظم عبداللطیف اور بندہ (مولوی عبدالقادر) کو بروز عشرۂ محرم ۱۲۳۳ھ شہر میں چھوڑا تاکہ لوگوں میں تکرار نہ ہو اور فرمایا کہ گیارھویں تاریخ کو بھکر میلہ میں پہونچ جاؤ ہم تعمیل حکم بجالائے وہاں کے لوگوں کا طریقہ تھا کہ عشرہ کے دن ننگی تلوار لیکر تلوار بازی جسکو پٹہ کہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور تعزیئے کے آگے پیچھے ایسا کرتے ہیں۔ اجمیری دڑہ کے لوگوں اور شیخ مادھو کی پارٹی والوں میں تکرار ہو جایا کرتی تھی سرکاری بند دبست کی وجہ سے ایسا نہ ہوا۔ اجمیری خان سے جو اجمیری دڑہ والوں اور شمشیر زنوں کا سرگروہ تھا کہا گیا کہ اگر تلوار بازی میں کسی کے زخم آگیا تو تم سے مواخذہ کیا جائے گا اور بھکر کے میلے میں راستوں میں امن کی وجہ سے دور دور کے لوگ جو برسوں سے نہیں آتے تھے آگئے۔ راجہ کشن گڑھ کے نمائندہ سے ان کے علاقہ کی سرحد کی حفاظت کے متعلق بطرز مناسب تاکید کی گئی۔ اس میلہ میں وہاں پر چور اُچکے بہت آتے ہیں اور کھوٹے روپیہ سے دوکانداروں کا سامان خرید لے جاتے ہیں۔ دوکاندار ترازو کے ہلکے پلّے کو بھاری اور بھاری کو ہلکا دکھاتے ہیں اور کم وزن کے باٹ رکھتے ہیں سب کے باٹ دیکھے گئے جس کسی کے باٹ کم نکلے اُس پر جرمانہ کیا گیا کمی کا اصل وزن پر اضافہ کر کے سرکاری نشان کا باٹ اس کی دوکان پر رکھوا دیا تاکہ میلہ میں اسی باٹ سے بیچے اور لوگوں کے بدلے اسی کا نقصان ہو۔ ترازوں کی ڈنڈی اس وضع کی دوسری جگہ نہیں ہوتی۔ مجھے خبر نہیں تھی اسی گروہ میں سے ایک نے مجھے بتایا میں نے ایسے دوکاندار سے کچھ تولنے کے بہانے سے ترازو منگائی وہ اس بھید سے بے خبر تھا اس نے دے دی معلوم ہوا اس میں یہ آفت ہے۔ چونکہ میلہ میں ایک دوکاندار کی پردہ دری سے سب لوگ بدگمان ہو جاتے اس لئے اسی دوکاندار

کو علیحدہ بلا کر اس کا قصور اسے دکھایا اور وہ تماز دسرکار میں رکھدی، ہوشیار لوگوں کی کچھ ڈال کر چھوڑ دیا کہ جیب کا خیال رکھیں جس کا ہاتھ اس پر پڑے اس کو پکڑ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ باہر سے آئے ہوئے بے سرمایہ شخص کی میلہ میں جائے قیام دیکھ کر اس نواح کے لوگوں سے پوچھیں اگر وہ لوگ اس کو نیک بتائیں تو کہدیا جائے کہ اگر اس کا کوئی قصور رہا تو تمہارے ذمہ ہے اور اگر کہیں کہ ہم نہیں جانتے تو میلہ کے پاسبانوں کو اسے دکھا دیا جائے کہ اس سے بے خبر نہ رہیں اور اگر کسی پر ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو میلہ کی سرکاری حد سے روانگی تک کوتوال کے سپرد رکھتے۔ اس کے بعد اس کا حلیہ لکھ کر ہم چھوڑ دیتے۔

باشندگانِ مگرہ کے دیہات اور سرداروں کا گوشوارہ

پھر ایک دن ارشاد ہوا کہ اگر تخمینہ اور اندازہ سے مگرہ کے لوگوں کے چھوٹے بڑے دیہات کی تعداد اور کارآمد لوگوں اور چند سرداروں کی کیفیت بھی معلوم کر لو تو بہتر ہو۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ تفتیش کی اور معلوم بھی ہو گیا مگر اس تفصیل سے نہیں جیسا کہ اب کپتان بالصاحب کے تقرر کے بعد دریافت ہوا ہے۔ لیکن زیادہ فرق بھی نہیں ہے۔ میں نے لکھا کہ چار سو سے زیادہ اور تین سو سے کم دیہات نہ ہوں گے۔ لیکن بعض پانچ چھ اور دس گھروں کے اور بعض پانسو ہزار اور دو ہزار کے بھی ہیں لیکن بڑے کم اور چھوٹے زیادہ ہیں۔

نام دیہہ	تعداد کروہ	جہت از اجمیر	تعداد خانہا	تعداد مردانکار	نام سردار	علاقہ
شاہ گڑھ	۱۲	جنوب	۳۰۰	۵۰۰	امراو بھیال	اجمیر پرگنہ مسودہ
دھتیا کھیڑہ	۱۲	"	ویران	ندارد	ندارد	" " "
گھیرہ کانتا	۱۱½	"	۴۰	۸۰ نفر		" " "
جھاگ	۱۵	"	۳۰۰	۹۰۰		" " "
لولوا	۱۴	"	۱۵۰	۵۰۰		" " "
لوردا	۱۷	"	[illegible]	[illegible]		میواڑ
اٹھوال	۱۸	"	....	...	بھوپ جی خاں	میواڑ
کھیرہ تاکا	۱۹	"	۱۰۰	۳۰۰		"
کھیرہ مردکا	۱۹	"	۱۰۰	۳۰۰		"

نام دیہہ	تعداد کروہ	جہت از اجمیر	تعداد خانہا	تعداد مردانِ کارزار	نام سردار	علاقہ
انگرہ	۲۰	جنوب	ماف ۱۵۰	ضما		میواڑ
رکھی گڑھ	۲۰	"	تار ۳۰۰	تسما ۶۰۰		"
ساروٹ	۲۱	"	لثعا ۳۰۰	الف ۲۰۰۰		"
برتور	۲۰	"	ما ۱۰۰	اسما ۴۰۰		"
بادلی	۲۰	"	ما ۱۰۰	تار ۳۰۰		"
بنار	۲۲	"	ما ۱۰۰	تسما ۶۰۰		"
بیلاکس	۲۳	"	ما ۱۰۰	ماف ۱۵۰		"
روما	۲۴	"	ماف ۱۵۰	امافک ۲۳۰		"
نیزی	۲۴	"	فہ ۵۰	ماعسہ		"
جھانگ	۱۵	گوشہ جنوب و مغرب	اعـ ۲۰۰۰	صمـ ۵۰۰۰	نارنی خاں و ہمت خاں	مارواڑ
جناز	۱۸	"	اسما ۴۰۰	اعـ ۲۰۰۰	لکھو باجی ٹھاکر	"
مارہ	۱۰	مغرب	اسما ۴۰۰	اعـ ۲۰۰۰	ناتھا	"
مان پورہ	۱۹	جنوب	ضما ۵۰۰	اعـ ۲۰۰۰	ناتھا	"

ریاست جودھپور کے معاملات میں انگریزوں کی مداخلت

انہی دنوں میں سُنا گیا کہ کنور چتر سنگھ پسر مہاراجہ مان سنگھ والی جودھپور بعارضۂ چیچک گزر گیا راجہ بالائے قلعہ ریاست سے یکسو ہو کر تنہا بیٹھا ہے چند سواروں اور کارگزاروں کا بالائے قلعہ قبضہ ہے۔ وہ لوگ اس فکر میں ہیں کہ راجہ کے لڑکے آیدر کو مسند پر بٹھا دیں اور قلعہ کے نیچے کچھ لوگ اس خیال میں ہیں کہ دھونکل سنگھ کو اس کے باپ بھیم سنگھ کے مرتبہ پر پہنچا دیں۔ دونوں فریقوں کو اتنا سخت اختلاف ہے کہ ہر دو گروہ کے لوگوں کو نیچے اوپر آنا جانا دشوار ہے۔ اس عرصہ میں جنرل آکٹرلونی صاحب جے پور سے اجمیر تشریف لے آئے اور منکاف صاحب بہادر کی کلکتہ صدر میں اور ان کے بجائے

دہلی کی رزیڈنسی پر جنرل صاحب کی تعیناتی کی خبر ملی۔ نواب امیر خاں بھی اجمیر میں آگیا۔ جنرل صاحب نے ویلدر صاحب کو جودھ پور کی روداد تگی اور وہاں کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ آیا راجہ حقیقت مجبور ہے تاکہ اسکی مدد کی جائے۔ یا دیوانہ ہو گیا جیساکہ مشہور ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے جانشین سے قرارداد کی لکھت پڑھت کی جائے اور جنرل صاحب خود دہلی چلے گئے اس سے بیشتر جنرل صاحب کی طرف سے منشی برکت علی خاں چند روز راجہ کے پاس رہ آیا تھا اور جو کچھ دیکھا اور سمجھا تھا عرض کر دیا تھا۔[1]

میں (مولوی عبدالقادر) ۱۸۱۹ء میں جودھپور پہونچا راستہ میں جہاں بھی پہونچا تھا ٹھاکروں یا ملازمین میں سے کوئی بھی ویلدر صاحب کی ملاقات کے لئے نہیں آتا تھا۔ البتہ غربا جنہوں نے کبھی دنیا جہان عالیشان کو نہیں دیکھا تھا دیکھنے چلے آتے تھے۔ ایک گروہ نے نواب امیر خاں کی شکایت اور مہاراجہ کے خاص ملازم کپتان دان سنگھ کا شکوہ کیا پرتاب سنگھ ٹھاکر پوسو اور بہادر سنگھ ٹھاکر کوری کی تجارت پیشہ ہو گئے تھے اور منشی برکت علی خاں کا رشتہ دار کرم احمد جو اس کے بعد جنرل صاحب کا منشی ہوا تھا جودھپور کی خبریں دینے پر مامور تھا اس کی عرضیاں پہونچ رہی تھیں سرو بھی والا جو راجہ کے ملک میں دوڑتا پھرتا تھا اور راجہ کی فوج اس کی تنبیہ کے لئے گئی ہوئی تھی دونوں میں جنگ ہو رہی تھی خبریں آرہی تھیں یہاں تک کہ ہم جودھپور کے قریب پہونچ گئے۔

ریاست جودھپور کی طرف سے ویلدر صاحب کا استقبال

اخبار نویس کے نام تحریر گئی کہ وہ صاحب سے ملاقات کرے اور وہاں کی حالت بیان کرے۔ اس سفر میں آقا کے ہمراہ بندہ (مولوی عبدالقادر) بہاری لال اور عبداللطیف تھے۔ بہاری لال جاڑے بخار کے دورہ میں

---

[1] ۱۸۱۲ء میں راجہ جودھپور نے امیر خاں کو اجمیر سے بلایا اور استقبال کر کے خبریں اُتارا پھر دو تین دن کے بعد خلوت میں کہا کہ بخشی سنگی اندرون مجھ سے منحرف ہوا ہے۔ میں اس کو علیحدہ کرنا چاہتا ہوں۔ نواب امیر خاں نے سمجھا یا کہ وہ عقل مند آدمی ہے۔ راجہ مان سنگھ نے امیر خاں کی رائے سے اتفاق کیا اور اس کو بحال رکھا۔ مہاراجہ نے رنج اور دیوانگی کے سبب ریاست کا کاروبار اپنے بیٹے چھتر سنگھ کو سونپ دیا۔ کنور کم عمر اور عیاش تھا، دشمنوں نے زہر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ بیٹے کی موت سے راجہ اور بھی دیوانہ ہو گیا۔ اس نے ایک خدمت گار کے علاوہ سب کو بے اعتبار کیا اور کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ یہاں تک کہ ایک انگریزی اہلکار منشی برکت علی تنہا اس کا حال پوچھنے گیا اور سرکاری عہد نامہ ہونے کے بعد راجہ نے تکلیف سے رہائی پائی۔

(تاریخ راجگان ہند جلد دوم ص۵۰)

مبتلا اور عبداللطیف کو کچھ کچھ وجع مفاصل تھا۔ جب میں تو ندرہ پہونچا تو وہاں سے جودھپور کا قلعہ نظر آتا
تھا۔ خود بدولت نے بندہ سے فرمایا کہ تو یہاں سے جا کر آج ہی واپس آجا اور اخبار نویس سے کہو کہ وہ کیوں
نہیں آیا اور اپنے طور سے اس کا سبب بھی معلوم کر لینا کہ راجہ کی طرف سے کوئی کیوں یہاں تک نہیں آیا
میں گیا۔ دیکھا کہ اخبار نویس تپ و لرزہ میں مبتلا ہے۔ لیکن مہاراجہ کی سرکار میں آمد و رفت رکھتا ہے۔ اور
سارا شہر اس کی طرف ڈھلا ہوا ہے۔ شہر میں فیتو ناتھ سنگھ کچاون کا سردار اور فتح راج سنگھی کثیر فوج اور جنگی
سامان کے ساتھ ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے اور ایک مقام پر چھوٹے خاں کے ساتھ بھوکوں کا علی غول ہے اور
نوکری کے اُمیدوار بہت ہیں۔ میں نے پوچھا بموجب پروانہ اگر مرض کی وجہ سے کام نہیں کیا تو معذرت
کیوں نہ لکھ بھیجی۔ کیونکہ ویلدر صاحب میری اور تمہاری برطرفی کے مالک ہیں۔ اب چاہیئے کہ صبح تک
یا تو خود پہونچ جاؤ یا معذرت لکھ کر روانہ کر دو۔ کہنے لگا کہ شدتِ مرض دونوں کی مانع رہی۔ میں نے اس کو
بتایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے دوستانہ کہا ہے۔ آقا کی طرف سے پیام نہ سمجھنا وہ اُٹھا اور کہا ذرا ٹھہر و میں اتنا
معلوم کر لوں کہ کل استقبال کے لئے کون جائے گا۔ میں نے کہا میرا ٹھہرنا کیا ضرور ہے؟ کہا حال نہیں لکھنا ہے۔
میں نے کہا بہتر ہے۔ اس نے بابا بشن رام کو جو اس وقت مہاراجہ کا وکیل تھا طلب کیا وہ آیا کہا میں
تم سے ہر روز کہتا تھا کہ کوئی استقبال کے لئے چلا جائے۔ اب ویلد صاحب خود یہاں آگئے ہیں۔ میں نے
کہا کہ صاحب تو مہاراجہ کی بہبود کے لئے آیا ہے اگر مہاراجہ کا اختیار ہوتا تو البتہ شکایت کا موقع تھا جن
نوکروں نے مہاراجہ کو ستا کر ریاست سے برداشتہ خاطر کر دیا ہے۔ وہ مہاراجہ کے خیر خواہ کا آنا کب چاہتے
ہیں یہ کہہ کر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ دن اب ذرا سا رہ گیا ہے راستہ میں ریت ہے اور اجمیر کی نوشت
و خواند کا کام بہت ہے خدا حافظ۔ جب باہر آیا مہاراجہ کا وکیل بھی نکل آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے سُنا
تھا کہ جنرل صاحب نے برکت علی خاں کو بھیجا ہے اسی طرح اپنا ایک انگریزی ملازم بھیجا ہے۔ میں نے کہا
کہ برکت علی خاں کے ساتھ خاص انگریزی سوار جنگی کمپنی سواروں کا رسالہ عملہ نظامت اور دو تین فوجی
صاحب بھی تھے۔ کہا نہیں۔ میں نے کہا تمہیں یہ خبر بھی نہیں کہ لشکر کی رسد کے لئے.... صاحب اور
سواروں کے انتظام کے لئے میجر گاف صاحب اور میجر ہارٹن صاحب انجینیر جو نقشۂ جنگ تجویز کرتے
ہیں ہمراہ ہیں۔ سب صاحبان کمپنی کے نوکر ہیں اور صرف کمپنی ہی برطرفی اور بحالی کا اختیار رکھتی ہے

اوران کی نالشوں کی سماعت کا تعلق صرف انگلستان کے بادشاہ کیواں جاہ کی عدالت سے ہے۔ برکت علیخاں بیچارہ اگر اپنے سائیس کے ایک لکڑی بھی مار دے گا تو کوتوالی میں کھینچا کھینچا پھرے گا۔ بندہ رات کے وقت آٹھ بجے ویلڈر صاحب کے پاس پہنچا اور ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ دوسرے روز وہیں مقیم رہا اخبار نویس آیا چلا گیا اور پھر آکر کہا کہ کل شیخاوت تالاب تک سالم سنگھ پردھان کہ اس ریاست میں اس سے بڑا کوئی نہیں ہے اور سوری سنگھ بھکری والا کے جانشین کا لڑکا ہو اور دیوان ابھے چند جو دیس دیوان سے مشہور ہے اور سورج مل مہتہ جو مہاراجہ کا مصاحب خاص ہے اور چتر بھوج بیاس جو راجہ کا معتمد خاص ہو وہ راجہ کے ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے استقبال کریں گے، خیموں کی جگہ مہامندر کے قریب تجویز ہوئی ہے۔ دوسرے روز ایسا ہی ہوا خیموں میں قیام کیا تفصیل اگر لکھوں تو طول ہو جائیگا

خلاصہ یہ ہے کہ آغا ملاقات کے لئے گیا سب صاحبان ساتھ تھے مہاراجہ خود استقبال کے لئے آیا اس روز ادائے مراسم کے سوا کوئی گفتگو نہیں ہوئی اس کے بعد خود بدولت تنہا گئے سمجھایا اور تسلی دے کر ریاست کی توجہ پر مستعد کر دیا پہلے تو راجہ مہامندر میں جو شہر کے باہر اس کا محبس ہے سوار ہو کر آیا جن لوگوں نے راجہ کو تین سال سے نہیں دیکھا تھا اور اس کے دیدار سے مایوس ہو چکے تھے سرکار کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے۔

جنرل اگرڈونی کا اپنے سررشتہ دار کو طلب کرنا

چونکہ اس سلسلہ میں ویلڈر صاحب جو کچھ کرتا تھا خود کرتا تھا دوسرے کو معلوم نہیں ہوتا تھا شاید یہ ماجرا جنرل تک پہنچ گیا ہو۔ صاحب ممدوح نے جسکی نظر ہندوستانی ملازم پر بے حد تھی آغا کے نام لکھ بھیجا کہ کرم احمد کو یہاں روانہ کردیں اور وہاں جس کو چاہیں رکھ لیں اس کے لئے یہاں بھی بہت کام ہے۔ صاحب نے بندہ سے فرمایا کہ کرم احمد کے لئے وہاں کون سا عہدہ مقرر ہوا ہے جو صاحب نے اس کو یاد کیا ہے میں نے عرض کی کہ ہر چند کہ بندہ انگریزی داں نہیں ہے لیکن اتنا سمجھتا ہوں کہ یہاں پر اپنا مقرر کردہ ملازم کا بیکار رہنا پسند نہ آیا۔ جناب کو اشارہ میں سمجھایا ہے۔ بظاہر بہتر یہ ہے کہ اس طرف سے یہ لکھدیا جائے کہ اس کے بغیر یہاں کا کام دشوار ہے کیونکہ وہ واقف کار ہو گیا ہے اور میرے ساتھ کوئی دوسرا ایسا آدمی نہیں ہے۔ دو بیمار ہیں اور ایک اجمیر میں سررشتہ دار ہے چونکہ اس کا مزاج صاف تھا بلا تامل فرمایا کہ تو

انگریزوں کو ہندوستانیوں جیسا سمجھتا ہو جنرل صاحب بزرگ اور میرا شفیق ہے اگر ایسا ہوتا مجھے صاف لکھ دینا میں خاموش ہو گیا آقا نے فوراً اخبار نویس کو اجمیر روانہ کر دیا اور راجہ کے پاس رخصت کے لئے بھیجا۔ اور جنرل صاحب کو لکھا کہ حسب الحکم کرم احمد کو روانہ کرتا ہوں اور عبد القادر کو کہ تقریباً پندرہ سال سے خوب جانتا ہوں اور ہمیشہ ہوشیاری سے کام انجام دیتا ہے اس عہدہ پر مقرر کر دیا۔ وہاں سے جواب پہنچا بہتر۔ لیکن بیشتر اس عہدہ کی تنخواہ اسی روپے تھی اور پچاس ہرکارے مقرر تھے۔ اب ضرورت نہیں پچاس روپیہ کی تنخواہ اور چار ہرکارے کافی ہیں۔

اس وقت صاحب نے مجھے یاد کر کے فرمایا یہ بیحد تعجب کی بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ صاحبان عالی شان کی راہ و رسم کو عالی جناب ہی خوب جانتے ہیں بندہ کیا جانے فرمان کا تابع ہے جو فرمائینگے کروں گا۔

انگریزوں کی مدد سے مان سنگھ کا ریاست جودھپور پر تسلط

صاحب کی حسن تدبیر سے فوج طلب کئے بغیر جو جنرل صاحب نے تجویز کی تھی ریاست پر راجہ کا تسلط ہو گیا۔ اور کوئی سرتابی نہ کر سکا۔ ویلڈر صاحب نے ایکہزار پانچسو سواروں کی موجودات دیکھی۔ جو سرکاری حق بموجب عہدنامہ کے عند الطلب بذمہ جودھپور تھا۔ اس کا معاملہ کیا۔ تمام ملازموں اور ٹھاکروں کو شناخت کیا مہاراجہ دولت راؤ کے مطالبہ کی رقم جو بذریعہ سرکار جودھپور سے لی جاتی ہے اس کی ہنڈی شاہجہان آباد کے خزانہ کو روانہ کرائی۔ سروہی میں راجہ کا تھانہ رہتا تھا وہ برخاست ہو گیا تھا اس کو بھی راجہ کے مشورہ سے کام پر لگا یا۔ مہاراجہ نے صاحب سے کہہ کر بندہ کو تنہا بلا لیا تھا۔[لہ]

ویلڈر صاحب نے چلتے وقت مجھ سے ارشاد کیا کہ اگر راجہ ایسا تذکرہ کرے تو کہہ دینا کہ میں انگریز

لہ سمت ۱۸۷۳ مطابق ۱۸۱۷ء میں سرکار انگریزی نے ہندوستان کے اندر امن قائم کرنے کی غرض سے راجپوتانے کے اکثر رئیسوں کو ریاستوں میں امن قائم کرنے کی ہدایت کی جودھپور سے بھی اس موقع پر ایک وکیل دہلی گیا کنور چتر سنگھ کے مرجانے سے یہ عہدنامہ نامکمل رہ گیا۔ پھر ۱۸۱۸ء میں یہ عہدنامہ تکمیل کو پہنچا اس کے دوسرے سال مسٹر ویلڈر صاحب اور تیسرے سال کرنل ٹاڈ جودھپور گئے جنہوں نے مہاراجہ کو تسلی اور نیک مشورے دے کر انتظام ملکی پر مائل کیا۔

(تاریخ راجگان ہند جلد دوم ص۵۰)

کروں گا آقا سمجھے گا کہ مہاراجہ میری دوستی پر اعتماد نہیں رکھتے اور آئندہ اس سرکار کے سوال و جواب سے کنارہ کرے گا، اور اگر نہ کہوں گا تو وہ پوچھے گا کہ کیا گفتگو ہوئی اس کا جواب جو کچھ ارشاد ہو آقا سے کہہ دوں ہیں گیا اور وہی تذکرہ آیا میں نے اپنا آموختہ کہہ ڈالا ان سے کہا صلاح یہ ہے کہ چلے جاؤ اور کہو کہ راجہ کا مزاج اس وقت ناساز ہو گیا مجھے رخصت کردیا اور اگر میں لوگوں کے کہنے سے کوئی بات تیرے سامنے کہوں جو کہنے کے قابل نہ ہو تو اس سے البتہ میرا دل پریشان ہوگا۔ میں نے واپس آکر جو کچھ سرگزشت تھی گزارش کردی۔ کہا بہتر یہی ہے کہ وہ سمجھتا رہے کہ میرے کان تک نہیں پہونچی ورنہ لحاظ نہیں رہتا اور اس وقت ضروری تھا کہ میں اس سے قطع تعارف کرلیتا۔ میں نے پوچھا کہ صدر کو اطلاع کی جائے گی۔ کہا اس کا نتیجہ اپنی امانت ظاہر کرنے کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ میں نے کہا نہیں بلکہ دو قباحتیں ہیں کہ آئندہ سیر چشم حکام بدمزاج راجہ کے معاملہ میں کنارہ کرجائیں گے۔ واجبی امداد سے پہلو تہی کریں گے اور حریص لوگ اس کا سارا اندوختہ اڑا جائیں گے۔

ویلڈر صاحب کی جودھپور سے روانگی

اسسٹنٹ صاحب اور میجر ہاٹن صاحب پہلے رخصت ہو گئے تھے، میجر گاف صاحب اور آقا ساتھ روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت میں تمام بند و بست کیلئے فیض الحسن کو اور سررشتہ داری کے عہدے پر تقرر کے لئے جگن ناتھ کو طلب کرنے کے لئے بندہ سے پروانے لکھوائے اور ڈاک سے روانہ کردیئے۔ بتاریخ ۹ مارچ ۱۸۱۹ء کو اجمیر سے بندہ کے نام پروانہ پہونچا کہ علاقہ جودھپور نام صاحب سے متعلق ہو گیا۔ مہاراج سے رخصت ہو کر اجمیر کو روانہ ہو جاؤ۔ ان ایام میں ڈاکٹر صاحب جودھپور پہونچ گئے اور آقا کا پروانہ بنام بندہ پہونچا کہ صاحب کی ملاقات مہاراج سے سررشتہ کے موافق ہو اس لئے دو تین روز تک بندہ کا ٹھہرنا ضروری ہو گیا۔ آخر صاحب اور بندہ دونوں رخصت ہو کر پالی آگئے۔ صاحب رک گئے اور بندہ آگے کو روانہ ہو کر اجمیر پہونچ گیا۔ یہاں میر جلال الدین اور منشی فیض الحسن اور جگن ناتھ کو دیکھا جو راستہ تک پہونچ گئے تھے اس کے بعد خود بدولت (عبدالقادر) کو بتاریخ ۱۵ مارچ ۱۸۱۹ء کو فتویٰ کے کام پر مامور کیا اور بتاریخ ۴ اپریل ۱۸۱۹ء کو تیغ علی معزول ہوا کیونکہ خدام درگاہ اور ڈاکٹر ابر فرد کے درمیان تکرار میں وہ بھی شامل تھا بندہ کو درگاہ کی امینی پر بھیجدیا۔

مولوی عبدالقادر کے محسن ڈاکٹر

اب تھوڑا سا حال ڈاکٹر صاحب کا بھی لکھتا ہوں۔ انگریزوں صاحبوں میں

سب سے پہلے بندہ ان سے واقف ہوا اور اب ان سے آخری ملاقات ہو رہی ہے۔ ممدوح ذہین، خوش خلق عالی ہمت تھے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانیوں کو خوب پہچانتے ہیں حالانکہ پہچانتے نہ تھے اسی بنا پر اکثر اپنے سرکاری اور تجارتی کاموں میں نقصان اور رنج اٹھانا پڑتا تھا۔

جودھپور کے تاریخی حالات

اب جودھپور کے حالات جس قدر بھی معلوم ہو سکے لکھتا ہوں پہلے اس ملک میں پرہار کی حکومت تھی منڈوہر دار الحکومت تھا یہ مقام جودھپور سے تین کوس پر ہے[1]

پرتھی راج کے حالات میں بمقام رائے ماہر ارسے پرہار، والی منڈوہر سے اس کی جنگ لکھی ہے اور جودھپور کا بال سمند تالاب جو بابجی پرہار سے مشہور ہے اس کی دلیل ہے اس کے بعد راٹھوروں میں ریاست منتقل ہو گئی۔ راٹھور کا لقب اس لئے پایا کہ راٹھ "پشت" کو کہتے ہیں۔ اس قوم کے بزرگوں میں سے ایک کی پیدائش اعجاز کے طور پر پشتِ پدر سے شکمِ مادر میں بیان کرتے ہیں[2]۔ اور یہ لوگ راجہ جی چند والیٔ قنوج کی اولاد ہیں جو سلاطینِ غوریہ سے جنگ میں شکست کھا کر دریا میں گر کر مر گیا اس کا خاندان تباہ ہو کر اس ملک میں پہنچا پالی میں مقیم ہوا، وہاں پر لٹیروں کی مدافعت کر کے وہاں کے برہمنوں میں اعتبار حاصل کیا، آہستہ آہستہ مارواڑ پر قابض ہو گئے لیکن منڈوہر میں سردار رہتے

---

[1] پرانی راجدھانی منڈور شہر جودھپور سے شمال کی طرف تین کوس کے فاصلے پر ہے جہاں کچھ مدت سے رئیسوں کے مرنے کے بعد چھتریاں (ہندوؤں کے مقبرے) بنائے جاتے ہیں اب اس جگہ ایک مختصر باغ اور مکان کے سوا کچھ آبادی نہیں ہے صرف برساتی ندی کو روک کر ایک بند تیار کرایا ہے۔ (تاریخ راجگان ہند جلد دوم صفحہ ۲-۳)

[2] راٹھور کے لوگ خود کو سورج بنسی نسل میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بھاٹ اس بات کو قبول نہیں کرتے اور ماں کی طرف سے نقص نکالتے ہیں۔ راٹھور والوں کی تعداد راجپوتانے میں اس قدر زیادہ ہے کہ کچھواہوں کے سوا کوئی دوسرا گروہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔ راجپوتانے میں آنے کے بعد ان کی شاخیں ہو گئیں۔ مارواڑ میں رہنے والے مارو راٹھور کہلائے قنوج میں ان لوگوں کا بڑا راج تھا وہاں سے تباہی کے بعد جے چندر کا پرپوتا شیوجی مارواڑ میں پناہ گزیں ہوا۔ اس کو جب استقلال ہوا تو اس کا خطاب راو مشہور ہوا۔ اکبر بادشاہ نے اودے سنگھ کو راجہ کہنے کا حکم دیا تھا جہاں نے اپنے آخر وقت میں راجہ جسونت سنگھ کو سات ہزاری ذات و سوار کا منصب جو شہزادوں کے لئے مخصوص تھا اور مہاراجہ کا خطاب جو کسی دوسرے کو نہ ملا تھا عنایت کیا۔ بادشاہی دربار میں محمد شاہ اور احمد شاہ کے عہد تک وہ جاتے رہے اور ان کا درجہ اول درجہ کے راجاؤں میں شمار ہوتا تھا۔۔۔! راٹھور مارواڑ میں شروع تیرھویں صدی میں آئے اور آخر چودھویں صدی عیسوی میں انہوں نے مارواڑ کا صدر مقام منڈور حاصل کیا اس طرح ان کو راجپوتانہ میں رہتے ہوئے سات سو برس اور مدت حکومت کو پانسو سال سے زیادہ گزرے ہیں (تاریخ راجگان ہند جلد دوم صفحہ ۴)

تھے اور راؤ کا خطاب رکھتے تھے اور جب راناادوے پورنے اپنے خسر راؤ ارل کو حرم سرا میں مار ڈالا اور راؤ جودھا کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے آدمیوں کو لے کر بھاگا اور لشکر فراہم کر کے ان پر باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے حملہ آور ہوا اور کیخسرو اور افراسیاب کی سی لڑائیوں کا نمونہ سامنے آگیا ملک کا کچھ حصہ رانا بھی قبضہ میں لاکر اپنے مقام کو واپس ہو گیا۔ اور رائے مالدیو تک یہی خطاب رہا[۵۱]۔ اودے سنگھ نے اس کے بعد راجہ کا خطاب پایا جس کو موٹا راجہ کہتے ہیں۔ اکبر بادشاہ سے خوب تعلقات بڑھائے جہانگیر کو اپنی بہن دے دی۔ اس کے بعد سلاطین دہلی کے متوسلین میں ہو گئے[۵۲]۔

اورنگ زیب نے ۱۰۸۹ھ ۱۶۷۸ء کو جہاراجہ جسونت سنگھ کے کابل کے علاقہ میں مر جانے کے بعد جودھپور کو بھی خالصہ میں شامل کر لیا[۵۳]۔

مورخین سلطنت کہتے ہیں کہ جسونت سنگھ کا ایک لڑکا دہلی میں رہا جس کو بادشاہ نے زیب النساء کے سپرد کر دیا اور محمدی راجہ نام رکھا۔ مارواڑ کا مورخ لکھتا ہے کہ جسونت سنگھ کے لڑکے کو راجپوت لوگ یہاں سے بھگا لے گئے۔ اس کا نام اجیت سنگھ تھا۔

دہلی کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ درگداس کی بناوٹ ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ لیکن مارواڑ میں ایک بات مشہور ہے جس سے درگداس کی تعریف ہوتی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو تمام راجپوتوں کی سخت ذلت ہوتی۔

اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اجیت سنگھ کے راج میں درگداس کو کافی دخل تھا۔ خواہ دھوکہ بازی سے ہو

---

[۵۱] راؤ مالدیو ۱۵۳۲ء میں اپنے بے گناہ باپ کی جان کھو کر راج کا مالک ہوا۔ یہ راٹھوروں میں بڑا زبردست اور نامی شمار ہوتا ہے یہ ۱۵۱۲ء میں پیدا ہوا تھا ہمایوں۔ شیر شاہ اور اکبر سے راؤ مالدیو کے خوب مقابلے ہوتے رہا کبرا سے جنگلی راجہ کہتا تھا ۱۵۶۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔
(تاریخ راجگان ہند جلد دوم)

[۵۲] جب موٹا راجہ اودے سنگھ اکبر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بادشاہ نے ۱۵۸۳ء میں اس کا موروثی مقام جودھپور اس کو سونپ دیا۔ اس راجہ نے اپنی بہن کو اکبر بادشاہ کی زوجیت میں دے دیا یہ وہی لڑکی ہے جو جودھا بائی کے نام سے مشہور ہے اور شاہزادہ سلیم کی ماں ہے بارہ برس اس نے راج کیا۔ ۱۵۹۶ء میں انتقال ہوا۔ (تاریخ راجگان ہند جلد دوم صفحہ ۱۹)

[۵۳] راجہ جسونت سنگھ پر شاہجہاں کی بڑی مہربانی تھی اپنے باپ کے انتقال کے بعد ۱۰۳۸ھ ۱۶۳۸ء میں مسند نشین ہوا۔ یہ راجہ ۱۶۷۹ء میں فوت ہوا اس کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ راجگان ہند جلد دوم صفحہ ۲۳-۳۰

یا امداد کی بنا پر ہو۔ عالمگیر کی وفات کے بعد اجیت سنگھ نے جودھپور پر قبضہ کر لیا۔ بہادر شاہ پھر اس کو اپنے ساتھ لے گیا اس طرح جودھپور دوبارہ خالصہ ہو گیا۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد اجیت سنگھ جودھپور پر قابض ہو گیا۔ اجیت سنگھ کو اس کے لڑکے بخت سنگھ نے نصف ریاست کے لالچ میں اپنے بڑے بھائی ابھی سنگھ کے کہنے پر کٹار سے مار ڈالا[1] اور ابھی سنگھ جانشین ہو گیا۔ ابھے سنگھ[2] کے بعد اس کا لڑکا رام سنگھ اس کی جگہ بیٹھا۔ قوم اس کی بدمزاجی سے تنگ آ گئی۔ اور اس کو نکال دیا اور بخت سنگھ کے لڑکے بجے سنگھ کو مسند پر بٹھانے کے لیئے لائے۔ بخت سنگھ بھی ناگور سے ساتھ آ گیا اور قشقہ کے وقت سنگار کی چوکی پر خود جا بیٹھا بھائی کی جگہ لے لی۔[3] اس کے بعد بجے سنگھ تخت نشین ہوا۔[4] بجے سنگھ کے بعد اس کا بڑا پوتا بھیم سنگھ اور اس کے بعد اس کا چچازاد بھائی مان سنگھ جو جالور میں فوجی محاصرہ میں تھا آ بیٹھا، اور سوائی سنگھ ٹھاکر پہکرن نے دھونکل سنگھ پسر بھیم سنگھ کو پیدا ہوتے ہی مان سنگھ سے چھپا کر پہکرن بھیج دیا۔[5]

مان سنگھ راجہ جودھپور کے معاملے میں امیر خاں کی دلچسپی

اس کے بعد دھونکل سنگھ کی حمایت میں راجہ جے پور اور بیکانیر وغیرہ سب نے جودھپور پر حملہ کر دیا اس لشکر میں سے امیر خاں راجہ مان سنگھ سے ساز باز کر کے جماعت سے علیحدہ ہو کر جے پور کو برباد کرنے کے لئے چلا گیا۔ راجہ جگت سنگھ بھی محاصرہ چھوڑ اپنے ملک کو بھاگا پھر امیر خاں نے ملک بیکانیر پر حملہ بولا

---

[1] اجیت سنگھ اپنے چھوٹے بیٹے بخت سنگھ کے ہاتھ سے ۱۷۲۴ء مطابق سمبت ۱۷۸۰ میں مارا گیا تاریخ راجگان ہند جلد دوم ص ۲۵

[2] ۱۷۲۴ء میں ابھے سنگھ تخت نشین ہوا اور ۱۷۵۰ء میں فوت ہوا۔ (تاریخ راجگان ہند جلد دوم ص ۴۲)

[3] رام سنگھ ۱۷۵۰ء میں اپنے باپ کے بعد گدی پر بیٹھا لیکن وہ ایسا سخت مزاج تھا کہ مارواڑ کے اکثر سردار علیحدہ ہو کر اس کے چچا بخت سنگھ سے جا ملے جو بہت دنوں سے راج لینے کی فکر میں تھا۔ ۱۷۵۱ء میں بخت سنگھ تخت پر قابض ہو گیا۔

[4] بجے سنگھ ۱۷۵۳ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۷۹۳ء میں فوت ہوا اس کا پوتا بھیم سنگھ جانشین ہوا۔ (تاریخ راجگان ہند جلد دوم ص ۵۰)

[5] راجہ مان سنگھ نے ۱۸۰۳ء میں ریاست پائی۔ مگر ہمیشہ متفکر اور پریشان رہا۔ سوائی سنگھ ایک راجپوت سردار مخالفت پر آمادہ ہو گیا اس نے اپنے ساتھیوں کی سازش سے مشہور کیا کہ مہاراجہ بھیم سنگھ کی ایک رانی حاملہ ہے اور لڑکا پیدا ہونے پر وہ ملک کا وارث سمجھا جائے گا۔ رانی سے لڑکا پیدا ہونا مشہور کیا گیا اور دھونکل سنگھ نام مشہور ہوا۔ لیکن مہاراجہ مان سنگھ نے اس کو جعلی قرار دے کر جاگیر دینے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر کار مہاراجہ کے خوف سے رانی نے بھی دھونکل سنگھ کو اپنا بیٹا قبول نہ کیا جس سے سوائی سنگھ اور اس کے ساتھی کچھ عرصہ کے لئے چپ ہو رہے۔ (تاریخ راجگان ہند جلد دوم)

سورت سنگھ بھی بیکانیر کو دوڑا اور سوائی سنگھ دھونکل سنگھ کو لے جا کر بیکانیر جا بیٹھا۔ امیر خاں جنگ گری کے طور پر راجہ سے رنجیدہ ہو کر ناگور گیا اور سوائی سنگھ سے ملاقات کی اور قسم کے بعد اس سے مدافعت کا عہد و پیمان مضبوط کر لیا۔ جب سوائی سنگھ اس کو دوبارہ دیکھنے کے لئے اس کے خیمہ میں آیا تو خود کسی بہانہ سے باہر آگیا اور خیمہ کی طنابیں جن کو لوگ ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے اشارہ پاتے ہی چھوڑ دیں۔ خیمہ سوائی سنگھ اور اس کے ساتھیوں پر آپڑا اوپر سے توپ چھوڑ دی وہ بہادر پیشہ لوگ بمشکل خیمہ سے نکلے تلواریں ہاتھوں میں لئے جدھر کو بھی رُخ کرتے تھے لوگ بھاگ جاتے تھے۔ گرتے پڑتے لشکر کے قریب تک پہونچے تھے کہ توپ کے گولہ سے اصلی وطن کو سدھارے۔ دوسرے لوگ دھونکل سنگھ کو لے کر وہاں سے بھاگ گئے اور مہاراجہ مان سنگھ کی ریاست مستحکم ہو گئی۔ اس کے بعد ٹھاکروں نے امیر خاں کو بہکا دیا اور رقم دے دی کہ دیوناتھ جوگی یعنی مہاراج کے گرو اور اندراج سنگی دیوان نے راجہ کو سب سے جدا کر دیا ہے اگر یہ دونوں مارے جائیں تو بہتر ہے۔ امیر خاں نے قطب الدین نامی کو دوسرے چند آدمیوں کے ساتھ بھیج دیا وہ لوگ تنخواہ کے بہانے سے بالائے قلعہ (اوپر کوٹ) چلے گئے۔ دیوناتھ اور اندراج دونوں یکجا بیٹھے ہوئے تھے ان کو طپنچہ سے مار ڈالا۔ لوگوں سے چونکہ ملی بھگت تھی کسی نے تدارک نہیں کیا ٹھاکروں نے اوپر کوٹ آکر مہاراج کو تنگ کیا کہ اجازت دو تاکہ انہیں نکالدیں اور کوئی بارج نہ ہو۔ مجبوراً اجازت دے دی اس کے بعد راجہ اس رنجش سے دل تنگ ہو کر تنہائی میں جا بیٹھا۔

ایک دفعہ پھر ٹھاکر لوگ اتفاق کر کے گئے اور کہا کہ کنور چھتر سنگھ کو ریاست کا مختار کر دیں مجبور ہو کر مختار کر دیا آخر اس کو شراب اور اوباشی کا عادی بنا کر نیک و بد سے بے خبر اور باپ کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ مان سنگھ نے خود کو دیوانہ ظاہر کیا تاکہ اس کی جان کے درپے نہ ہوں۔ جب کنور مر گیا ٹھاکروں کے دو فرقے ہو گئے ایک چاہتا تھا کہ راجہ ایدر کے بیٹے کو مسند پر بٹھائیں۔ دوسرا دھونکل کو چاہتا تھا۔ انگریزی امداد پہنچنے پر راجہ ریاست پر قابض ہو گیا مان سنگھ کے بعد اگر اس کے لڑکا نہ ہو تو پہلے دھونکل سنگھ ہے۔ بیجے سنگھ پر ان کا سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔ اس کے بعد راجہ ایدر کا خاندان ہے جو اجیت سنگھ میں ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کے بعد راجہ کشن گڑھ کا خاندان ہے جو اودے سنگھ میں متحد ہو جاتے ہیں،

ان کے بعد راجہ بیکانیر کا خاندان ہے جو راؤ جودھا میں متفق ہو گئے ہیں۔ راجہ کا مقرر کرنا سرداروں کی تجویز پر ہے اور سرداروں میں بہترین مشورہ دینے والے ٹھاکران بھگرن، رینوہ، آنوتپ اور بسلج ہیں [1]

گوشوارہ آمدنی ریاست جودھپور

اب ۱۸۹۱ء میں قدیم خالصہ کی حالت لکھتا ہوں۔ بتایا جائے گا کہ ویلڈر صاحب کی حسن تدبیر اور انگریزی امداد سے راجہ کی سرکار کو کتنا فائدہ پہونچا۔

تفصیل

قدیم عہد بجے سنگھ

خالصہ قدیم ۳ لک (تین لاکھ)

۱۶ لک (سولہ لاکھ)

نمک　۵ لک (پانچ لاکھ)

کنڈرہ　ویدوانہ　مالوہ　سانبھر پچلوری

یک لک　یک لک　یک لک　دو لک

سائر　۳ لک (تین لاکھ)

حصہ جات بابتہ محاصل پیداوار آراضی و دیگر ابواب

۵ لک (پانچ لاکھ)

پالی　سرمہ　ناگور　جودھپور

یک لک　۲۵۰۰۰　۵۵۰۰۰　۳۵۰۰۰

سرمہ

۵۰۰۰

---

۸ لک (آٹھ لاکھ)

سانبر　دو لک (دو لاکھ)

خالصہ

۳ لک (تین لاکھ)

---

[1] ۵ دسمبر ۱۸۷۳ء کو راجہ ان سنگھ لاولد فوت ہوا اور راجہ بخت سنگھ کی نسل کا خاتمہ ہو گیا اور مہاراجہ اجیت سنگھ کی اولاد میں گود لینے کی ضرورت پڑی اس موقع پر دھونکل سنگھ نے بھی دعویٰ کیا لیکن سرکار سے نامنظور ہوا اور ایدر کے رئیسوں میں سے جو خاندان مارواڑ کے قریبی رشتہ دار ہیں گود لینے کی اجازت ہوئی اور تخت سنگھ رانیوں، سرداروں اور اہلکاروں کی مرضی سے راج کا مالک ہوا۔　(تاریخ راجگان ہند جلد دوم ۵۹)

یک لک تصرف ٹھاکران یک لک

تنک دو لک حصہ جات دو لک

خرچ

فوج ۱۳ لک (تیرہ لاکھ) متفرق

تفصیل

پٹہ جات ۴۴ لک (چوالیس لاکھ)

سماہی (۶۲۵۱۶)

قدیم ۴۰ لک (۴۰ لاکھ) ۱ لک سماہی (۱۸۶۴۱)

سماہی (۱۶۶۱۶)

جدید

دو لک (۵۵۹۲۵) یک لک

بکسلک جدید سماہی (۵۰۰۰)

۴۶ لک (۴۶ لاکھ)

سماہی (۱۷۳۱۶)

تفصیل محرران (۶۰۰۰) بموجب اظہار بشن رام روبرو مٹکاف صاحب،

از ٹھاکران بموجب پٹہ

سوار (۷۶۶۳)

ہمہ ملازمان

سوار (۸۱۲۳۷)

جودھپور کے عام حالات	جودھپور میں پہاڑ پر ایک چھوٹا قلعہ ہے جو زیادہ بلند نہیں ہے رستہ ٹھیک ہے[۱]

---

[۱] جودھپور کے شمالی طرف دیوار کی طرح کئی میل تک پہاڑ چلا گیا ہے باقی تین طرف ریت کا میدان پڑا ہے شہر پناہ پانچ میل قطر کی ہے جس کے اندر ساٹھ ہزار سے زیادہ آدمی بستے ہیں مکانات یہاں اکثر سرخ پتھر کے خوبصورت بنے ہوئے ہیں بازار زیادہ کشادہ نہیں ہیں شہر میں پانی کی قلت کی وجہ سے کئی تالاب بنے ہوئے ہیں جنمیں سے مشرقی طرف کا تالاب گلاب ساگر ہے۔ یہ نہایت عمدہ تالاب ہے اسکے قریب ایک مختصر باغ ہے جہاں ریاست کی اکثر کچہریاں بنی ہوئی ہیں شہر کے شمالی مغربی بلند حصہ پر راجہ کا محل اور قلعہ ہے قلعہ کی لمبائی پانچسو گز ہے اور چوڑائی ڈھائی سو گز بیان کی جاتی ہے قلعہ کے مغربی دامن میں رانی ساگر تالاب ہے شہر جودھپور کو راؤ جودھا راٹھور نے سمت ۱۵۱۶ مطابق ۱۴۵۹ء میں آباد کیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ راجگان ہند جلد دوم صفحہ)

پیدل سوار، ہاتھی، اونٹ اور پالکی سب جا سکتے ہیں۔ بالائے قلعہ ایک تالاب بھی ہے اور قلعہ کے نیچے پاپوں باغ کی عمارت ہے جو کنیر پر بجے سنگھ نے بنوائی ہے یہ اس شہر کی بہترین عمارتوں میں سے ہے اور تالاب فتح ساگر اور تالاب گلاب ساگر پاسواں کا بنوایا ہوا ہے۔ جودھپور میں پاسواں حاضرباش خدمت گار کو کہتے ہیں یعنی پاسبان۔ شہر سے باہر "کاکا باغ" ہے اس کے انار مزے میں کابلی اور ملک نیمروزی جیسے انار ہوتے ہیں اس کے علاوہ منڈوہر کا باغ ہے۔ اس کے انار کاکا باغ سے دوسرے درجہ پر ہیں تالاب سورساگر بھی قابل ذکر ہے اس کی عمارت نہایت خوشنما ہے اور مندروں میں پاسواں کا مندر بہت بارونق ہے۔

شہر سے باہر مندر جلندر ناتھ ہے جس کو مہا مندر کہتے ہیں یہ دلاور ناتھ مرشدزادہ کا ہے راجہ اس کا متولی ہے اس مندر کے متعلق بازار۔ دوکان اور سایہ وغیرہ ہے اگر کوئی گنہگار وہاں پناہ لے لے اس کو وہاں سے نکال لیتے نہیں۔ اس پناہ کو سرنہ کہتے ہیں راجپوت قوم میں سرنہ کا بجد لحاظ ہے۔ سرنہ کسی مندر سے خاص نہیں۔

سرنہ کے معنی پائے اُفتادہ (یعنی عاجز) کے ہیں کیونکہ سرن پیر کو کہتے ہیں۔ راجہ کے سامنے دھونکل سنگھ کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ رعایا اور شہر کے ادنیٰ ملازمین بھی اس کا نام زبان پر نہیں لاتے اگر کوئی بھولے سے بھی نام لے دیتا ہے تو سزا پاتا ہے۔ بھیم سنگھ کا تذکرہ بھی راجہ کے سامنے بہت کم ہوتا ہے اور راجہ اس کو "باباجی" کہتا ہے اور بجے سنگھ کو جو اس کی اصل ہے "بڑے مہاراج" کہا کرتا ہے۔

راجہ کے محل کے حالات

راجہ کی رانیوں کو اگر راجہ جے پور یا اودے پور کی لڑکی یا بہن ہوں تو ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر ضروری ہے۔ یہی رواج ریاست جودھپور کی لڑکی کے متعلق ان دونوں جگہ اور کوٹہ اور بوندی میں ہے۔ راجہ سے موافقت ہو یا نہ ہو ہولی یا دسہرہ پر راجہ کا اس کی تعظیم کرنا داخل دستور ہے۔ پہلے وہ مختار ملازم جو باپ کے یہاں سے ساتھ آیا ہو نذر پیش کرے گا اور محل کے اندر سب سے پہلے وہ اس کو مہارانی کہے گا دوسرے لوگ اس کو اس کے باپ کی قوم سے نسبت دیں گے مگر جبکہ اس کے کوئی لڑکا نہ ہو کیونکہ اس صورت میں راجہ کے مرنے کے بعد مطلق لفظ ماجی کہتے ہیں۔ اودے پور اور جے پور کی لڑکیاں برابر کا مرتبہ رکھتی ہیں اگر ان سے کوئی لڑکا

ہو تو گدی کا مستحق ہے اور اگر دونوں سے ہو تو جو بڑا ہو اس کو گدی ملتی ہے ہاں اگر ٹھاکر لوگ پسند نہ کریں تو اس وقت جو بھی ریاست کے لائق ہو بلکہ ٹھاکروں کے اتفاق کرنے سے نالائق لڑکے پر لائق بھتیجے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جب کوئی جے پور یا اودے پور کے خاندان کی رانی راجہ کے سامنے آتی ہے تو راجہ تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر سر پر رکھتی ہے راجہ کے اشارہ سے بیٹھ جاتی ہے دوسری رانیاں اس کو سلام کرتی ہیں اس کی بلا اجازت نہیں بیٹھ سکتیں اور اجازت کے بعد بھی اس کے برابر نہیں بیٹھ سکتیں۔ اگر اس کے اور راجہ کے درمیان رنجش بڑھ جائے اور وہ اپنے باپ کے گھر جانا چاہے تو سختی سے نہیں روک سکتے اور دوسری رانیوں کی طرح اس پر جبر و تشدد نہیں کر سکتے اور اگر کریں گے تو باپ کی طرف سے فوج کشی اور جنگ کی نوبت آ جائے گی۔

دربار میں کنور کی نشست راجہ کے لڑکے کو کنور کہتے ہیں اور اس کی ماں کو باجی اور کنور دربار میں ہمیشہ اس نگیرہ کی چوب کے پاس کھڑا ہو کر جو راجہ کے اوپر ہوتا ہے آداب بجا لاتا ہے اور پردھان یعنی وزیر راجہ کے دست راست پر کچھ پیچھے بیٹھتا ہے تمام ٹھاکر ہاتوں کی پشت زمین پر رکھ کر راجہ کو سلام کرتے ہیں اور راجہ سر پر ہاتھ نہیں رکھتا صرف آنکھ سے سب کا سلام لیتا ہے اور پردھان اور دوسرے عالی مرتبہ ٹھاکروں کے لئے پہلی ملاقات میں سینہ تک ہاتھ اٹھاتا ہے اور معانقہ بھی کرتا ہے اور بہت سوں کی تعظیم کے لیے سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ کسی کے لیے مسند پر اور کسی کے لیے مسند سے متصل یا ایک قدم آگے کو مرتبہ اور قدیم دستور کے مطابق پاؤں رکھا جاتا ہے۔

راجہ کی حضوری کے آداب جب شام ہو جاتی ہے تو راجہ کے سامنے مشعلیں لائی جاتی ہیں اس وقت راجہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔ سب سردار سامنے آ کر سلام کرتے ہیں۔ برہمن لوگ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ صاحب تعظیم برہمنوں سے راجہ ہاتھ ملاتا ہے اور دوسروں کی طرف کنکھیوں سے دیکھتا ہے۔ بادخواں کو وہاں چارن کہتے ہیں اور پورب کے ملک میں بھاٹ اور راجہ کے خاندانی چارن کو بارت کہتے ہیں۔ اور راجہ اس کی تعظیم کے لئے اٹھتا ہے۔ راجہ کی جوتیوں کو پگ رکھی اور جوڑی کہتے ہیں اور سونے کے پلنگ کو "دھولیا" اور نشست کو "براجے ہیں" اور اجازت کو "دوانی" اور رخصت کو "سیکھ" اور راجہ کی ملاقات کو ٹھاکر لوگ "درشن" اور "پگی لاگن" اور برہمن "اسیرپن دین" کہتے ہیں

اور راجہ کو غیبت میں دربار اور حضور میں لفظ، دربار، مہاراج اندا تا، پرتھی ناتھ سورج۔ راج اور آپ سے تعبیر کرتے ہیں اور راج سے خطاب کرتے ہیں لفظ آپ میں زیادہ تعظیم سمجھتے ہیں اور قسم کو "آن" کہتے ہیں۔ اگر کوئی کسی سے کہے کہ تجھے راجہ کی قسم ہے یہ کام کر یا مت کر تو اس کو اس کے کہنے پر عمل کرنا ہوگا۔ اگر نہیں کرے گا تو سرکار میں جرمانہ دینا ہوگا مگر جبکہ وہ اجازت دے دے اور کہدے کہ میں نے تجھے قسم اٹھالی تو کچھ ہرج نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی راجہ کو ناتھ یا اس کے معبود کی قسم دیدے لیکن شرط یہ ہے کہ قسم دینے والا مظلوم یا مظلوم نما ہو۔ ان قسموں کا ہولی کے زمانے میں کوئی اعتبار نہیں۔

راجہ کی سواری کے آداب

اور راجہ کی سواری کے وقت شہر کی تمام عورتیں اپنی چھتوں پر چڑھ کر راجہ کی تعریف اور اس کے لئے دعائیں کرتی ہیں اور دو کنگن جس کو "جوڑہ" کہتے ہیں باندھتی ہیں ایک کلائی پر باندھتی ہیں جو سلامتیِ شوہر کی علامت ہے، دوسرا بازو پر جو راجہ کی سلامتی کا نشان ہے۔

راجہ کی موت کے مراسم

جب راجہ مرجائے تو بازو کے "جوڑہ" کو اتار لیتے ہیں۔ اور راجہ کی موت پر لوگ داڑھی مونچھ مونڈوا دیتے ہیں اور اگر رانی یا دوسری عورت جلنا چاہے تو رانی کو راجہ کے ساتھ جلاتے ہیں اور دوسری کو علیحدہ جلاتے ہیں۔ اُس وقت اس عورت سے دعا منگواتے ہیں اور آئندہ کی خیریں پوچھتے ہیں۔ اگر رانی حاملہ ہو تو اس کو نہیں جلاتے اور اگر کوئی جلنا نہ چاہے تو خواہ مخواہ ایک دو باندیوں کو جلا دیتے ہیں تاکہ راجہ تنہا نہ رہے اور راجہ کے مرنے کو "دیولوک ہونا" اور "دھام پدھارنا" بولتے ہیں۔

بعض مروجہ اصطلاحات

"پدھارنا" تعظیمی لفظ ہے "مہاراج تشریف لے آیئے" کے بجائے "مہاراج پدھاریے" کہتے ہیں اور پوشاک "پدھاری" یعنی پہن لی کہتے ہیں۔ راستہ کو "مارگ" اور سیدھے کو "پادرا" اور ہوشیار کو "بدہوان"۔ غور کو "بچار" "غور عمیق" کو "روندا بچار"۔ اُلٹی سمجھ کو "کھوٹی بدھی" دیوانہ کو "گیلا" ساتھی کو "لار" ناواقف کو "اجان" شناخت کو "الکھنا"۔ بام کو "ڈاکلا" اور اس پر کی بجائے "اس کے ماتھے"۔ منع کو "برجنا" کھانے کو "اروگنا"۔ مہر کو "چھاپ" "محصول" کو "ڈھان" اور مواشی کو "ڈھاندی" کہتے ہیں اور جب راجہ جشن کرے تو "کھما کھما" کہتے ہوئے آواز بلند کرتے ہیں اور جب چھینک آ دے تو قرنک بجاتے ہوئے "ستنجی" یعنی ہمیشہ زندہ رہو کہتے ہیں۔

اصطبل کے داروغہ کو "ساہنی" اور چراغ جلانے والے کو "دیوٹی" توشہ خانہ کے داروغہ کو "کوٹھاری" مطبخ کے داروغہ کو "بھنڈاری" کہتے ہیں۔ جلیخانہ کو "بھاکسی" "رکاب کو باکڑہ" اور دستار کو "پاگ" بولتے ہیں اور جنگ کو "راڑ" اور آویزش کو "لومتا" تکرار کو "باچھیں لینا" کہتے ہیں۔

راجہ اور انگریزوں سے ملاقات کے آداب

جب انگریز ملاقات کے لئے جاتے ہیں تو راجہ کی طرف سے کوئی سردار استقبال کے لئے آتا ہے۔ جب سواری بالائے قلعہ پہنچے تو راجہ کی سواری لوہا پول سے باہر آتی ہے لکھنا پول اور لوہا پول کے درمیان اس طرح ملاقات ہوتی ہے کہ انگریز سر سے ٹوپی اُتار لیتے ہیں اور کہار راجہ کے خاصہ کو پست کرتے ہیں اور صاحب کی پالکی کو بلند، اور ہر ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتا ہے۔ خیر و عافیت پوچھتا ہے۔ پھر راجہ کی سواری جلد جلد آگے جاتی ہے اور انگریز کی سواری آہستہ آہستہ امرلی پول کے اندر آتی ہے، سنگاپور چوکی کے دروازہ کے پاس انگریز پالکی سے اُترتا ہے۔ وکیل اور مصاحب اس کو دربار تک لے جاتے ہیں اور انگریز جب زینہ کے اوپر پہونچ جائے تو راجہ مکان کے دروازے تک آکر انگریز کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ساتھ لے جاتا ہے اپنے بائیں جانب مسند کے اتنے قریب کہ انگریز کی کہنی تکیہ سے لگ جائے بٹھاتا ہے رخصت کے وقت اپنے ہاتھ سے اس کو پان دیتا ہے۔ انگریز اس کو یا تو رومال پر رکھ لیتا ہے یا اپنے ملازم ہمراہی کو دے دیتا ہے۔ پیردھان یا خود راجہ انگریز کے عطر لگاتا ہے اور انگریز عطر لے کر راجہ کے ملتا ہے پھر راجہ نشست والے مکان کے دروازہ تک ساتھ آتا ہے جب راجہ انگریز کے خیمہ میں آتا ہے تو صاحب سوار ہو کر شہر میں آتا ہے اور ہاتھی پر ملاقات ہوتی ہے پھر انگریز کی سواری جلد جلد خیمہ میں آتی ہے راجہ کی سواری آہستہ آہستہ آتی ہے اور کمپنی کے سپاہی بے بندوقوں کے سلامی دیتے ہیں۔ انگریز خیمہ سے نکلتا ہے اور جہاں سے راجہ پیدل ہو جائے ہاتھ پکڑ کر لے آتا ہے اس مسند پر جو پہلے سے اس کے آدمی بچھا کر چلے گئے ہوں بٹھاتا ہے اور خود بدستور پہلو میں بیٹھ جاتا ہے۔ رخصت کے وقت راجہ کے عطر لگاتا ہے اور اس کو پان دیتا ہے اور فرش تک اس کے ساتھ چلتا ہے اور راجہ کا وکیل جب انگریز کے مکان پر آتا ہے تو وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ اب جودھپور اور اجمیر کے راستہ میں جو کچھ میں نے دیکھا بیان کر کے خواجہ صاحب کی درگاہ

کا حال لکھوں گا۔

مندر بھوانی موضع بھلاڑہ علاقہ جودھپور میں ایک بڑا مکان ہے جس کو مکان آس کہتے ہیں یہ لفظ اس سرزمین میں ماں کے معنی میں ہے جس سے مراد بھوانی ہے۔ اس کے اندر ایک حجرہ ہے جس کی دیوار سے چادر کا کنارہ تک دکھائی دیتا ہے یعنی بے حد شفاف ہے۔ رات دن ایک چراغ جلتا رہتا ہے وہ چراغ اور اس کی زنجیریں چاندی کی ہیں اس کے اوپر ایک چیز لگا رکھی ہے جس کا رنگ زعفران کی طرح زرد ہے اس میں چراغ کا دھواں جمع ہوتا ہے۔ اس فریب کا نام کرامت رکھ کر اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور ہزاروں نادان لوگ اس کی پرستش کو آتے ہیں۔ وہاں کا مقبول خادم راجپوت ہے وہ ہی سب کی نذریں لیتا ہے۔ جودھپور کی بنیاد کے ایک سال بعد ۱۲۱۶ھ میں اس کی ابتدا ہوئی ہے۔ احمق مسلمان بھی چونکہ اس بھید کو نہیں سمجھتے خرق عادت سمجھ کر کسی ایماندار اور نیک بخت بی بی کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اور وہاں پر اس کرشمہ کی بنا پر کثرت سے گھوڑے، گائیں، بکریاں، مینڈھے، بھینسیں اور بھینسے بھوانی کے نام وقف ہیں، اور بہت سی کنواری لڑکیاں اس بُت کے نام کی ہیں جن کو مارواڑی زبان میں گولی یعنی کنیز کہتے ہیں جو کوئی بُت کے پجاری کے پاس جاکر یہ کہے کہ میرے ہاتھ میں تاگہ باندھ دے وہ تاگہ باندھ دیتا ہے پھر اس زمرہ کی جس عورت سے بھی اس کا جی چاہے بر ملا لپٹ جاتا ہے اگرچہ مسلمان ہو کوئی اس سے پرہیز نہیں کرتا اور نئی کپڑا بھی بقدر ضرورت وہاں مل جاتا ہے۔ جوان خواہش پرستوں کے لئے یہاں سے بہتر کوئی پرستش گاہ نہیں اگرچہ تمام بیہودہ مجمعوں میں جوانوں کا دلی مقصد حاصل ہوتا ہے لیکن یہاں سے زیادہ بے تکلفی کا موقع کہیں نہیں ہے۔

بندہ جس دن وہاں رہا وہ دن اس حجرہ میں چراغ کے پاس گزارا۔ وہاں کے فقیروں نے بہت خوش ہو کر کہا کہ با اعتقاد اور تعصب کی قید سے آزاد مسلمان ایسے ہوتے ہیں، آخر جب میں نے دیکھ لیا کہ دھوئیں نے آئینہ کو سیاہ کر دیا تب میں سمجھا کہ یہ کرامت نہیں ہے۔ پھر رال کی بو سونگھی اور یہ بھید معلوم کر لیا کہ رال کو خوب دھو کر صاف کر کے گائے کے صاف گھی میں ملا کر چراغ میں بھر دیتے ہیں اس کا دھواں چاندی پر زرد دکھائی دیتا ہے رات کے وقت تنہائی میں اس چیز کو صاف کر دیتے ہیں

تاکہ کثافت سے سیاہی پیدا نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمام رنگوں میں سوائے روشنی اور لطافت وکثافت جسم کے کوئی دوسری چیز نہیں۔ یہاں اس کی شرح میں طول ہو جائے گا۔ اور نادان مجھ جیسے ہیچمدان کی بات کا یقین نہ کرے گا۔ اگر کسی کو شوق ہو تو قانون شیخ میں مقدمہ سے خواص ادویہ مفردہ تک دیکھ لے[۱] اور حسن ظاہر کے پابندوں کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ آفتاب سُرخ نظر آتا ہے پھر سفید۔ پھر زرد اور پھر سرخ ہو جاتا ہے۔ اور کانچ کو توڑ کر باریک کریں تو اس کا رنگ سفید ہو جائیگا اور جہاں کہیں روشنی نہ پہونچے ہر چیز سیاہ نظر آتی ہے تاریکی سوائے روشنی نہ پہونچنے کے دوسری کوئی چیز نہیں کہ اس کے وجود سے چیزوں کا رنگ سیاہ ہو جائے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جو کوئی تاریک مکان میں بیٹھے باہر کی چیزوں کا رنگ سیاہ دیکھے مختلف نظر نہ آئیں۔ اس بات کے جاننے کے لئے کہ سیاہی جسم کی کثافت اور روشنی نہ پہنچنے سے ہے اور سپیدی کمال روشنی اور لطافت سے اور دوسرے سب رنگ انہی دو رنگوں سے مرکب ہیں بس اتنا ہی کافی ہے بے بصیرت کی آنکھ اندھی بہتر ہے بلکہ ایسا شخص زندہ در گور بہتر

---

[۱] ملاحظہ ہو قانون شیخ جلد اول (مطبوعہ مصر) صفحہ ۲۳۰

بابِ سوم

خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی۔ حسن، ان کا اسم گرامی ہے۔ اکبر نامہ میں ان کے پدر بزرگوار غیاث الدین اور ان کا نام حسنؒ اور لقب معین الدین تحریر ہے، سجز بسین مہملہ مسکورہ، جیم تازی اور زائے معجمہ، سجستان کا ایک گاؤں ہے اور چشت بفتح جیم فارسی و سکون شین و تائے قرشت، ایک گاؤں ہے جہاں اس سلسلے کے بڑے پیر خواجہ ابو اسحاق ہوئے ہیں۔[1]

ان کے بعد اس سلسلہ کی ان کی طرف نسبت کر کے اس سلسلے کو حسینیہ کہتے ہیں اور چشتی کا قافیہ جو کشتی سے آیا ہے اس بنا پر ہے کہ حرکت توجیہ کا قافیہ موصولہ میں متعدد ہونا واجب نہیں مگر شیخ عبدالحق دہلوی، شیخ عبدالعزیز کے تذکرہ میں، جن کی وفات ۹۷۵ھ میں دہلی میں ہوئی[2]

قطعۂ تاریخ میں چشت کا قافیہ بہشت لائے ہیں، اور ان کی وفات کا مادۂ تاریخ "یادگار اہل چشت" لکھا ہے۔ مولانا عبد الرحمن جامی نے نفحات الانس میں بفتح اول لکھا ہے۔ ایران اور توران کے لوگوں کی زبان پر بھی بفتح اول ہے، اور محمدی بیدار اکبرآبادیؒ[3] بھی اس کا قافیہ بہشت لاتے ہیں۔

---

[1] سیر العارفین میں خواجہ صاحب کے مولد کا نام سجستان، اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں بلدہ سجستان تحریر ہے۔ اکبر نامہ میں تحریر ہے کہ "خواجہ از سیستان است و او را سجزی نویسند کہ معرب سنگزی است"۔ تزک جہانگیری میں اکبر نامہ کی نقل ہے۔ بزم صوفیہ کے مولف لکھتے ہیں کہ سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے۔ صحیح لفظ سجزی ہے۔ عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں جس کی نسبت سجزی ہے۔ ملاحظہ ہو بزم صوفیہ صفحہ ۳۵

[2] شیخ عبدالعزیز دہلوی بن حسن بن طاہر جونپوری چشتیہ سلسلے کے نامور شیخ اور مشہور عالم تھے اپنے والد کے مرید تھے عالم و کامل تھا! تلامذہ کو تفسیر عرائس، عوارف، فصوص الحکم کا درس دیتے تھے، ان کی تصنیف رسالہ عینیہ ہے جو انہوں نے شیخ امان پانی پتی کے رسالہ غیریہ کے جواب میں لکھا ہے ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی ان سے استفادہ کیا تھا۔ ۹۷۵ھ میں انتقال ہوا۔ ذرۂ ناچیز سے تاریخ انتقال نکلتی ہے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری صفحہ ۱۳۲ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء)

[3] میر محمدی بیدار تخلص، شاہ فخر الدین دہلوی کے مرید اور مشہور شاعر تھے۔ الہ آباد سے دیوان شائع ہو چکا ہے آگرہ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو نغمۂ عندلیب ۳۶-۳۰

خواجہ معین الدین کے والد کا نام غیاث الدین ہے خواجہ بزرگ ۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ء میں سنجر میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں والد کا انتقال[1] ہو گیا کچھ عرصہ تک ابراہیم قندوزی کی تربیت میں رہے[2]۔ اس کے بعد نیشاپور کے علاقہ ہرون میں پہنچے وہاں خواجہ عثمان ہرونی کی صحبت میں فیضیاب ہوئے[3]۔ بیس سال تک ان کی خدمت میں رہے[4]۔ پھر پرتھی راج چوہان کے دورِ حکومت میں درویش کی حیثیت سے اجمیر پہونچے اور تصوف و سلوک کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ ان کے خلفاء میں صوفی حمید الدین معروف سلطان التارکین جن کا مزار ناگور میں ہے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی جن کا مزار پرانی دہلی میں عام زیارت گاہ ہے بہت مشہور ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری خواجہ قطب الدین کو دہلی کی جانب رخصت کرنے کے بعد بیس روز اس دنیا میں زندہ رہے۔ ۶ رجب ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء کو عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کیا۔

خواجہ بزرگ کے گنبد کی تعمیر جس مکان میں قیام پذیر تھے اسی میں ان کا جسم خاک کے سپرد کر دیا گیا اور کچی اینٹوں سے قبر بنا دی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد شہرت کے طالبوں نے پتھر کا صندوق بنوا دیا اس کے بعد بیر فروشوں نے اس مقام میں جو ایک گڑھے سے زیادہ نہ تھا

---

[1] ۱۵ سال کی روایت سیر الاقطاب اور مونس الارواح کے مطابق ہے لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے ۱۲ سال لکھا ہے۔

[2] ابراہیم قندوزی کے متعلق ایک واقعہ یوں ہے کہ جب خواجہ صاحب کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو ان کو ترکہ میں ایک باغ ملا خواجہ صاحب اس باغ کی نگہبانی کرتے تھے ایک روز ابراہیم قندوزی مجذوب باغ میں آ گئے۔ خواجہ معین الدین نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے لیکن انہوں نے انگور نہیں کھائے اور کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا۔ کھلی کا کھانا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل نورِ الٰہی سے روشن ہو گیا۔ علائق دنیا کو چھوڑ کر طلبِ خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند پہونچے یہاں کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ سیر العارفین ص۴

[3] سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ بیعت کے وقت خواجہ عثمان ہارونی نے حضرت خواجہ صاحب کو وضو کرایا اور دو رکعت نماز پڑھوائی پھر کہا کہ قبلہ رو ہو کر سورۂ بقر پڑھو پھر ۲۱ بار درود شریف پڑھوایا۔ اس کے خواجہ عثمان ہارونی نے اپنا روئے مبارک آسمان کی طرف کیا اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، "ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم" پھر خواجہ صاحب کے سر کے بال قینچی سے تراشے اور کلاہ چار ترکی اور گلیم مرحمت فرمایا۔ (سیر الاقطاب ص۱۰۳)

[4] سیر العارفین میں تحریر ہے کہ خواجہ معین الدین اپنے مرشد کی خدمت میں ڈھائی سال رہے اور ریاضت و مجاہدہ میں زندگی بسر کی مگر سیر الاولیا سیر الاقطاب اخبار الاخیار مونس الارواح اور سفینۃ الاولیا میں اس مدت کو بیس سال بتایا گیا ہے۔

گنجائش نکال کر ایک عمارت بنوادی. اس کی چھت پر قبر کی سیدھ میں قبر کی شکل بنوادی اور قبر کو گنبد نقش و نگار اور زیور و زر سے آراستہ کر دیا پھر رفتہ رفتہ اس مکان کا راستہ بھی بند کر دیا اب جس جگہ قبر کا نشان بتاتے ہیں وہ دو بالش قبر سے بلند ہے اور جہاں قبر ہے اس جگہ کو شیخ فرید کا چلّہ مشہور کر دیا ہے۔ یہ جگہ چوتھی محرم کو کھولتے ہیں[1]

قاضی حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے غیاث الدین خلجی کے زمانہ میں خواجہ حسین نامی ایک شخص تھے انہوں نے سب سے پہلے مقبرہ کی عمارت بنوائی، دہلی اور مانڈو گڑھ کے بعض سلاطین نے خانقاہ اور دروازے تعمیر کرلئے[2]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے چلہ کشی کی تھی صندلی مسجد کے عقب میں اس کا دروازہ ہے دروازے سے مقام چلہ تک زمین دوز زینے کا راستہ ہے اب یہ راستہ بند کر دیا گیا ہے چلہ کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔ محرم کی پانچ تاریخ کو کھلتا ہے اس دن لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ احسن السیر صفحہ ۲۶-۲۷ معین الارواح ۳۳ ،،

[2] خواجہ حسین ناگوری (المتوفی ۹۰۱ھ ۱۴۹۵-۶ء) نے بہ سلسلہ حضرت خواجہ کی مجاورت کی ہے یہ شیخ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے ہیں انہوں نے حضرت خواجہ کا روضہ تعمیر کرایا۔ گنبد کا اندرونی حصہ سنگ بستہ کا ہے۔ بالائی حصہ اینٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔ اس سفید گنبد پر سنہری تاجدار کلس آویزاں ہے۔ یہ کلس حیدر علی خاں برادر نواب کلب علی خاں رئیس رامپور نے نصب کرایا تھا گنبد کے اندرونی حصے میں سنہری لاجوردی کام نواب مشتاق علی خاں رئیس رام پور نے کرایا تھا طلائی نقش و نگار۔ قبہ کی دیواروں پر خواجہ حسین ناگوری کی عقیدت کا نتیجہ ہیں جنوبی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر ذیل کی تاریخ مرقوم ہے ۔

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ معین	گفت ہاتف گو معظم قبہ عرش برین
	۹۳۹ھ ۱۵۳۲ء

گنبد کے اندر آب زر سے ذیل کے اشعار مرقوم ہیں:۔

خواجۂ خواجگاں معین الدین	اشرف اولیائے روئے زمیں
آفتاب سپہر کون و مکاں	بادشاہ سریر ملک یقیں
در جمال و کمال او چہ سخن	ایں مبین بود بحصن حصین
مطلع در صفات او گفتم	در عبادت بود چو در ثمین
اے درت قبلہ گاہ اہل یقین	بر درت مہر و ماہ سودہ جبیں
روئے بر در گہت ہمیں سایند	صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں
خادماں درت ہمہ رضواں	در صفا روضہ ات چو خلد بریں
ذرہ خاک او عبیر سرشت	قطرہ آب او چو ماء معین
جانشین معین رح خواجہ حسین رح	بہر نقاشیش بگفت چنیں

بیگمی دالان | بیگمی دالان جو درگاہ کے شرقی دروازہ کے سامنے ہے۔ جہاں آرا بیگم نے بنوایا ہے[1]

دالاجاہی دالان | گنبد کے جانب جنوب پائنداز دروازہ کے سامنے دالا دالان ۱۲۰۶ھ ہجری مطابق ۱۷۹۲ء عیسوی میں محمد علی خاں والاجاہ والیِ ارکاٹ نے بنوایا[2]

دیگر دالان | جو دالان جماعت خانہ کے صحن کے شمال کی جانب ہے وہ کاشی راؤ مرہٹہ کی ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء کی یادگار ہے۔

ایک دالان جنوب کی طرف حوض کے کنارہ پر جماعت خانہ کے سامنے جواہر رنڈی کے بھائی شیوجی نے ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں بنوایا۔

اکبری مسجد | آستانہ خواجہ بزرگ کے سامنے بڑے دروازہ کے باہر اکبر بادشاہ نے مسجد بنوائی[3] اسی طرح اکبر بادشاہ نے بعض دوسری عمارتیں بھی ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء میں تعمیر کرائیں اور اسی سال میں اکبر نے شیخ حسین متولی اوقاف کو جس کی نسل میں سجادہ نشینی ہے معزول کیا اور شیخ محمد بخاری کو اس کی جگہ متعین کیا۔ اور ۹۷۸ھ میں شہر پناہ۔ محلے امرا کے مکانات

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کہ شود رنگ تازہ کہنہ نو قبلہ خواجہ معین الدین!

الٰہی تا بود خورشید و ماہی چراغ چشتیاں را روشنائی

حضرت خواجہ کے مزار پر کلکتہ کے تاجر سیٹھ حاجی محمد نے پچاس ہزار روپے کے صرفے سے گنگا جمنی طلائی نقرئی پتر چڑھوا دیا ہے اس کے چاروں گوشوں پر چار برجیاں مع کلس ہیں مسہری ہیں رنگین مخمل کی چھت گیری لگی رہتی ہے مزار کے تعویذ میں یاقوت رُمانی جڑا ہوا ہے حضرت خواجہ کی درگاہ کے لئے پچیس ہزار روپے سالانہ کی جاگیر سلاطین مغلیہ کے زمانے سے وقف ہے تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (۱) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۱۸۵ تا ۱۹۰ (۲) معین الارواح صفحہ ۳۶۱ تا ۳۶۴

[1] گنبد کے شرقی دروازہ کے آگے یہ دالان جہاں آرا بنت شاہجہاں بیگم نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چھت ستون سنگ مرمر کے ہیں اور فرش سنگ مرمر کا ہے ۱۳۳۸ھ میں اس کی دیواروں اور ستونوں پر نواب مشتاق علی خاں رئیس رامپور نے سنہری کام کرایا اور چھت میں بمبئی کے ایک کاریگر نے نقش و نگار بنوائے ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں نواب غلام کبریا رئیس جلپائی گوڑی (بنگال) نے اس کی مرمت کرائی تفصیل کے لئے دیکھئے

(۱) معین الارواح صفحہ ۳۵۹ تا ۳۶۱ (۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۱۸۱ (۳) احسن السیر صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۳

[2] کرناٹکی دالان سنگ سفید کی عمارت ہے کرناٹک کے نواب علی محمد خاں والاجاہ نے سنہ ۱۲۰۶ھ میں یہ عمارت شاہ عالم ثانی کے عہد میں تعمیر کرائی

اور باغات کی تیاری کا حکم فرمایا۔

اکبری مسجد کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی زمین شیخ حسین کی حویلی کی ہے جو بادشاہ نے جبراً اس سے چھین کر وہاں مسجد بنوائی۔ اس سے بنا مسجد کا سال بھی مستنبط ہوتا ہے۔

نیز وہاں کے لوگوں کے بیان کے مطابق درگاہ کی پشت پر جو خادموں کے مکانات

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) دروں کے محرابوں کے اوپر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں:۔

۱۔ در حضور خواجہ ہر دو جہاں	آں معین الدین شہ شاہنشہاں
۲۔ چوں امیر الہند کان عدل و داد	بحر جود و آسمان اعتقاد
۳۔ یعنی آں نواب والا مرتبت	نام والا جاہ عالی منزلت
۴۔ کامران ملک کرناٹک بود	بندۂ خاص خدا بے شک بود
۵۔ از خلوص نیت و صدق عفیف	بر نہادہ کرسی جائے لطیف
۶۔ تا بیا سائید مردم اندریں	موجب برکات باشد بالیقیں
۷۔ گفت چوں تعمیر والا جاہی است	ہم بنائیش موقف الٰہی است
۸۔ سال تعمیرش ز دل کردم طلب	وجد در خود کرد و دل واکرد لب
۹۔ سال تاریخش بجو ز دل ایں دعا	باد دایم تا قیامت ایں فرخ بنا
۱۰۔ از جلوس شاہ دینج و سی طلب	شد مرتب در مہ پاک رجب

باہتمام آں فدویان والا جاہی محمد جعفر خاں و قادر یار خاں و علی محمد خان حصول سعادت نمودم۔

(۱) ملاحظہ ہو احسن السیر صفحہ ۴۳ ــ ۴۵ (۲) معین الارواح صفحہ ۳۵۵ ــ ۳۵۶

(۳) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۱۸۹ ــ ۱۹۰

(۴) یورپ میں دکنی مخطوطات صفحہ ۴۲۳ ــ ۴۲۵

۵۳۔ یونانی شفاخانہ کے متصل ایک بلند زینہ پر اکبری مسجد کا رفیع الشان دروازہ ہے: اس مسجد کی تعمیر کا اکبر بادشاہ نے اُس وقت حکم دیا تھا جب وہ جہانگیر کی ولادت کے چھ ماہ بعد اظہار تشکر کے لئے براہ شعبان ۹۷۷ھ ۱۵۷۰ء میں حضرت خواجہ کی درگاہ پر حاضر ہوا تھا یہ مسجد سنگ سرخ سے تعمیر کی گئی ہے۔ محرابوں پر سنگ مرمر کی پچہ کاری ہے۔ مسجد مع متعلقہ عمارت ۱۴۰ مربع فٹ ہے محراب مسجد ۵۶ فٹ بلند ہے۔ گنبد کے گوشوں پر مرمریں مینار ہیں۔ صحن مسجد میں ایک میں ایک ہشت پہل حوض تھا جو اب مٹی سے پُر کر دیا گیا ہے۔ تقریباً سو سال قبل اس میں ایک کنواں بھی تھا۔ ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء میں مسجد کی متعلقہ عمارات کی مرمت کرنے کی سعادت نواب غفور علی خاں صاحب دانا پوری نے حاصل کی۔

ملاحظہ ہو (۱) معین الارواح صفحہ ۴۴۵

(۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۱۴۳ ــ ۱۴۴

تھے وہ بھی لے لئے اور ان کے عوض جھالرہ[۱] تالاب کے کنارے پر زمین دے دی، اودے پور کے بت خانہ کا دروازہ اس کا نقارہ اور اس کا پیتل کا بنا ہوا چراغ دان جو صحنِ چراغ سے مشہور ہے درگاہ کے آستانہ میں رکھا

شاہجہانی دروازہ | درگاہ کے نقار خانہ کا دروازہ شاہجہانی تعمیر ہے اس کی دلیل اس کی پیشانی کا کتبہ ہے۔[۲]

چلّہ خواجہ صاحب | اور شہر پناہ کے باہر شہر سے شمالی جانب پہاڑی پر جو مکان "چلّہ خواجہ صاحب" کے نام سے مشہور ہے ۱۰۳۲ھ میں شاہجہاں کے زمانہ اور مہابت خاں خان خاناں کی صوبہ داری میں دولت خاں شحق دار نے تعمیر کرایا ہے۔[۳]

---

[۱] شاہجہانی مسجد کے جنوبی پہلو میں ایک گہری جھیل ہے جو جھالرہ کے نام سے مشہور ہے اسے بھی شاہجہاں بادشاہ نے بنوایا ہے۔ ہزاروں آدمی اس جھالرہ کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ یہ بہت زیادہ گہرا ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۱۸۱ .

[۲] یہ نقار خانہ ۱۰۴۷ھ میں شاہجہاں بادشاہ نے بنوایا ہے۔ بلند دروازے کے سامنے واقع ہے اس کا دروازہ سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے اور اندر باہر سنگ مرمر کا فرش ہے اس میں نقاروں کی عمدہ عمدہ جوڑیاں رکھی ہوئی ہیں ایک جوڑی بہت بڑی ہے جو اکبر بادشاہ نے رکھوائی ہے اس نقار خانہ میں صبح و شام، دوپہر اور پچھلی راتوں کو نوبت بجا کرتی ہے دروازے کی محراب پر بخط جلی کلمۂ طیبہ اور یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

بعہد شاہجہاں بادشاہ دیں پرور ۔ زدودہ ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

ملاحظہ ہو (۱) احسن السیر صفحہ ۹۲ (۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۱۹۳

[۳] یہ چلّہ سدا بہار پہاڑی پر نہایت خوشنما ہے۔ چلّہ پہلے حضرت خواجہؒ نے یہیں گوشہ نشینی کی تھی یہاں پر ایک گنبد بنا ہوا ہے جس میں ایک سنگین تخت رکھا ہوا ہے اس تخت پر بیٹھ کر حضرت خواجہ یادِ خدا میں معروف رہا کرتے تھے ۱۰۳۲ھ میں مہابت خاں خان خاناں صوبے دار اجمیر کے شحق دار دولت خاں نے چلّے کے سامنے ایک مخلوطہ سنگین بنوایا جس کے دروازے پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

بزمانِ شہ رفیع القدر	حامی شرع دیں شہاب الدین
رونق ملک و جود داد جہاں	کہ جہاں زو زمان و زمین
گشت والیِ صوبۂ اجمیر	خان خاناں بعزت و تمکیں
پاک دین پاک باز دولت خاں	بود شحق دار او بر سم امیں
ساختہ این مکاں چلّۂ چشت	تا بود یادگار او بزمین
سال تاریخ طالبی گفتہ	سی و هفت و هزار بود سنین

ملاحظہ ہو (۱) احسن السیر صفحہ ۹۲

(۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین صفحہ ۲۰۲-۲۰۳ (۳) معین الارواح صفحہ ۲۲۱-۲۲۲

درگاہ خواجہ بزرگ کے خدام اور پیرزادے

درگاہ سے تعلق رکھنے والے دو فرقے ہیں۔ خادم اور پیرزادے۔ پیرزادے اپنے آپ کو خواجہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ خاندان چشتیہ کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ خواجہ صاحب نے اولاد چھوڑی ہے۔ اور شیخ نظام الدین اولیا نے جو دہلی میں آرام فرما رہے ہیں خواجہ احمد کو خواجہ بزرگ کا نواسہ کہا ہے[1]۔ لیکن شیخ بایزید کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ وہ سلطان محمود خلجی کے عہد میں حاکم رہے ہیں۔ اجمیر میں پڑھانے کے لئے آئے اور پھر فرزندی کا دعویٰ کیا[2]۔ خدام کی جماعت انکار کرتی ہے اور خواجہ حسین ناگوری[3] اور مولانا رستم اجمیری یہ شہادت دیتے ہیں کہ وہ شیخ فخرالدین ابن خواجہ بزرگ کے پوتے ہیں۔ اکبر نے خواجہ حسین کو جو شیخ بایزید کی اولاد میں سے ہیں اور اس کے زمانے میں خواجہ کا فرزندی کا دم بھرتے تھے تسلیم نہیں کیا

---

[1] صاحب سیر العارفین نے حضرت خواجہ بزرگ کا منافی ہونا لکھا ہے اسی طرح دوسرے تذکروں مثلاً سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیا، مرآۃ الاسرار، گلزار ابرار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابھی حال میں خادم حسن زبیری نے حضرت خواجہ بزرگ کے مفصل حالات معین الارواح کے نام سے قلم بند کئے ہیں۔ اس میں بھی خواجہ بزرگ کی اولاد کی تفصیلات دی ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) سیر العارفین صفحہ ۱۶ (۲) سیر الاقطاب صفحہ ۱۳۶

(۳) خزینۃ الاصفیا، جلد اول صفحہ ۲۶۳-۲۶۴ (۴) معین الارواح صفحہ ۱۳۵-۱۴۵

[2] صاحب معین الارواح لکھتے ہیں کہ شیخ بایزید بزمانہ اسلامی سلطنت کے انحطاط کے وقت دہلی سے بغداد کی طرف چلے گئے اور علوم مروجہ تحصیل کیے۔ سلطان محمود خلجی کے زمانہ میں مانڈو آئے۔ شیخ الاسلام شیخ محمود نے اپنی بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ سلطان محمود خلجی شیخ بایزید کا بہت معتقد ہو گیا۔ سلطان کی تحریک پر شیخ بایزید درس دینے کی غرض سے اجمیر پہنچے چونکہ آپ بہت مدت کے بعد اجمیر آئے تھے لہٰذا ایک جماعت نے شیخ بایزید کو خواجہ بزرگ کی اولاد نہیں مانا مگر خواجہ حسین ناگوری اور مولانا رستم قنوجی نے شہادت دی کہ یہ خواجہ بزرگ کی اولاد میں ہیں ملاحظہ ہو معین الارواح صفحہ ۱۴۲-۱۴۳

[3] خواجہ حسین ناگوری، شیخ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں ہیں شیخ کبیر کے مرید تھے۔ گجرات میں ایک مدت تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے ان کی تصنیفات میں تفسیر نور النبی ہے مفتاح العلوم کے عنوان ثالث کی ایک شرح لکھی ہو ان کے رسائل و مکتوبات بھی ہیں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی قبر کے اوپر عمارت روضہ کی بنیاد رکھی جس کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔ خواجہ حسین ناگوری کا انتقال ۹۰۱ھ ۱۴۹۵ء میں ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۶۵

(۲) تاریخ الاولیا، جلد دوم صفحہ ۲۲۹-۲۳۰

(۳) تذکرۃ الاولیائے ہند و پاکستان صفحہ ۲۰۸-۲۰۹

لیکن شیخ عبدالحق دہلوی شیخ بایزید کی نسبت کو ثابت کرتے ہیں۔ شاید اکبر کی تحقیق صرف خدام کے اظہار پر مبنی ہو۔[1]

گردیزی خدام خدام میں بھی گروہ ہیں۔ ایک گروہ اپنے کو سیّد فخرالدین گردیزی کی اولاد کہتا ہے جو خواجہ بزرگ کے ساتھ گردیز سے اس سرزمین میں آئے تھے بیگمی دالان میں ان کی آرام گاہ کا پتہ بتاتے ہیں اور پیرزادے کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے ساتھیوں میں فخرالدین نام کے کسی شخص کا تاریخی کتابوں میں پتہ نہیں۔ اور گردیز کونسا شہر ہے کس سرزمین میں ہے یہ لوگ لاکھا بھیل کی اولاد ہیں جس نے مسلمان ہوکر فخرالدین نام پایا اس کی اولاد خدام کی خوشامد کرکے خُدّام کے زمرہ میں شمار ہونے لگی۔ یہاں تک کہ لوگوں کی کثرت اور جہاں گردی سے نقل اصل پر غالب آگئی چونکہ روزانہ درگاہ کی تدرول پر خدام اور پیرزادوں میں جنگ رہتی ہے اس لئے کسی کی بُرائی دوسرے کے حق میں اعتبار کے لائق نہیں ہے۔

خواجہ صاحب کے تمام ساتھی درویش تھے اس لئے مورخوں کو خواہ مخواہ ان ——— کی کیا پڑی تھی۔ بادشاہ کے ملازموں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کا نام ونشان کوئی نہیں جانتا اور گردیز اگرچہ بندہ کو معلوم نہیں کہ کہاں ہے لیکن بہت سے لوگ اپنے کو سادات گردیزی کہتے ہیں! خدا کی خدائی بہت ہے ہر ملک کو کون جانتا ہے۔ ایک نیا ملک جو یورپ والوں نے دریافت کیا ہے پہلے اس کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں ہے۔[2]

---

[1] خواجہ حسین، اکبر بادشاہ کے زمانہ میں متولی تھے اکبرنامہ میں تحریر ہے کہ وہ نذر کا تمام روپیہ کھا جاتے تھے اور حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد بنتے ہیں جو کے متولی تھے خدام اور تجاورول سے لڑائی رکھتے تھے۔ یہ قضیہ اکبر بادشاہ کے حضور تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے تحقیق کرائی اور معلوم ہوا کہ خواجہ حسین بالصحت خواجہ بزرگ کی اولاد میں نہیں ہیں لہذا تولیت سے علیحدہ ہوئے اس کے بعد خواجہ حسین شاہی عتاب میں آئے اور بھکر میں قید ہوئے بلکہ بائیسے اس سلسلے میں حافظ محمد حسین اجمیری نے ایک رسالہ "تحقیق اولاد خواجہ صاحب" لکھا ہے۔ اس میں بھی خواجہ حسین کے متعلق بتایا ہے کہ وہ حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد میں نہ تھے۔ یہ رسالہ ہمارے پیش نظر ہے۔ (محمد ابو بتا دری)

[2] خدام اور متولیوں کے اختلاف نے فخرالدین گردیزی کی شخصیت کے متعلق بھی اُلجھن پیدا کردی ہے ایک گروہ ان کی اولاد میں ہے وہ ان کو خواجہ صاحب کا ساتھی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ فخرالدین سادات گردیز سے تھے دوسرے لوگ ان کے وجود ہی کے منکر ہیں اس سلسلے میں معین الارواح نے پہلے گروہ کی تائید کی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (۱) معین الارواح صفحہ ۱۴۹-۱۵۱ (۲) تحقیقات اولاد خواجہ صاحب جلد اول صفحہ ۴۰-۵۱

شیخ زادے خدام

دوسرا گروہ شیخ زادوں کا ہے جو اپنے کو محمد یادگار کی نسل سے کہتے ہیں ان کا ذکر البتہ خواجہ بزرگ کے ہمراہیوں میں ملتا ہے ان کی قبر صندل خانہ کے سامنے بتاتے ہیں۔[1] اور اس گروہ کو ٹھگا دال" اس لئے کہتے ہیں کہ شیخ محمد یادگار کو موذن ہونے کی وجہ سے ہندو شیخ ٹھگا کہا کرتے تھے لیکن مسلمانوں کو یہ لفظ کہنا نہیں چاہیے نہ اس گروہ کو خوشی سے سننا چاہیے کیونکہ نماز کے لئے بلانے کو ٹھگنا کہنا دین کی توہین کو پسند کرنا ہے۔

درگاہ خواجہ بزرگ کے آداب

اس درگاہ کے آداب جو ہندو مسلمانوں میں جاری ہیں وہ یہ ہیں۔ جس وقت گھنٹی بجتی ہے یا نقارہ پر چوب پڑتی ہے تو ہر شخص جہاں بھی سنتا ہے درگاہ کی طرف رخ کرکے تسلیم کرتا ہے۔ شہر میں کوئی بنگلہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ خواجہ کی جعلی قبر پر قبہ کے نیچے بنگلہ بنا ہوا ہے۔ پانی بھرنے والی عورتیں گھڑے پر چھوٹا گھڑا نہیں رکھتیں کیونکہ وہ کلس کے مشابہ ہو جاتا ہے جو صرف خواجہ صاحب کے لئے مخصوص ہے اور چھ گھڑی رات گئے درگاہ کے ملازم قوال کڑکا گاتے ہیں گانے کے ختم ہونے کے بعد بعض لوگ زمین پر سر رکھ دیتے ہیں۔ بعض رکوع کی طرح جھک جاتے ہیں اور تسلیمات بجالاتے ہیں۔ اس کے بعد درگاہ کا دروازہ بند کر دیتے ہیں آخر شب میں صبح صادق ہونے سے پیشتر حجرۂ گنبد کے دروازہ پر اذان دیتے ہیں روشنی کرکے دروازہ کھولتے ہیں۔ اندر بہت سے فانوس رکھے ہیں اور تمام آستانوں میں چراغاں کرتے ہیں تمام دن گنبد کے اندر نشان قبر سے بجانب مغرب قرآن شریف کھلا رکھا رہتا ہے جو شخص پہلے جانا چاہے اس کو پائندازی کی طرف لیجا کر اگر سجدہ نہ کرے تو بغیر رکوع کرائے نہیں چھوڑتے۔ شام کے وقت فانوسوں کو سر پر رکھ کر گنبد میں لیجاتے ہیں اور یہ کام متوسلین درگاہ میں سے صاحب مرتبہ کے سوا دوسرا نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر خدام کی مہربانی ہو جائے تو اور بات ہے۔ اس وقت لوگ خواجہ اور ان کے پیروؤں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر سروں سے فانوس اتار کر جگہ جگہ رکھ دیتے ہیں اور اکثر لوگ گنبد کے گرد چکر لگاتے ہیں جس کا نام طواف ہے۔ مردہ جہاں بھی مرے اس کی نعش اس مقام پر لاتے ہیں اور نعش کو مقبرہ کے گرد گھما کر

---

[1] شیخ محمد یادگار کے متعلق ملاحظہ ہو تحقیقات اولاد خواجہ صاحب حصہ اول ص۳۶

دفن کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ پنجشنبہ کو یعنی جمعہ کی شب میں بہت زیادہ چراغاں کرتے ہیں۔ رنڈیاں اور گویئے کثرت سے جمع ہوتے ہیں اور ناچ گانا عصر کے وقت سے چھ گھڑی رات گئے تک تو ضروری ہے اس کے بعد جب تک بھی ہو "نور علےٰ نور"

صاحبِ سجادہ، پیرزادہ اور متولی گنبد کے شرقی دروازہ کے سامنے شامیانہ میں بیٹھتے ہیں۔ گویئے گاتے ہیں جب چھ گھڑی رات گزر جائے تو اُٹھتے ہیں سجدہ کرتے ہیں اور رات میں گھڑیالی کو حکم ہوتا ہے کہ جب تک متولی کی اجازت نہ ہو یہ چھ گھنٹے نہ بجائے تاکہ بہتر ہو کہ سماع کی محفل میں وقت زیادہ خرچ ہو جائے بلکہ کبھی تو اُس وقت تک مجلس کی ترتیب بھی نہیں ہو پاتی۔ اسی طرح عرس کے دنوں میں گھڑیال بجانا متولی اور پیرزادہ کی اجازت پر موقوف ہے۔[1]

خواجہ بزرگ کے عرس میں ہنگامہ آرائی

عرس کا ہنگامہ یکم رجب سے چھ تاریخ تک رہتا ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں فقیر اور مداری لوگ حوض کے اندر ناچتے ہیں۔ رنڈیوں اور گویّوں کے ناچ گانے کا ہنگامہ نصف شب تک گرم رہتا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر درختوں میں لٹک جاتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں گویا ان درختوں کی فصلی میوہ یہ حماقت شعار لوگ ہیں۔ روزانہ قبر پر صندل لیپتے اور پرانا صندل صاف کر دیتے ہیں۔ جس کسی کو اس خدمت میں شامل کر لیں گویا وہ دنیا و آخرت دونوں کے مقاصد میں کامیاب ہوگیا۔ میواتی مرد و عورت غروب آفتاب کے

---

[1] صاحب معین الارواح لکھتے ہیں: خدمات و مراسم درگاہ کی ادائیگی ایسے بے لکھے قانون کے تحت سالہا سال سے ہو رہی ہے جس کی پابندی منتظمین درگاہ، خدام آستانہ، عقیدت مندان و زائرین پر لازمی ہے قدیمی معینہ خدمات میں کسی کو ترمیم و تنسیخ اور رد و بدل کا اختیار نہیں ہے رسم قدیم کے تحت درگاہ شریف میں ہر شخص فاتحہ، قوالی، میلاد شریف، وعظ، منقبت کا مشاعرہ اور بزرگان دین کے اعراس کرنے کا مختار ہے...... بعض مراسم منجانب درگاہ ادا کیے جاتے ہیں۔ کچھ کی ادائیگی انجمنیں، خدام صاحبان، اور اہل عقیدت حضرات کرتے ہیں۔" آگے پھر لکھتے ہیں:۔

"حدود درگاہ شریف میں داخل ہوتے وقت جوتا اُتارنا لازمی ہے کوئی شخص جوتا پہن کر حدود درگاہ میں داخل نہیں ہو سکتا البتہ انگریزوں کو جوتے پر پائتابہ پہنا دیا جاتا ہے۔ کوئی شخص چھتری لگا کر، ہار پھول پہن کر، جلتی ہوئی لالٹین لے کر داخل نہیں ہو سکتا۔ زنانہ مستورات کو برقعہ پہن کر آنا ضروری ہے۔ حدود درگاہ میں بیڑی، سگریٹ، یا حقہ پینا، گالیاں بکنا۔ غل و شور مچانا کسی اونچی جگہ پاؤں لٹکا کر بیٹھنا منع ہے۔ ملاحظہ ہو معین الارواح صفحہ ۳۶۹، صفحہ ۳۸۲)

قریب چراغاں کر کے اپنے منہ کے سامنے یا دونوں ہاتھوں پر رکھ کر تعریفوں میں مصروف ہو جاتے ہیں[1]
مبارک موسم میں پھولوں کا بنگلہ بنا کر قوالیاں گاتے ہوئے اس کو گنبد کے اندر لے جاتے ہیں بسنت میں بھی خوب ہنگامہ ہوتا ہے[2]۔

خلاصہ یہ کہ ہندوؤں نے ہزاروں برس میں بت خانوں میں جو ایجادیں کی ہیں قبر کے گور پرستوں نے تمام بزرگوں کے قبروں پر اس تھوڑی سی مدت میں ایسی بناوٹیں جاری کر دیں کہ بجائے اصل کے نقل

---

[1] رجب کی چاند رات کے روز ہی سے لوگ عرس کے لئے آنا شروع ہو جاتے ہیں اس قدر لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے کہ مکان کا کرایہ دس گنا ہو جاتا ہے اکثر لوگوں کی بھی تجارت ہے۔ یکم رجب کو رات کے ۹ بجے حضرت خواجہ کا "دربار" سج جاتا ہے۔ تمام فقرا دست بستہ بیٹھتے ہیں اسی وقت سجادہ نشین آتے ہیں۔ تمام حاضرین تعظیم دیتے ہیں اور صاحب سجادہ کی سلامتی اور بادشاہ وقت کی دعا مانگی جاتی ہے اس کے بعد چوبدار کہتا ہے۔

"حضور پرنور عطائے رسول سرکار والا تبار پناہ فقرا و دستگاہ اصحاب علام جہاں باقی سلطان روحانی قوال نگاہ رو برو"

بس فوراً قوالی شروع ہو جاتی ہے قریب نصف شب تک یہ محفل سماع منعقد رہتی ہے۔ آدھی رات کو قبر کو غسل دیا جاتا ہے دوسری تیسری چوتھی رجب کو بھی اسی طرح محفلیں ہوتی ہیں پانچ رجب کو بعد نماز صبح حضرت خواجہ کا فاتحہ ہوتا ہے چھ رجب کو ایک خاص محفل ہوتی ہے اس روز مجمع بہت ہوتا ہے محفل کے ختم ہونے پر چوبدار اپنے اپنے عصائے نقرئی بلند کر لیتے ہیں اور یہ محفل کے اختتام کی علامت ہے اس کے بعد سال بھر کی رپورٹ سجادہ صاحب کو پیش کی جاتی ہے اور فقرا کے گروہ کے تمام باہمی تنازعات پیش کئے جاتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ سجادہ صاحب کے فیصلے سے انحراف کرے اگر کوئی ایسا کرے تو اس کی کلاہ اور خرقہ درویشی فوراً ضبط کر لیا جاتا ہے اور گروہ فقرا سے خارج کر دیا جاتا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو (۱) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۲۲۱-۲۲۳

(۲) معین الارواح صفحہ ۳۶۲-۳۶۴

[2] بسنت کی ابتدا حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کی نسبت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے ایک مضمون لکھا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ساتویں صدی کے اختتام پر شیخ نظام الدین اولیا کے بھانجے تقی الدین نوح کا انتقال ہوا جن کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے ان کی موت سے ان کو ایسا صدمہ ہوا کہ عالم سکوت طاری ہو گیا یہاں تک کہ چھ مہینے تک تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت امیر خسرو اس بات سے بہت متفکر تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی سامان حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا کیا جائے ایک روز دوستوں کے ساتھ جنگل کی سیر کو گئے سامنے کالکا مندر تھا بسنت پنچمی کا دن تھا مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور سرسوں کے پھولوں کا بسنتی برس رہا تھا اور لوگ ناچ گا رہے تھے امیر خسرو اس کیفیت سے متاثر ہوئے۔ فارسی اور ہندی کے چند شعر موزوں کئے جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا کج کر کے اس طرح سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی اس ہیئت سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا امیر خسرو کی یہ مستانہ ادا فارسی و ہندی اشعار سن کر بہت محظوظ ہوئے اور کامل چھ ماہ کے بعد تبسم فرمایا اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکا کے مندر پر جاتے ہیں تو چشتیہ سلسلے کے صوفی بھی اپنے مشائخ کے مزاروں پر سرسوں کے پھول لے کر جاتے ہیں۔ دہلی میں پندرہ دن مختلف درگاہوں پر بسنت کے میلے نہایت دھوم دھام اور ناچ رنگ کے جلسوں سے ہوتے ہیں جن میں ہزاروں روپیہ صرف کیے جاتے ہیں شمالی ہند کے اکثر شہر مثلاً آگرہ وغیرہ میں مسلمانوں میں بسنت منایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک صفحہ ۱۲۸-۱۳۳ (۲) مرقع دہلی۔ دوم صفحہ ۳۳۰-۳۳۱ جلد اول ۲۱۲-۲۱۴

بھی رشکِ برہمناں بن گئی۔

درگاہ کی طرف سے تعزیہ داری! عشرہ محرم میں درگاہ کی طرف سے تعزیہ داری کرتے ہیں، روضہ کا نقشہ بناتے ہیں اوقاف سے اس کا خرچ لیتے ہیں شہر کے دوسرے تعزیئے درگاہ خواجہ کے زینے کے نیچے رکھتے ہیں پھر اُٹھا کر لے جاتے ہیں ذی الحجہ کے آخری دن میں چھوٹے تخت کو دھونے کے لئے اناساگر تالاب پر لے جاتے ہیں اور وہاں سے واپس لاتے ہیں اس کو بھی لوازمات عشرہ محرم میں شمار کرتے ہیں۔[1]

عرس خواجہ عثمان ہرونی شوال کے مہینے میں درگاہ میں خواجہ عثمان ہرونی مرشد خواجہ بزرگ کا عرس کرتے ہیں جن کا مزار مکہ معظمہ میں ہے۔ اور اخراجات اوقاف سے لیتے ہیں۔

قطب صاحب کا چلہ نیز خواجہ قطب الدین مرید خواجہ بزرگ کے عرس کا خرچ بھی آستانہ کے اوقاف سے ہوتا ہے۔

---

[1] مولف معین الارواح لکھتے ہیں:۔

"شہر کے بہت سے مقامات پر تعزیئے رکھے جاتے تھے مگر ۱۹۳۶ء کے بعد سے صرف محلہ خادمان اور اندر کوٹ میں تعزیہ داری ہوتی ہے چھتری دروازہ کے متصل مجلس منعقد ہوتی ہیں درگاہ شریف کا تعزیہ زیادہ مقبول ہے۔ یہ آج کل بھی جلوس میں سیر اجاتا ہے اس کے علاوہ چاندی کا تعزیہ اجمیری ورثہ والا ڈولہ اور اندر کوٹ میں علم بھی رکھے جاتے ہیں نیز تلواروں سے پائی دوست بھی کھیلا جاتا ہے۔" معین الارواح صہ ۲۴۳

[2] خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے نامور بزرگ تھے اکابر مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت خواجہ اجمیری رح کے مرشد تھے۔ وہ قصبۂ ہرون (حوالی خراسان) میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی کے مرید و خلیفہ تھے ۵ شوال ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ء میں انتقال فرمایا اور مکہ معظمہ میں دفن ہوئے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے درج ذیل قطعہ تاریخ موزوں کیا ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں ۔۔۔ شیخ عثماں مقتدائے اولیاءؒ

سال وصلش "قطبِ حق" آمد عیاں ۔۔۔ جلوہ گر شد نیز "تاج الاولیاء"

بتاریخ ۵ شوال مابین عصر و مغرب درگاہ میں خواجہ عثمان ہرونی کا عرس ہوتا ہے سماع کے ساتھ چادر پیش کی جاتی ہے ۶ شوال کو وقتِ شب سماع خانۂ عثمانیہ میں مشاعرہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) معین الارواح صہ ۲۳۲

(۲) خزینۃ الاصفیا، جلد اول صہ ۲۵۵ — ۲۵۶ (۳) سفینۃ الاولیا، صہ ۱۲۶ — ۱۲۸

یہ عرس ۱۴ ربیع الاول کو اس پہاڑی پر ہوتا ہے جو دولت خانہ باغ کے جنوب اور شہر اجمیر کے شمال اور انا ساگر کے مشرق میں ہے۔

اور اس جگہ کو جو کہ دو تین گز پہاڑ کے اندر ہو گی "قطب صاحب کا چلہ" کے نام سے مشہور کر رکھا ہے اگرچہ تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔[۱]

عرس بی بی حافظ جمال | ہر سال ۱۹ رجب کو اندر کوٹ نزد چشمہ باغ میں بی بی حافظ جمال کا عرس ہوتا ہے جن کو خواجہ کی لڑکی کہتے ہیں اس کا خرچ بھی درگاہ سے ہوتا ہے۔[۲]

---

[۱] سدا بہار پہاڑی کے مشرقی حصے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا چلہ ہے جہاں وہ عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے چلہ کے بالائی صحن میں ایک تین در کی پختہ مسجد ہے مولانا فخر الدین دہلوی کے مرید مولانا شمس الدین نے ۱۱۹۰ھ ہجری میں یہ مسجد تعمیر کرائی مسجد کے کتبے کے اکثر الفاظ مٹ گئے ہیں صرف یہ شعر پڑھنے میں آتا ہے ؎

از پئے تاریخ سالش ہاتف از غیب نوید　　　داد پاسخ کو مورخ "ذکر ہو رب مجید" ۱۱۹۰ھ

چلہ کے نیچے صحن میں ایک پختہ عالی شان محوطہ بنا ہوا ہے اس میں محمد شاہ خاں کی قبر ہے مرحوم نواب امیر خاں والی ٹونک کے رفیقوں میں تھے محوطہ کے غرب میں ایک مسجد پانچ در کی اور ایک حجرہ محمود خاں نائب محمد شاہ خاں نے ۱۲۳۰ھ میں تعمیر کرایا دروازے پر سنگ مرمر کی لوح پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

الله اکبر

بناکرد محمود عالی نگاہ　　　مزار محمد شہ دیں پناہ

ز تاریخ تعمیر گوید لطیف　　　زہے مقبرہ مسجد و خانقاہ

۱۳ و ۱۴ ربیع الاول کو اس چلہ پر خواجہ صاحب کے مراسم عرس منجانب درگاہ ادا کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

(۱) معین الارواح صفحہ ۴۲۳ - ۴۲۴

(۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۲۰۳

[۲] حضرت خواجہ کے روضہ کی جنوبی دیوار میں پائیں رخ تین دروازے ہیں ادھر اُدھر کے دروازے بعض خاص حالات اور موقع پر کھولے جاتے ہیں درمیانی دروازہ دن بھر کھلا رہتا ہے۔ اس دروازے کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر چھتری بنی ہوئی ہے۔ چھتری کے متصل روضہ کی جنوبی دیوار سے ملحق حجرہ میں حضرت خواجہ کی صاحبزادی بی بی جمال کی قبر ہے۔ حجرہ کی تعمیر قدیم ہے۔ قبر کے تعویذ میں سنگ ابری طلائی اور فیروزہ سے پچہ کاری کی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو (۱) معین الارواح صفحہ ۳۶۴

(۲) احسن السیر صفحہ ۳۹

ایک سال خادموں نے بتاریخ ۲۷ محرم سنہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۵ نومبر سنہ ۱۸۲۰ء اماوس کاتک سمت ۱۸۷۷ کو دیوالی بھی درگاہ کے خرچ سے کی تھی۔ خلاصہ یہ کہ درگاہ کے اخراجات میں بلغور خانہ کا خرچ جو سلطنت کے زمانہ سے ہے البتہ ٹھیک ہے کہ محتاجوں کو کھانا مل جاتا ہے۔

درگاہ کے اوقاف کی بربادی

دیہات پیرزادوں اور خدام کو اوقاف سے مقرر ہیں۔[1] لیکن احمد شاہی کے بعد اوقاف کے انتظام میں عجیب گڑبڑ ہوگئی ہندوؤں کی سازش سے مدرس، محتسب اور امدادِ مسافران کے معقول مصارف موقوف ہوگئے۔ خدام کی تنخواہیں اوقاف بلغور خانہ کے تیل وغیرہ میں حصہ اور ہنگامہ آرائی کے فضول اخراجات کا اس میں اضافہ کردیا۔ اوقاف کے بعض دیہات کو پیرزادے اپنے قبضے میں کر بیٹھے بعضوں کو متولیوں نے بھوڑی جمبندی پر راجہ کشن گڑھ، شاہ پورہ اور ٹھاکران اودے پور کو اپنی ضروریات کی وجہ سے ٹھیکہ پر دے دیا، بڑی بیگم

---

[1] سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے سنہ ۱۵۶۲ء میں بذریعہ فرمان اٹھارہ مواضعات مصارف متعلقہ کے لئے وقف کئے اور سانبھر کے نمک کی آمدنی میں سے ایک فی مدی رقم لنگر کے لئے وقف کی ان مواضعات میں سے اس وقت صرف موضع نواب اور کینیا درگاہ کے قبضہ میں ہیں۔ سنہ ۱۶۳۰ء میں شاہجہاں نے اس رقم کو منسوخ کرکے مبلغ پچیس ہزار سات سو اسی (۲۵۷۸۰) روپے سالانہ کی نئی جاگیریں پیش کیں۔ ان جاگیروں میں سے مبلغ دس ہزار ستاون (۱۰۰۵۷) روپے کی جاگیریں بشکل نقدی تھیں بقیہ سترہ مواضعات کی آمدنی جنسی تھی۔ بعد ازاں فرخ سیر نے ان میں دو مواضعات کا اضافہ کیا۔ سنہ ۱۷۶۹ء میں شاہ عالم ثانی نے موضع ہوکران اور کشن پورہ بزمانہ دیوان امام الدین درگاہ کے مصارف کے لئے وقف کردی سنہ ۱۸۰۱ء میں دولت راؤ سندھیا نے موضع دانترہ بزمانہ متولی میر عظیم اللہ متولی کے روزینہ کے لئے وقف کیا۔

اوقاف کا انتظام اور درگاہ کے مصارف کی ادائیگی متولی کے فرائض میں شامل تھی مگر بہ تحریک کمشنر اجمیر ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے بموجب ایک کمیٹی بنام درگاہ کمیٹی درگاہ کے انتظام کے لئے بنائی گئی اس میں ایک صدر اور چار ارکین تھے یہ کمیٹی بذریعہ متولی انتظام کرتی تھی۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں ایکٹ ۲۳ درگاہ کے انتظام کے لئے بنایا گیا اس کے مطابق ۲۵ ممبران کی کمیٹی بنائی گئی ان ممبروں میں ایک متولی کا نمائندہ، ایک دیوان کا نمائندہ، دو خدام کے نمائندے، ایک نظام حیدرآباد دکن کا نمائندہ، پانچ اہل اجمیر کے نمائندے، چار چشتی سجادہ نشین، ایک ایک مسلمان ممبر صوبہ سرحد، صوبۂ یوپی، صوبۂ بہار، صوبۂ بنگال، صوبۂ بمبئی، صوبۂ پنجاب، صوبۂ سندھ، صوبۂ مدراس کی لیجس لیٹو کے ممبروں میں سے اور تین مرکزی لیجس لیٹو اسمبلی میں سے ہونا قرار پائے۔ یہ کمیٹی متولی کے ذریعہ انتظام کرتی رہی۔ مگر سنہ ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات اجمیر کے بعد انتظام میں خلل واقع ہوا پھر کانگریس حکومت نے اس کمیٹی کو ختم کرکے ایک ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا جو درگاہ کا انتظام کرتا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے

معین الارواح صفحہ ۳۷۹ — ۳۸۰

کے چاروں دیہات کا سامان اوقاف میں شامل کرلیا حویلی اپنے قبضہ میں لے لی بہ ایں ہمہ ہر سال دیہات کی آمدنی کو زمینداروں کی سازش سے خورد برد کر دیتے ہیں۔ بدعتوں کے مصارف بدستور جاری رکھتے ہوئے درگاہ پر قرضہ کر دیتے ہیں اب اگر شاہجہانی مسجد یا گنبد درگاہ یا کوئی دوسری جگہ ٹوٹ پھوٹ جائے تو لوگوں میں اس کا سبب مذہبی اختلاف کے باعث انگریزی سرکار کی بے پرواہی مشہور ہو جاتی ہے اگر سرکار اس کا کچھ تدارک کرے تو چونکہ اوقاف خورد برد ہو چکے ہیں لامحالہ اپنے خزانہ سے بیکار رقم دینی پڑے گی۔

کچھ عرصہ سے میں نے سنا ہے کہ اوقاف کی تولیت کا تعلق بادشاہی سرکار سے ہو گیا ہے اور حضور والا نے مرزا جہانگیر کے لڑکے کے نام جو ابھی بچہ ہے مقرر کر دی ہے۔ اور نیابت صاحب سجادہ کے سپرد کر دی ہے یقین ہے کہ پہلے کی بہ نسبت اور بدتری ہو جائے گی کیونکہ اس کا ماحصل سوائے خدام کو ایذا رسانی اور صاحب سجادہ کو فائدہ پہنچنے کے دوسرا کچھ نہیں ہے۔

اجمیر کے چند واقعات اس سال میر جلال الدین کوتوال ہوگئے اور فیض الحسن امین دورہ اور جگناتھ سررشتہ دار دورہ اور بہاری لال سررشتہ دار مال و عدالت۔

مگرہ پر انگریزوں کا دخل مگرہ کے لوگوں پر فوج بھیجی گئی وہ لوگ بزدلی سے فرار ہو گئے اور سرکار کا دخل ہو گیا ابھی تک ان لوگوں نے زمانہ کی تھپیڑیں جیسا کہ چاہئے نہیں کھائی تھیں نہ جنگ کی ہوس دل سے نکالی تھی کہ جنرل کے ذریعہ ان کو پھر آباد کرنے کا حکم صدر سے آگیا۔ سندر لال کشمیری وہاں کا حاکم مقرر ہو گیا پھر ان لوگوں نے کھیتی شروع کر دی۔

ایک ساہوکار کی غارت گری اسی سال شہر میں بعد مغرب چند غارت پیشہ لوگ ایک ساہوکار کو زخمی کر کے اسکی ہمیانی لے گئے ان لوگوں کا کوئی سراغ نہ ملا ہر چند میر جلال الدین کوتوال نے کوشش کی اور چمن خاں چیتہ استمرار دار اجوسی کو پابہ زنجیر کر دیا وہ بعد کو سراغ رسانی کا وعدہ کر کے رہا ہو گیا۔

قتل کی تحقیقات کیکری میں ایک شب خون ہوا۔ میر جلال الدین اس کی تحقیقات کو گئے اور کوتوالی کی خبر گیری بندہ کے سر پڑی۔ یہاں تک کہ میر صاحب بتاریخ ۲ اگست ۱۸۱۹ء کو واپس

آئے مجرموں کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ بندہ نے اس بلا سے نجات پائی۔ تنخواہ بھی شروع سے میر صاحب نے پائی۔

مومن خاں کی موت
اسی سال بتاریخ ۱۲ر محرم ۱۲۳۵ھ مطابق یکم نومبر ۱۸۱۹ء موافق ۱۴ر کاتک سمت ۱۸۷۶ بکرماجیت روز دوشنبہ مومن خاں پہکر کے میلہ میں مر گیا۔ میر جلال الدین نے اس کی نعش کو وہاں سے لاکر شہر کے باہر اس تکیہ میں جو مدار دروازہ اور نئے دروازہ کے درمیان ہے دفن کردیا۔

راجہ جیسلمیر کی موت
اسی سال راول مولراج راجہ جیسلمیر کے مرنے کی خبر بتاریخ ۲۲ر ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۲ر اکتوبر ۱۸۱۹ء پہونچی۔

منده سور کے مختار کی ویلڈر سے ملاقات
بتاریخ ۱۵ر محرم ۱۲۳۵ھ مطابق ۴ر نومبر ۱۸۱۹ء کو منده سور کے مختار نے آقا (ویلڈر) سے ملاقات کی۔

۱۹ر محرم ۱۲۳۵ھ مطابق ۸ر نومبر ۱۸۱۹ء کو میر جلال الدین نگرہ روانہ ہو گئے۔

بتاریخ ۲۲ر محرم مطابق ۱۱ر نومبر بندہ حسب الحکم برلہ اور اجمیر کی سرحد کے فیصلہ کے لئے گیا۔

ٹاڈ صاحب کی جودھپور روانگی
۲۳ر محرم مطابق ۱۲ر نومبر کو معلوم ہوا کہ یکم نومبر کو ٹاڈ صاحب جودھپور پہونچے اور امرتی پول تک مہاراجہ نے استقبال کیا۔ آئندہ کے لئے یہیں تک استقبال کا دستور قرار پا گیا۔
بتاریخ ۲۵ر محرم ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۴ر نومبر ۱۸۱۹ء پیر جنگ راج گڑھ میں پولیس کے کام پر مقرر رہوا۔

ویلڈر کی سری نگر روانگی
بتاریخ ۲۸ر محرم مطابق ۲۷ر نومبر کو آقا (ویلڈر) سری نگر میں تشریف فرما ہوئے۔ قاضی فتح محمد۔ مختار کشن گڑھ کے ناظر سے ناموافقت کی بنا پر وہاں سے برخاست ہو کر اجمیر آ گیا۔

۳۰ر محرم مطابق ۱۹ر نومبر کو جیسلمیر سے ہرکارہ خط مہتہ سالم کا بنام بندہ اور عرضی حضور میں لایا۔ وہ اس ریاست کا مختار تھا۔

راجہ کوٹہ کی موت
یکم صفر مطابق ۲۰ر نومبر کو امید سنگھ راجہ کوٹہ مر گیا۔ بتاریخ ۲ر صفر مطابق ۲۱ر نومبر کو ایک پنڈت گوالیار سے آیا اور اپنی لڑکی جس کو بھگا کر لایا تھا مار ڈالا اور گرفتار ہو گیا اور ۱۱ر صفر مطابق ۳۰ر نومبر فیض الحسن معزول ہو گیا۔

۱۲ صفر مطابق یکم دسمبر کو بندہ پھکر میں ٹاڈ صاحب کے استقبال کے لئے گیا اور دوسرے روز صاحب ممدوح اجمیر میں داخل ہوئے دونوں صاحبوں نے ملاقات کی۔

۱۸ صفر مطابق ۷ دسمبر کو ٹاڈ صاحب اندر کوٹ میں اس مکان میں گئے جو "ڈھائی دن کا جھونپڑا" کے نام سے مشہور ہے۔

ڈھائی دن کا جھونپڑا

کہتے ہیں کہ سمت ۱۱۳۲ بکرماجیت مطابق ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء میں سورا اور ساتونا قوم سسودیہ نے اپنے ذمے دھرم کھوک جتی کی خدمت لازم کرلی جو چھتانہ میں پارسائی کی زندگی بسر کرتا تھا اس نے جین مذہب اختیار کرلیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی جاندار کو نہ ستایا جائے۔ ولیشنو طریقے سے پھر گیا۔ مدرسہ کے طرز پر جیتی کے رہنے کے لئے ایک مکان کی بنیاد ڈالی گئی تاکہ اپنا طریقہ لوگوں کو سکھائے۔ سوالان، سراتہ، سورا اور سانگھلا کی اولاد ساتونا کی نسل سے ہیں۔ یہ بیان ہندی کتاب کے بموجب ہے ورنہ پہلے بادشاہوں کی تاریخ میں اس کا نام نہیں ملتا، ایک زمانہ یوں ہی گزر گیا مسلمانوں کے زمانہ میں تھوڑے سے تصرف سے کم خرچ بالانشین مسجد ہوگئی ہوا اور اس کا نام جتی رکھدیا ہو وہ دُنیا کی بے ثباتی کی خبر دیتا ہے۔ کیونکہ سب سلف کے آئین میں مکانات کی پائداری ڈھائی روز کی ہے جنوبیوں کے زمانہ میں معمار لوگ بمصداق "مالِ مفت دلِ بے رحم" وہاں سے پتھر اُٹھا لائے کہتے ہیں کہ بیشتر بت ان پتھروں میں سے نکلتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ پتھر مکان کی زیبائش کے تھے یا ہندوؤں کے معبود۔[1]

---

[1] ڈھائی دن کی مسجد کے متعلق مولوی عبدالقادر کا بیان بہت صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس مسجد کے متعلق بہت سی بے سروپا روایتیں مشہور ہیں اس مسجد کا طول ۲۰۰ گز ہے اور عرض بھی مع صحن کے اتنا ہی ہے۔ بیچ کی محراب ۵۶ فٹ بلند ہے مسجد کی دیواریں ۵۰ فٹ اونچی ہیں صحن کے آگے دو دروازے آمد و رفت کے لئے بنے ہوئے ہیں ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں اس مسجد کی مرمت ہوئی۔ اس مسجد کی دائیں محراب پر سورہ انا فتحنا اور سنہ تعمیر اور بائیں طرف محراب پر سورۂ تبارک اور وسطی محراب پر یہ کتبہ بخط طغرا جلی کندہ ہے۔

"امر بھذہ العمارۃ السلطان العالم العادل المعظم والخاقان الاعظم ملک الترک شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک العرب والترک والعجم ظل اللہ فی العالم شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین قامع الکفرۃ والملحدین قاہر الظلمۃ والمشرکین ناصر الاسلام علاء الدولۃ القاہرۃ والملۃ الباہرۃ مالک البر والبحر سلطان المشرق المؤید من السماء المظفر علی الاعداء ابی المظفر التمش السلطان معین خلیفۃ اللہ ناصر امیر المومنین اعلی اللہ فی کل شانہ نصرہ فی کل ساعۃ برہانہ وکتبہ فی العشرین مع ربیع الآخر سنۃ" ۔ دولت راؤ سندھیا نے (۱۸۰۰ء) اپنے دورِ حکومت میں

چلہ غوث اعظم

راستے میں ٹاڈ صاحب نے پہاڑ پر ایک مکان دیکھا تو پوچھا کہ اس مکان کو "چلہ غوث اعظم" کہتے ہیں یہ کس کا لقب ہے۔ میں نے کہا لوگ شیخ عبدالقادر جیلانی کو جن کا مزار بغداد میں ہے "غوث اعظم" کہتے ہیں اس کے معنی ہیں "بڑا فریاد رس" کہنے لگا کہ خدا کے سوا دوسرے کو "فریاد رس" کہہ سکتے ہیں؟

میں نے کہا کہ ہر مذہب کے سب لوگ نسبت اور اعمال میں اپنے اپنے طریقہ کا اتباع کرتے ہیں ہماری شریعت میں اس لقب کی پیغمبر سے بھی نسبت نہیں کر سکتے، دوسرا تو درکنار، کہا کیا وہ اس شہر میں آئے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ ایک شخص یہاں سے بغداد گیا تھا وہ ان کے مقبرہ کی ایک اینٹ بطور تبرک اٹھا لایا اور یہ وصیت کی کہ اس کو میری قبر پر جمادیں، ایسا ہی کر دیا گیا۔

شیخ مادھو نامی نے سنتوجی مرہٹہ کے زمانہ میں یہاں ایک عمارت بنوا دی اور اس چلہ سے موضع ماکھوپورہ اس کے مصارف کے لئے حاصل کر لیا۔ ہر سال بتاریخ ۱۲ ربیع الآخر کو یہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔[1]

پھر کہا غوث اعظم کون شخص تھے میں نے کہا خدا پرست اور پرہیزگار شخص تھے مخلوق کو اچھی باتیں سکھلاتے تھے۔

ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ نیکوں کو بھلائی سے یاد کریں اور خدا سے ان کی بخشش اور زیادتی رحمت کی دعا مانگیں۔ مرادیں مانگنا سوائے ذات غنی مطلق (اللہ تعالیٰ) کے دوسرے سے جائز

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) اس مسجد کے دروازے پر پتھر پر کندہ کرا کے ایک اعلان نصب کرایا اس میں ہندو اور مسلمانوں کو قسم دے کر لکھا گیا ہے کہ اس عمارت کو نقصان نہ پہونچائیں۔ یہ کتبہ اب تک مسجد کے دروازے پر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو
(۱) معین الارواح صفحہ ۲۱۲-۲۱۵ (۲) احسن السیر صفحہ ۸۱-۸۵
(۳) سوانح عمری خواجہ معین الدین اجمیری صفحہ ۱۹۶-۱۹۸

[1] یہ چلہ حضرت خواجہ کی درگاہ کے جنوب میں پہاڑی پر واقع ہے جمشید خان نے دالان در دالان تعمیر کرا دیا حاجی وزیر علی خادم درگاہ نے درگاہ کے رخ پر ایک بارہ دری تعمیر کرائی۔ ربیع الاول کی ۹ تاریخ سے ۱۱ تاریخ تک یہاں غوث اعظم کا عرس ہوتا ہے۔ مصارف کے لئے جاگیر ہے۔ ملاحظہ ہو:- (۱) معین الارواح صفحہ ۲۴۳ (۲) احسن السیر صفحہ ۱۰۳-۱۰۵
(۳) سوانح خواجہ معین الدین صفحہ ۲

نہیں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ کثرت کے پابند لوگ دُنیا بھر کے لئے کم سے کم پانچ چھ حاکم ضروری سمجھتے ہیں یہ خیالات ہندوستان۔ عرب و عجم میں ایک عرصہ سے ہیں۔ یہ دین تو بارہ سو اور کچھ سال کا ہے۔ اصولِ توحید۔ نبوت۔ معاد کی پیروی عام طور سے فی الجملہ دو سو سال تک رہی اس کے بعد اسی قسم کے خیالات باطلہ اسلامی فرقہ میں رنگ آمیزی کے ساتھ اُبھر آئے جو قدیم کافروں کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں اور اب تو یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ خواص بھی ان چیزوں میں عوام کا اتباع کرنے لگے۔ قبروں کے گنبد جو بغداد۔ نجف۔ کربلا۔ طوس اور مدینہ میں ہیں سب کتاب اور سنت کے خلاف ہیں کیونکہ ہمارے مذہب میں قبروں کو اونچا کرنا جائز نہیں نشان کے لیئے ایک پتھر کافی ہے۔ محرم میں جو کچھ ہوتا ہے زیادہ تر وہ افعال خواہشات اور نفسانیت پر مبنی ہیں۔

گھوگرا گھاٹی

پھر سیر کرتا ہوا گھوگرا گھاٹی کی طرف آیا۔ پوچھا اس کی وجہ تسمیہ کچھ خیال میں ہے میں نے عرض کی کہ گھوگھرا نام ایک پتھر کا ہے جس کی کان اسی پہاڑ میں ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب پرتھی راج راجہ جے چند کی لڑکی کو جس کا نام سنجوگتا رانی تھا اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر بھگا لے گیا تھا۔ مخالف کی فوج اس کے پیچھے آرہی تھی۔ یہاں پہنچکر رانی کے پَیر کا گھونگر زمین پر گر پڑا۔ باوجودیکہ یہ جگہ جان کے خوف سے رُکنے کی نہ تھی، پرتھی راج نے مردانگی کی داد دیتے ہوئے گھوڑے سے اُتر کر زیور اُٹھا لیا۔ اس کار نمایاں کی بنا پر یہ راستہ اور پہاڑ اس نام سے منسوب ہوگیا۔ اگرچہ بعید نہیں کہ گھونگرو عرصۂ دراز کے بعد بتغیر لہجہ سے گھوگرا ہوجائے۔ جیسا کہ ناگور یعنی پرتھی راج کا طویلہ اس کے میر آخور (داروغہ اصطبل) کا بنوایا ہوا ناگور ہوگیا۔ لیکن تاریخ کی معتبر کتابوں سے واضح ہے کہ پرتھی راج اس معرکہ سے سنجوگتا کو دہلی لایا جو اس کا پایہ تخت تھا۔ اور قیاس بھی نہیں بتاتا کہ دہلی کو قریب چھوڑ کر قنوج سے اس حالت میں اجمیر کو جائے۔

مدار ڈونگر یا چلۂ مدار

پھر صاحب کے خیمہ کے قریب ایک پہاڑی تھی جس کا نام مدار ڈونگر تھا۔ پوچھا مدار ڈوگر کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا اس کا بھی نام فتوح عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ عوام کہتے ہیں کہ بدیع الدین مدار نے جس کا مزار مکن پور میں ہے۔ کچھ عرصہ یہاں پر خدا کی عبادت کی ہے۔ لیکن ان بزرگوار کا اس نواح میں آنا تاریخ سے ثابت نہیں اور ہندوؤں کی زبان

پر پہاڑ کا نام گوکلا ہے اس کی وجہ بھی میں نے نہیں سنی لیکن لوگ اس پر زیارت کے لئے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "چلہ مدار" ہے۔[1]

اجمیر کے میلے پھر دوسرے روز اجتماعات کا حال پوچھا۔

(۱) **میلہ پھکر**:- میں نے کہا کہ ایک میلہ پھکر کا کاتک کے آخر میں ہوتا ہے اس میں گھوڑے۔ اونٹ اور بیل تجارت کے لئے آتے ہیں اور پوجا کے لئے بھی آتے ہیں۔[2]

(۲) **عرس خواجہ بزرگ**:- دوسرے خواجہ صاحب کا عرس یکم رجب سے ۶ رجب تک ہے اس میں بیل پھکر کے میلہ سے زیادہ آتے ہیں۔[3]

(۳) **عرس میر سیّد حسن**:- تیسرے ۱۸ تاریخ کو عرس میر سید حسین کا بالائے قلعہ ہے۔ اس میں قرب وجوار کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور باقی لوگ خواجہ کے عرس میں بھی چلے جاتے ہیں۔[4]

---

[1] چلہ مشرقی پہاڑی پر واقع ہے اسکی اونچائی تقریباً سات سو فٹ ہے پختہ گنبد ہے اور آگے پانی کا حوض بنا ہوا ہے حوض کے آگے ایک چھتری بنی ہوئی ہے۔ ۱۸ جمادی الاول کو میاں شاہ بدیع الدین مدار کا عرس ہوتا ہے۔ مدار صاحب کا مزار مکن پور میں ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) معین الارواح ص ۳۲۵ (۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی

[2] صاحب احسن السیر لکھتے ہیں:- "یہ میلہ اکثر ملکوں میں مشہور ہے۔ ہر قسم کے بیوپاری جمع ہوتے ہیں۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ بیل مارواڑ وغیرہ کے سوداگر لاکر بیچتے ہیں اور خاص کر لوگ اس میلہ سے یہ جانور بہت خریدتے ہیں چنانچہ بیل اور اونٹ مارواڑ کا اسی میلے سے سب طرف خرید کر جاتا ہے۔"
(احسن السیر ص ۱۰۹)

[3] عرس حضرت خواجہ کی مفصل کیفیت صفحہ ۹۶ تا ۹۷ ملاحظہ ہو۔

[4] میراں سید حسین حضرت خواجہ کے زمانے میں سلطان شہاب الدین کی طرف سے متعین تھے بہت متقی پرہیزگار صوفی منش بزرگ تھے ۱۸ رجب ۶۰۷ھ کو شہید ہوئے۔ پہلے ان کا مزار خام تھا اعتبار خاں خواجہ سرائے عمارت بنوائی جنوبی کٹھڑی پر یہ اشعار کندہ ہیں:-

شاہنشہ زمانہ جہاں گیر بادشاہ — کاندر زمان او شدہ آسودہ اہل جہاں
سال دوم بعہد جلوس مبارکش — شد فتح ملک رانا ازاں شاہ کامراں
وقتیکہ اندر اجمیر آں شاہ گنج بخش — بر تخت زر نشستہ بُد از فتح شادماں
بود از ہزار فزوں بست و چہار سال — گیتی ز عدل او دادش چوں روضہ جناں

در روضۂ مقدس سید حسین کرد
این گنج دہ ز صدق و صفا اعتبار خاں

ان کی قبر کے قریب ہی راؤ بینڈ جیا نے ایک سات در کا نہایت خوش نما دالان بنوایا ہے غربی محرابات کی دیوار پر یہ کتبہ کندہ ہے:-

معدن نور منبع اسرار — ہست درگاہ شاہ فتح سوار
ساختہ دالان کہ ہست رشک بہشت — راؤ کمانے سینڈ جیا یادگار
(باقی اگلے صفحہ پر)

(۴) بیساکھی میلہ چوتھے بیساکھ کے آخر میں پھر پھکر میں میلہ ہوتا ہے۔ لیکن کاتک کے میلہ کی نسبت ہجوم کم ہوتا ہے۔

(۵) عرس بی بی حافظ جمال پانچویں، نور چشمہ باغ میں بتاریخ ۱۹ رجب کو بی بی حافظ جمال کا عرس ہوتا ہے اس میں صرف شہر کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں[۲]

(۶) میلہ کیکر چھٹا میلہ قصبۂ کیکر میں بھادوں کے مہینہ میں ہوتا ہے اس میں رام سینی فرقہ کے لوگ اطراف و جوانب سے جمع ہوتے ہیں اور جب میلہ میں غیر مرد و عورت آپس میں مل جائیں تو وہ نکاح کے مرتبہ میں سمجھا جاتا ہے اگرچہ عورت شوہر رکھتی ہو اس طریقہ کا بانی رامچرن نامی ایک فقیر تھا جس کو ابھی سو برس نہیں گزرے۔ اور وہ شاہ پور علاقہ میواڑ کا رہنے والا تھا۔

(۷) میلہ بیجناتھ ساتواں میلہ بیجناتھ کا بھادوں بدی ۱۴ کو موضع ہوکران کے قریب ہوتا ہے۔

(۸) میلہ اجے پال آٹھواں میلہ اجے پال کا بھادوں بدی ۶ کو موضع انبہ کے نزدیک ہوتا ہے۔

(۹) میلہ دیوجی نواں میلہ دیوجی کا بھادوں بدی ۷ کو موضع کھوکرا میں ہوتا ہے۔

(۱۰) میلہ ساوتری دسواں میلہ ساوتری کا پھکر میں کوہ غربی پر بتاریخ بھادوں بدی ۸ کو ہوتا ہے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ:) اختتام کی تاریخ یہ کندہ ہے:۔

کہ انجے راؤ چوں کردہ بنائے — مکانِ پر فضا بر کوہ محکم!
پے تاریخ جستم گفت ہاتف — الٰہی تا قیامت باد قائم

سید حسین رح کا عرس ہر سال ۱۶ رجب کو ہوتا ہے۔ بہت اژدہام ہوتا ہے۔

تفصیل کیلئے دیکھئے:۔ (۱) معین الارواح صفحہ ۴۱۸-۴۲۱ (۲) سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۲۰۵-۲۰۸
(۳) احسن السیر صفحہ ۱۱۳-۱۱۶ (۴) اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۲۶۵

[۲] بی بی حافظ جمال کے متعلق صفحہ ۹۹ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

جنوبیوں کے زمانہ میں ایک دیوانے نے پرانا بُت توڑ دیا چونکہ ہندو مذہب میں ٹوٹے ہوئے مجسمہ کی پرستش گناہ ہے اس لئے اس کو باہر پھینک دیا اور اسی شکل کی دوسری مورت بنا کر اس کی جگہ رکھ دی۔

ساوتری برہما کی بیوی ہے جس کو صنعت ایجاد کا مظہر جانتے ہیں۔ اس کی تصویر چار منہ رکھتی ہے جس سے اشارہ یہ ہے کہ کوئی سمت موجد سے غائب نہیں۔

(۱۱) میلہ تیجا — گیارھواں میلہ تیجا کا بھادوں بدی ۱۰ کو تالاب ملوسر کے قریب سوملبور کے رہنے میں ہوتا ہے۔ تیجا ایک گوجر تھا جو اپنی بیوی کو سسرال سے بلانے کے لئے جا رہا تھا راستہ میں اس کو سانپ نے کاٹ لیا وہ مر گیا۔ اس کی پوجا کو مرض نا رو سے محفوظ رہنے کا سبب سمجھتے ہیں۔ دور دور دیہات سے تیجی میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور پانچ چھ گوجر لاٹھی ہاتھ میں لئے ہوئے باہم سر فریب کر کے تیجا کا مرثیہ وہاں کی زبان میں پڑھتے ہیں۔

(۱۲) میلہ رام دیو — بارھواں میلہ رام دیو کا موضع دانترہ میں بھادوں بدی ۱۱ کو ہوتا ہے۔

کپتان ٹاڈ: کپتان ٹاڈ صاحب مرد ہشیار، خوش اخلاق اور صاحب تمیز تھا۔ تاریخ اور ہر جگہ کے حالات معلوم کرنے کا بے حد شوق رکھتا تھا۔ اگرچہ فارسی سے چنداں مناسبت نہیں رکھتا تھا لیکن مطلب اخذ کر لیتا تھا تمام خوبیاں رکھتا تھا۔ سیر چشم اور ملازم نواز بھی تھا۔ لیکن شیخی، خود پسندی اور خود نمائی اس کے مزاج میں بہت زیادہ تھی۔

بتاریخ ۲۰ صفر مطابق ۹ دسمبر کو ٹاڈ صاحب کوچ کر کے راجوسی تشریف لے گئے اور چھاؤنی میں نہیں گئے، تاکہ ہمراہی لوگ وہاں پر افسران فوج سے اس کے طرز ملاقات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ اس کا مرتبہ ان صاحبوں سے کم ہو۔

بتاریخ ۲۵ صفر مطابق ۱۴ دسمبر کو بندہ پر اپنے عہدہ کے علاوہ آقا کے محکمہ کی سررشتہ داری بھی بموجب حکم لازم ہو گئی کیونکہ سررشتہ دار بہاری لال بیمار ہو گیا۔

بتاریخ یکم ربیع الاول مطابق ۱۹ دسمبر لیمسڈن مدرس مدرسہ انگریزی کلکتہ اجمیر میں آیا محمد طاہر

اجمیر کے کوتوال کا قایم مقام اور بہر جنگ مسودہ اور کھیرہ کا پولدار ہوا بندہ کو لیمسڈن صاحب کی خدمت میں حاضر رہنا لازمی ہوگیا۔

منشی فیض الحسن

۴ ربیع الاول مطابق ۱۸ دسمبر کو صاحب ممدوح نیمچ میں تشریف فرما ہوئے منشی فیض الحسن نے گھر کا راستہ لیا۔ یہ شخص ذی ہوش اور صاحبِ تدبیر اور کارگزار ہے مگر نمائش اور خودسری میں گرفتار ہے۔

رام گڈھ اور کٹھری کے مہاجنوں کا اجمیر میں آنا، نئے بازار کی آبادی کی ابتدا اور وہاں کے تمام کاموں کی رونق اسی کی کوشش سے ہوئی۔ لیکن تانبے کی کان نکلوانے میں تامل نہ کیا اور بے کار سرکاری رقم کو برباد کردیا۔ اپنے مرتبہ سے زیادہ دخل در معقولات کرتے ہوئے کوہ حلم یعنی ویلڈر صاحب کے مزاج کو زلزلہ میں لاکر نوکری کی بنیاد اکھاڑ ڈالی۔

مولوی عبدالقادر کی جے پور روانگی

۱۱ ربیع الآخر ۱۲۳۵ھ مطابق ۳ فروری ۱۸۲۰ء کو ہم پرگنہ رام سر پہونچے۔ دوسرے دن آقا بھی کیکری سے وہاں رونق افروز ہوئے۔ ہم ۲۳ ربیع الآخر مطابق ۸ فروری لاپتہ علاقہ کشن گڈھ میں پہونچے۔ وہاں چندر اول نامی ایک تالاب ہے۔ جو سمت ۱۶۵ میں راج بہارل نے بنوایا ہے۔ دوسرے دن وہاں سے ہرسوائی میں، اور تیسرے دن موا باد میں اور چوتھے دن لشکر کے قریب پہونچ گئے۔ بندہ اور جگناتھ جے پور پہونچے۔ جنرل صاحب کا خط مولوی محمد صالح سرکاری اخبار نویس کے ذریعہ راول سرسال کے پاس پہونچا دیا۔ اور جگناتھ لشکر کو واپس ہوگیا۔

باب چہارم

ویلڈر صاحب کا جے پور پہنچنا

۲۸ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۸۲۰ء کو ویلڈر صاحب جے پور تشریف لے آئے اور راول جی ان کی ملاقات کے لئے آیا۔ بتاریخ ۲۹ ربیع الآخر مطابق ۱۵ فروری کو رات کے وقت آقا کے خیمہ میں چوری ہوئی۔ دوسرے دن آقا راول جی کی بازدید کے لئے تشریف لے گئے۔

بتاریخ ۲ جمادی الاول ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۸۲۰ء عمر خاں رسالدار امیر خاں کو جو پانچ سو روپیہ سرکار سے تنخواہ پاتا ہے آقا سے ملاقات کے لیئے لایا۔

مولوی ضیاء الدین جے پوری

شام کے وقت میں مولوی ضیاء الدین[1] کے مزار پر گیا جو مولانا فخر الدین[2] کے احباب میں سے تھے، ان کے اوصافِ حمیدہ سُن کر ان سے ملاقات کی آرزو تھی مگر ان کی قبر شریف کی زیارت کی۔ ان کی بنوائی ہوئی پر تکلف عمارتیں میں نے دیکھیں۔ سُنا ہے کہ انہوں نے مزار کا مکان اور سامانِ عرس شامیانہ اور فرش خود اپنے سامنے بنوا دیئے۔ میں سمجھ گیا کہ مخدوم موت کے بعد کے حال ہم جیسے ہوا و ہوس کے گرفتاروں کے برابر بھی مطلق نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ ان چیزوں میں روپیہ خاک میں نہ ملاتے۔

پس مرگ چوں تن او و زیرِ خاک   بگورم کہ گنبد بنا شد چہ باک

---

[1] مولانا ضیاء الدین نے جے پور میں نظامیہ سلسلے کی اور مذہب اسلام کی اشاعت میں بڑی کوششیں کیں حسین بخش نصری کا بیان ہے کہ ان کی کوششوں سے جے پور میں سلام وصلوٰۃ و اذان کا اجراء ہوا۔ مولانا ضیاء الدین نے جے پور میں مدرسہ ضیاء العلوم قائم کیا۔ اس مدرسہ کے کتب خانہ میں حدیث کا اچھا سرمایہ ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۲۶

(۲) واقعات اظفری (مطبوعہ مدراس)

[2] شاہ فخر الدین دہلوی ابن شاہ نظام الدین اورنگ آبادی المتوفی ۱۱۹۹ھ

دگر خود بود گنبد آسماں　　کہ نارد کسے ساختن بہ ازاں
تنم راچہ آسائش آید ازیں　　نہ رنجے رسد گر نباشد چنیں
اگر تن پس مرگ شد ریز ریز　　ویا ہمچناں ماند تا رستخیز
رواں را نہ زیں سود نے زاں زیاں　　ہمیں ست ریش کار آگہاں
کہ چوں جامۂ سودہ را بر کشم　　اگر پارہ گردد نرنجد کسم
وگر ہمچناں ماند یا خود فزود　　چو دور است از من مرا زاں چہ سود

مولوی محمد صالح خیر آبادی مولوی محمد صالح مولوی فضل امام کے بھائی ہیں جو لوگوں میں مشہور رہیں[1]۔

عمر خاں رام پوری عمر خاں رام پور کے باشندے ہیں۔ خوش خلق، سخی اور متواضع، ہمیشہ آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا ان کا دستور ہے۔ سرکاری ماہانہ تنخواہ کی وصولیابی کا چھٹا حصہ ہمیشہ پیشگی ساہوکار کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ فی الحال بجائے سو کے نوّے روپئے لے لیں اور آئندہ تنخواہ ملنے کے وقت پر قرضہ والا قبض الوصول داخل کر کے روپیہ حاصل کرلے۔ پرانے قرضخواہ چلاتے رہتے ہیں اور بنئے باوجودیکہ ان کا حال معلوم ہے پھر بھی قرض دے دیتے ہیں۔

ویلدر صاحب کے جے پور جانے کا سبب ۲ر جمادی الاوّل مطابق ۱۸ر فروری کو ولسر صاحب خواتین انگریزی کے ساتھ ہاتھیوں کی جنگ دیکھنے گیا۔ آقا (ویلدر) اور نک صاحب نہیں گئے اور خبر ملی کہ بتاریخ ۲۸ر ربیع الآخر مطابق ۱۴ر فروری کو رات کے وقت باوجودیکہ میر جلال الدین وہاں موجود تھے چوروں نے شب خون مارا اور سلامت چلے گئے۔

۳ر جمادی الاوّل مطابق ۱۹ر فروری کو راول جیو[2] آقا کے خیمہ میں آیا دوسرے دن نواب فیض اللہ بیگ خاں

---

[1] مولوی فضل امام خیرآبادی کے والد ماجد شیخ محمد ارشد نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی لکھنؤ کی تھیں ان سے احمد حسین میاں عرف فقیرا میاں اور ایک صاحبزادی رحم النساء تھیں اور دوسری بیوی خیرآباد کی تھیں جن سے مولوی فضل امام مولوی محمد صالح اور بی بی عائشہ تھیں۔ مولوی محمد صالح کی صاحبزادی بی بی نعمت اور صاحبزادے مولوی الٰہی بخش نازش خیرآبادی تھے۔ دیکھئے باغی ہندوستان صفحہ ۱۸۰۔

[2] راول بیری سال دیوان جے پور

علاقہ دار نے آغا سے ملاقات حاصل کی اور آغا کے جے پور جانے کا یہ سبب تھا کہ جے پور سے تاجر لوگ تجارت کا مال دو راستوں سے مارواڑ لے جاتے ہیں ایک راستہ میں اجمیر کا علاقہ پڑتا ہے اور دوسرے راستے میں کشن گڑھ کا علاقہ، سفر خرچ کشن گڑھ کے راستہ سے کم پڑتا ہے اور اجمیر کے راستہ سے زیادہ، اس بنا پر تاجروں نے اجمیر کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ آغا نے یہ کیفیت جنرل سر اکٹرلونی صاحب کو لکھدی وہاں سے ایک خط بنام راول اور ایک تحریر آغا کے نام پہنچی کہ وہ خود جاکر فیصلہ کریں۔ اسی تاریخ میں راول صاحب اور داتار ام کشمیری، ویلدر صاحب کے پاس آئے اور حسب منشاء سرکاری محصول میں تخفیف کا وعدہ کر لیا۔ کاغذی تحریر کو دوسرے روز پر موقوف رکھا۔ جناب خداوند نعمت (ویلدر) چونکہ صاف باطن پاک دل اور رئیسان جے پور کے عادات سے واقف نہ تھے بے حد خوش ہوئے اور روانگی کی تیاری کر دی۔ بندہ نے ہر چند عرض کیا کہ تحریر حاصل کر لینے سے پہلے سفر کا ارادہ نہ فرمائیں، فرمایا کہ تیرا مزاج تو سخت گیری کا ہے اور میں ایسا مناسب نہیں سمجھتا مجھے بہت جلد اجمیر پہنچنا ہے۔ کیونکہ رام سر میں ایسی واردات ہوگئی ہے کہ تجارت پیشہ مالدار مسافر کو نقصان پہنچ گیا ہے اور کوئی تدارک نہ ہو سکا۔ اور میر جلال الدین بر مناری اور خرابی زراعت لکھ رہا ہے اگر دیر کروں گا تو شاید مال اور . . . .[له] دونوں میں نقصان واقع ہو جائے تاجر لوگ پریشان ہو جائیں گے اور کاشتکار ذرا سے نقصان کو بہت دکھائیں گے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ جب تک جے پور سے تحریر قبضہ میں نہ آجائے راول جیو کی چرب زبانی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ مٹکاف صاحب اور اس ریاست کے مختاروں کے درمیان عہد نامہ کے وقت کی گفتگو ابھی تک جناب کو فراموش نہیں ہوئی ہوگی[له]۔

فرمایا کہ ایسی چیزوں کی کوئی یاد رکھا کرے تو کام کرنا ہی دشوار ہو جائے۔ اس وقت اول بمنزل راجہ کے ہے اپنی بات کا ضرور پاس کرے گا دوسرے دن سنگر کے وکیل نے حضور سے

له کرم خوردہ

له ۱۸۱۸ء میں سرکار انگریزی کی طرف سے مٹکاف صاحب نے ریاست جے پور سے عہد نامہ کیا تھا جس کی رو سے ریاست جے پور نے سرکار انگریزی کو خراج دینا منظور کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ راجگان ہند حصہ اول ص ۳۴۵-۳۴۶

رخصت حاصل کی۔

ویلدر صاحب کا محفلِ رقص و سرود میں شرکت کرنا

تیسرے روز راول صاحب گھاٹ باغ کی سیر کے لئے آقا کو لے گیا۔ بندہ (مولوی عبدالقادر) موہن لال اور جگن ناتھ ہمرکاب تھے وہاں پر تمام دن ناچ گانے کی مجلس رہی سوانہ کی رنڈیاں جو اس ملک میں گانے میں سب سے بہترین عمدہ سرود ادا کر رہی تھیں۔

اس کے بعد مکنو خاں پسر جگنو خاں قوال جو پچیس روپیہ تنخواہ کے علاوہ جاگیری گاؤں رکھتا تھا۔ لیکن کسی ہندوستانی امیر کے پاس اس نے آداب نہیں سیکھے تھے تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے آ بیٹھا اس کی رفتار و گفتار سے زرمستی کے ساتھ سرمستی ظاہر تھی۔ راول جی کی دوبارہ فرمائش سے شیخ علی حزیں کی غزل

ع طرۂ ناز را دوتا کرد کہ کرد یار کرد

ایسے طرز سے پڑھی جو عرب۔ فارس۔ یورپ اور ہندوستان کے طرز نغمہ کے خلاف تھا اگر وہ جلدی معافی نہ مانگتا تو نازک دماغوں کو مثل آقا کے دردسر کا سبب بن جاتا۔

غزالاں ببند او فتند از سرود شتر می رود رہ بداں زود زود
بداں کار رنداں کنند پارسا زند دست بر دست و خیزد بپا
گہے ہائے ہو ہمچو مستاں کند گہے خندہ چوں مے پرستاں کند
چو بدمست گاہے بیفتد برو چو دیوانہ گہہ بنگرد چار سو
گہے رقصد و گاہ غلطد بخاک چو ماتم زدہ گہ کند جامہ چاک
سرودش چناں بود کز وے سگاں پے ہم رسیدند عو عو کناں
ہم آواز وے گرچہ شد زاغ بلغ مگر کو بہتی گرد آواز زاغ
دگر گاو خرد اشت انداز او کجا بود تحریر ناساز او
دریں عہد در نغمہ چنداں اثر نیا بد کسے باز جائے دگر

اس کے بعد جلترنگ کا ساز آیا وہ بھی کھلونے سے زیادہ نہ تھا اس کی صورت یہ ہے کہ چینی کے ۲۱ پیالے یا شیشے کے گلاسوں میں جو چھوٹے بڑے موٹے پتلے مختلف طرح کے ہوں منٹک سُر ڈالتے ہیں

اور جلدی جلدی پیالوں پر لکڑی مارتے ہوئے مطلوب راگ کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ بندہ کے خیال میں آیا کہ اس ساز میں بھی گوری کی طرح ہر ایک راگ کے نکالنے کی آسانی سے گنجائش نہیں۔ دوسرے دن وہ گویا آقا کے درِ دولت پر آیا، غروبِ آفتاب کا وقت تھا میں نے گوری کی فرمائش کی وقت کا عذر تو کر نہ سکا کہنے لگا دشوار ہے اور ادا نہ کیا۔

ولیدر صاحب کا ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنا اور راجہ جے پور کے مکانات کی سیر کرنا

بتاریخ ۹ جمادی الاول مطابق ۲۴ فروری کو راول جیو کی خواہش اور راجہ کی والدہ صاحبہ کے ایما پر آقا معہ ساتھیوں کے ہاتھیوں کی جنگ اور راجہ کے مکانات دیکھنے کے لیے گیا۔ ہاتھی لڑے ایک بھاگا، سانٹھ ماروں نے ہر طرف سے سانٹھ مار کر ہاتھی کو بھاگنے سے روک لیا اور فیلبان ان کو رسّوں میں باندھ کر لے گئے اس واقعہ میں شاید دو گھنٹے سے زیادہ دیر نہ لگی ہوگی۔ بندہ کی نظر میں بہ نسبت جنگِ فیل کے سانٹھ ماروں کی چالاکی بے حد خوشنما معلوم ہوئی۔ اس کے بعد آقا اُٹھے اور مکانوں کی سیر شروع ہوئی۔ لیکن چونکہ میں نے اپنے آقا کا مزاج ان کے ساتھ رہنے سہنے کے زمانہ میں سوائے سرکاری کام کے کسی چیز سے مانوس نہیں دیکھا تھا وہ جو کچھ کرتا تھا اپنی قوم یا ہندوستانی امراء کی خاطر کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ سیر بہت جلد انجام کو پہونچ جائے۔ یہ سیر بھی بھیڑیا دَوڑ رہی کہ ایک مکان کو بھی ہم اچھی طرح نہ دیکھ سکے گویا فرض ادا کر کے بیٹھ رہے لیکن کوئی مکان ایسا نہیں رہا جس میں ہمارا گزر نہ ہوا ہو صرف رصدخانہ[1] نہ دیکھ سکے۔ اگرچہ اس کے دیکھنے کا مجھے بیحد اشتیاق تھا اسی وجہ سے میں نے آہستہ سے وہاں کے دیکھنے کا ذکر کیا تو آقا نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا اور سوار ہو کر خیمہ میں آگیا، بندہ راول جیو کے ہمراہ تحریر

---

[1] سوائی جے سنگھ راجہ جے پور (ف ۱۱۵۶ھ) علم نجوم سے دلچسپی رکھتا تھا محمد شاہ بادشاہ نے زیجِ نجوم کی اصلاح کا کام جے سنگھ کو تفویض کیا تھا۔ ابتدا میں اس نے الغ بیگ سمرقندی کے آلات کا استعمال کیا تھا مگر ان سے اس کی کار براری نہ ہو سکی مختلف مقامات کے مناظروں سے سات برس میں اس نے نقشہ حرکات اجرام فلکی مرتب کرایا اور اس کا زیج محمد شاہی نام رکھا اس کے ذریعہ سے اب تک علم نجوم کے کل حساب اور ترتیب بہتر ہوتی ہے۔ مرزا خیر اللہ بیگ کے ذریعہ سے جو علم ریاضی کا بہترین عالم تھا مقامات اجین جے پور اور دہلی میں بیس بیس لاکھ روپے کے خرچے سے اجرام فلکی کے مشاہدے کے واسطے رصدگاہیں بنوا کر ان کو زیج محمد شاہی کے نام سے موسوم کیا چونکہ عمل رصد کی تکمیل کے واسطے تیس سال کی مدت درکار ہے جو تمام دورہ زحل کی مدت ہے مگر جے سنگھ اس سے پہلے ہی مرگیا اس لئے اس کا یہ عظیم الشان کام ناتمام رہ گیا۔

ملاحظہ ہو تاریخ رابگان ہند حصہ اول صفحہ ۳۳۶ — ۳۳۰

موعود کے لئے چلا گیا وہاں پہنچکر جواب ملا آج وقت نہیں رہا کل کو جو توارہ باغ کے مقام پر تحریر پہونچ جائیگی۔
جب میں نے واپس آکر جواب پہونچایا تو آغا کو ناال ہوا کہ دیکھا جائے کل کیا ہوتا ہی۔

ویلدر صاحب کا چیتوں کے شکار کیلئے جانا

دوسرے دن ۱۰ ر جمادی الاول مطابق ۵ ۲ ر فروری کو جو توارہ باغ میں مقام ہوا دن نکلتے ہی خود بدولت (ویلدر) سیر اور چیتے کے شکار کے لئے تشریف لے گئے اس سے بدتر کوئی شکار نہیں کہ اہتمام تو بہت اور سیر کم پہلے تو یہ چاہیئے کہ کوئی سفید پوش ہمراہ نہ ہو اور سواری بیل گاڑی کی ہو جس کو لہڑو کہتے ہیں اور چیتوں کو آہستہ آہستہ لے جاتے ہیں اور جہاں ہرن چگتے ہوں چیتے کی آنکھ کھول دیتے ہیں پہلے چیتا آہستہ آہستہ جاتا ہے پھر جست کرکے ہرن کو پکڑ لیتا ہے کبھی خطا نہیں کرتا اور کبھی جست نہیں کرتا اور اگر خطا کر جائے تو رنجیدہ اور غضبناک ہوجاتا ہے اس کو دلاسا دے کر کٹھرے میں لے آتے ہیں۔ وہاں پر چار چیتے چھوڑے گئے۔ تین نے خطا کی ایک نے شکار کر لیا۔ حالانکہ ہرن صحرائی نہ تھے بلکہ شکار گاہ کے پرورش یافتہ تھے۔

مولوی عبدالقادر کی حاضر جوابی

جب گرمی کا وقت ہوا تو میں نے عرض کیا کہ شکار تو اسی طرح ہے مگر جناب کی موروثی بیماری دردِ سر کا اندیشہ ہے فوراً واپسی فرمائیں۔ فرمایا کہ راول سے کہو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ راول نے کہا کیا انگریزی سرکار کے اُمرا چیتے کے شکار کا شوق نہیں رکھتے؟

میں نے کہا ہاں رکھتے ہیں، لیکن اگر چیتا ایسی نمک حرامی کرے کہ خود خطا وار ہوجائے اور مالک معذرت چاہے تو اُس کو مار ڈالتے ہیں ورنہ لوگوں میں نافرمانی کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ راول ہنسا اور فوجورام، رام بیاس سے جو راجہ جودھپور کی لڑکی کے کارخانہ کا مختار تھا کہا کہ مرد حاضر جواب ہی۔

راول اور آغا (ویلدر) مع خدم وحشم واپس آگئے۔ میں نے تحریر مانگی داتا رام نے آکر کہا کہ ابھی شہر سے نہیں آئی ہی، سواری گئی ہوئی ہے۔ اسی وقت راول جیو نے ایک اور شتر سوار روانہ کیا ہے ان ہی مشغلوں میں دن ختم ہونے لگا۔

محفلِ رقص کا انعقاد

شام کے وقت مجلسِ رقص شروع ہوئی۔ آغا اور راول دونوں برابر بیٹھے۔ دوسرے لوگ حسب مرتبہ مناسب جگہوں پر بیٹھے۔ چونکہ جناب خداوند نعمت اور راول کا

مخاطب بھی یہ یا وہ گو (مولوی عبد القادر) تھا مجبوراً دونوں کے پیچھے بہت قریب بیٹھا اور جس خوبی کی گورتی میں نے وہاں سُنی اب تک ایسی نہیں سنی تھی۔ ناچ بھی ایک کیفیت رکھتا تھا اس کے بعد آقا اور راول اس بزم سے اُٹھ کر بالاخانہ پر چلے گئے۔

دیلر صاحب کا اہلکاران ریاست سے کبیدہ خاطر ہونا!

وہ تحریر جب آئی تو وعدہ کے مطابق نہ تھی آقا نے مجھے طلب کیا جب میں پہونچا بے مزہ گفتگو میرے کان میں پڑی۔ میں نے کہا اس وقت رخصت کا تذکرہ بہتر ہے معاملہ کی گفتگو تحریر کے ذریعہ طے کی جائے۔ راول کو میں نے عطر اور پان کا اشارہ کیا لیکن بُردبار کو جب غصہ آجاتا ہے تو کوئی شے ایسی نہیں جو اسے ٹھنڈا کرے۔ آقا فوراً اُٹھ کر چل دیئے۔ راول نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور شرمندہ ہوا کہ ایسے مہمان عزیز کا راجپوتانہ کے رئیسوں سے رنجیدہ ہو کر جانا بہت گراں ہے۔ اور ایک شخص کو بھیجا کہ اگر صاحب ذرا خیمہ میں ٹھہریں تو میں پیدل چل کر معذرت کروں اور جو کچھ فرمائیں منظور کروں معاملہ کی گفتگو اور چیز ہے اور دلجوئی اور،

ناگہاں آقا کے چوبدار نے بندہ کو حکم پہونچایا کہ آقا سوار ہو گئے اور تمہیں حکم ہے کہ بہت جلد آؤ۔ میں نے کہا بہتر۔ اور راول نے بندہ سے کہا کہ صاحب کی خدمت میں گذارش کر دینا کہ ہم لوگ دیہاتی ہیں اگر ہم سے کوئی بیجا بات ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں اور دونوں سرکاروں کے معاملہ میں مجھے خارج سمجھتے ہوں تو میں مختاری سے کنارہ کشی اختیار کر لوں گا۔ میں نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ میرا آقا خوب سمجھتا ہے کہ یہ بگاڑ کھاتہ، محرران ریاست کا کام ہے۔ مہاراجہ بچہ ہیں[1] اور ماجی صاحبہ پردہ نشین آںصاحب کی تکرار بھی اس بنا پر تھی کہ لوگ خواہ مخواہ ماجی صاحبہ سے یہ نہ کہدیں کہ راول جی انگریز سے مل گیا اور آقا بھی جناب سے ناراض نہیں ہوا بلکہ اس ریاست کے متوسلین سے اپنی رنجیدگی ظاہر کی تاکہ آںصاحب کو اس گروہ میں شامل ظاہر کر دے اس کے بعد میں اُٹھا اور اس نے میرے ساتھ دو سوار کر دیئے۔ آدھی رات کے قریب لشکر میں پہونچا یہ لشکر گروتہ تک تھا پہنچا۔ آقا نے حال پوچھا۔ جو کچھ ہوا میں نے کہدیا اور قصور کی معافی چاہتے ہوئے عرض کیا کہ جنابعالی اتنی جلدی تشریف لے آنا میں نہیں

---

[1] راجہ جے سنگھ دوم مراد ہیں۔

سمجھ سکا کیوں ہوا فوج کی روانگی میں عجلت کی تدبیر مناسب نہ تھی۔ فرمایا اب اس سے کیا فائدہ اُس وقت کیوں منع نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا بندہ سے قصور ہوا۔ لیکن یہ بے ڈھنگا واقعہ اخباروں میں لکھا جائے گا کہ آقا نے ایک طرف اپنا ہاتھ کھینچا اور نوکر نے دوسری طرف اور یقین ہے کہ صبح تک کوئی نہیں پہونچے گا۔

رائے کیدار ناتھ کا معاملہ کو سلجھانا

دوسرے دن رائے کیدار ناتھ آئے اور معذرت کی لیکن وہ شخص ہر چند اس ریاست میں موروثی اعزاز رکھتا تھا مگر اس زمانہ کے خاندانی معززوں کی طرح بے حد سادہ تھا کہ معاملہ کی کچھ خبر نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بعد راجہ کی والدہ کی طرف سے باغبان ڈالی لایا۔ فوجورام کی تحریر اس طرف کے مقصد کی قبولیت کی بندہ کے نام پہنچی۔ دوسرے دن رائے مذکور راول کے نام خط کا طالب ہوا۔ نوشتہ اس کے سپرد کیا گیا اور اس نے جے پور کا راستہ لیا۔ بندہ نے فوجورام کے خط کا جواب لکھا کہ معتمدان ریاست میں سے کسی کو جس قدر جلد بھیجدیں تو بہت مناسب ہوگا کہ یہ معاملہ طے ہوجائے اور اس خط کے مضمون کو خداوند نعمت نے جنرل صاحب کے انگریزی خط میں درج فرمایا کہ جے پور کے اہلکار مطلب کو سمجھ گئے اور منظور کرلیا لیکن اصرار باقی ہے۔

۱۴ر جمادی الاول مطابق ۲۹ر فروری کو بگروکے مقام پر رائے کیدار ناتھ کا خط بنام بندہ پہنچا میں سمجھا مقصد یہ ہے کہ صاحب اس لیت ولعل سے خوش دل ہوجائیں جو نوشتہ کے تقاضے کے وقت مختار ریاست اور مختار سرکار کمپنی میں بیکار ہوئی ہے۔ میں نے لکھا کہ آئندہ معاملہ کے متعلق تحریر صاحب کے پاس بھیجیں۔

یادداشت سال کبیسہ

اسی دن جگناتھ موہن لال نے پوچھا کہ امسال چونکہ فروری ۲۹ر دن کا ہے چوتھے سال کے لئے ایک یادداشت رہنی چاہیئے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ اس قدر کافی ہے کہ جو عیسوی سن چار پر برابر بلا کسر تقسیم ہوجائے اس سال میں ماہ مذکور ۲۹ دن کا ہوگا ورنہ ۲۸ دن کا۔

۲۰ر جمادی الاول مطابق ۶ر مارچ کو ہم رام سر میں پہنچے۔

حالات جے پور

تیال خاں جمعدار پولیس اور جواہر رام محرر شبخونی کے تدارک میں غفلت کے جرم میں قید ہوگئے۔ اور میر جلال الدین پولس والہ پر زبانی عتاب ہوا۔ ۲۲ جمادی الاول مطابق ۸ مارچ ہم اجمیر پہونچے۔ دوسرے روز دانا رام وکیل جے پور آیا۔ اب جے پور کے مختصر حالات لکھتا ہوں۔۔

جے پور کے کچھواہہ راجپوت

جے پور میں کچھواہہ راجپوتوں کی ریاست ہے یہ لوگ اپنے کو راجہ رام چندر پسر راجہ جسرت کی جن کی ہندو لوگ پوجا کرتے ہیں اولاد میں سمجھتے ہیں[۱] اور اس کے لڑکے کشّ سے نسبت کرتے ہیں اور یہ بھی قوم چارن کی کتاب کے بموجب ہے کہ تعریفوں اور بڑائیوں میں حد سے گزر جانا ان کا کارنمایاں ہے۔ اور ہندو قوم کے پاستانی ناموں کی راجاؤں کی بنساولی سے مقابلہ کریں تو بے حد فرق نکلے گا۔ مثلاً کچھواہہ اور راٹھور دونوں اپنے کو رامچندر تک پہونچاتے ہیں حالانکہ رام چندر سورج بنسی تھے اور بھاگوت کے بارھویں اسکندہ میں یوں لکھا ہے کہ اس قوم کی حکومت نہیں رہے گی اور دوسری قوم میں جس کا نام بھی لکھا ہے مگر اس وقت میرے خیال میں نہیں رہا، چلی جائے گی۔ مگر اس قوم میں ریاست باقی ہے۔ اس کے بعد پڑ در پڑ دوسری قوموں کا شمار کرتا ہے یہاں تک کہتا ہے کہ سنبھل[۲] میں ایک برہمن کے گھر میں کلنکی اوتار ظاہر ہوگا جو تمام راجاؤں کو قتل اور زخمی کر دے گا۔ اور سورج بنسی اور چندر بنسی قوم کے ایک راجہ کو جو برف کے پہاڑ میں جس کو ہمالیہ کہتے ہیں خدا کی عبادت میں بیٹھا ہوگا اٹھا لائے گا اور روے زمین کی حکومت اس کے حوالہ کر دے گا اور بھلائی اور سچائی اور انصاف کا زمانہ واپس آجائے گا اور ست جگ شروع ہوگا۔ اور قوم بھاٹی کہ راجہ جیسلمیر اسی گروہ کا ہے کرشن پسر باسدیو اور دیوکی کی اولاد ہیں (جو نند وجودھا کا پرورش کردہ اور اگر سین راجہ متھرا کا نواسہ تھا) اپنے کو مشہور کیا۔ مہابھارت اور بھاگوت میں صاف تحریر ہے کہ حکومت کا قشقہ جادوں بنسی میں جائز نہیں چنانچہ کرشن کو بھی نصیب نہ ہوا۔

خصائص کچھواہہ راجپوت

یہ لوگ یعنی کچھواہہ نسبت راٹھور کے زمانہ سازی اور روبہ بازی خوب جانتے ہیں سب سے پہلے بے جبر و تشدد اکبر بادشاہ کو لڑکی انہی ریاست سے پہنچی[۳]۔ اس کے بعد اودے سنگھ راجہ مارواڑ نے شاہی زور سے اپنی لڑکی شاہزادہ

---

[۱] حکیم نجم الغنی رام پوری نے تاریخ راجگان ہند جلد اول میں کچھواہہ راجپوتوں کی وجہ تسمیہ کے متعلق جتنی دلچسپ باتیں مشہور ہیں ان سب کو یکجا نقل کر دیا ہے ملاحظہ ہو تاریخ راجگان ہند جلد اول صفحہ ۲۷۰-۲۸۰

[۲] سنبھل ضلع مراد آباد یو۔ پی (انڈیا)

[۳] راجہ بھارامل کی طرف اشارہ ہے جس کی لڑکی شنتلی یا جبار انی سب سے پہلے بیگمات اکبری میں داخل ہوئی۔ عارف النساء بیگم خطاب ملا۔

جہانگیر پسر اکبر کو دیٰ [51] اور دارا شکوہ سے بگاڑ کر پہلے یہ لوگ اورنگ زیب سے ملے اور پھر جسونت سنگھ راجہ مارواڑ سے اور جلدی کا وعدہ کرنا اور پورا کرنے میں دیر لگانا اس گروہ کی گھٹی میں پڑا ہے تعمیر کا سلیقہ ان سے بہتر دوسرے راجہ کم رکھتے ہیں۔ چونکہ شہر پرانا ہے قدیم عمارتوں میں آمیزش ہے۔ سوائی جے سنگھ محمد شاہی کا نو ساختہ جے پور اس دعوے کا شاہد ہے۔ جے پور کی شاہراہ کی وسعت اور خوش وضعی اور عمارتوں کی بہترین تقسیم ایسی ہے کہ اس کی نظیر میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

کچھواہہ۔ بلند ہمتی۔ سیر چشمی۔ مسافر نوازی اور بڑے خاندانوں کے ادب کا لحاظ رکھتے ہیں اور اس طرح راجپوتانہ کے دوسرے رئیسوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

راول جے پور کا دہلی کو خراجِ عقیدت پیش کرنا

ایک دن ولیدر صاحب نے راول جیو سے کہا کہ مہربان نے شاہجہاں آباد دیکھا ہے، جے پور بڑا ہے یا شاہجہاں آباد۔ ہاتھ جوڑ کر اور دہلی کی طرف رخ کر کے کہا کہ جے پور اس شہر کا گاؤں ہے۔ اس کی ترقی وہیں کا عطیہ ہے۔

چند تاریخی واقعات

امن اور خوف کی حالت میں استقامت اور پائداری جو راجپوت قوم کا خاصہ ہے گھسیرے سے راجہ تک تمام ہم چشموں کی برابر ہے اور غالباً حیلہ حوالہ کی عادت اس لئے لے لی کہ ان کے رہنے سہنے کی جگہ ہند اور دکھنی لشکر کے سرِ راہ واقع ہوئی ہے لامحالہ دلداری سے زندگی بسر کرنا لازمی ہو گیا، یہی سبب ان لوگوں اور جودھپور اور اودے پور میں سرکشی کی قلت و کثرت کا ہے اور ہمارے زمانہ میں جو مہاراجہ پرتاب سنگھ کی وزیر علی خاں کو کرنیل کونسس بہادر کے حوالہ کرنے پر تعریفیں کرتے ہیں اس ہنگامہ میں اس کی بیچارگی پر نظر کرتے ہوئے تھیں [52] کیونکہ دکن کی فوج اس کے بھائی

---

[51] موٹہ راجہ جودھپوری کی بیٹی تھی جس کے بطن سے شہاب الدین شاہجہاں صاحبقران ثانی پیدا ہوا۔ دیکھئے ذخیرۃ الخوانین جلد اول از فرید بھکری مرتبہ ڈاکٹر معین الحق (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء)

[52] آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے ایک غریب لڑکے کو فرزندی میں لیا اور وزیر علی خاں نام رکھا۔ یہ لڑکا نہایت ذہین اور خوبصورت تھا۔ نواب آصف الدولہ کے بعد سربرآرائے حکومت ہوا۔ نواب سعادت علی خاں، آصف الدولہ کے بھائی نے اعتراض کیا۔ اس کے تصفیہ کیلئے گورنر جنرل سرجان شور لکھنؤ آئے اور وزیر علی خاں کو معزول کر دیا اسکا بنارس میں رہنا طے ہوا وہاں اس نے انگریزوں سے بدلہ لینا چاہا اور انگریزوں کی حکومت کے خلاف ایک محاذ بنایا۔ اطراف و نواح کے زمینداروں، رئیسوں اور دیگر اخیار حضرات سے نامہ و پیام کیا۔ انگریزی ریزیڈنٹ اور دوسرے انگریزوں کو مار ڈالا اور انگریزی فوج سے مقابلہ کیا آخر میں راہ فرار اختیار کی۔ جے پور کے راجہ نے دھوکہ سے وزیر علی خاں کو انگریزوں کے قبضہ میں پہنچا دیا جس سے جے پور کے راجہ کی سخت بدنامی ہوئی یہ ۱۷۹۹ء کا واقعہ ہے کی طرف اشارہ ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) تاریخ اودھ نجم الغنی حصہ سوم ص ۳۷۳-۳۸۵ (۲) وزیر نامہ محمد امیر علی خاں ص ۴۹-۵۱ (۳) قیصر التواریخ جلد اول ص ۱۳۹-۱۴۳ (۴) تاریخ مہاراجگان ہند جلد اول ص ۳۲۵

مان سنگھ کو اپنی حمایت میں لے کر چاہتی تھی کہ مسند پر بٹھادے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ بمقام ننگہ جنوبیوں کے ساتھ اس کی سخت لڑائی ہوئی لیکن اس وقت سب راٹھور بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور جنوبی لشکر فرار ہو گیا ہمیشہ ان سے امداد کی اُمید نہ تھی اور انگریزوں کی مشرق و مغرب کی لڑائیوں میں پائداری اور قاسم علی خاں۔ شجاع الدولہ۔ حافظ رحمت خاں اور ٹیپو سلطان میں سے کسی کا عہدہ برا ہونا زبانوں پر تھا۔ اور ہر وقت ہر کسی سے تلوار پر ہاتھ لے جانا مناسب نہیں ہوتا۔ جب تک زمانہ موافق رہے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ پرسرام نے باوجود اس مردانگی کے جو رکھتا تھا جب رام چندر کو کمان توڑنے پر اپنے سے زیادہ طاقت ور دیکھا تو اس کی مدح و ثنا کرنے لگا اور حکومت سے کنارہ کشی کر لی اور کرشن کالو کے بالمقابل ہو کر بے لڑے بہشت دکھا کر بھاگا اور اپنا کپڑا ایک سوتے ہوئے پر ڈال کر ایک غار میں جا چھپا۔ کاب صاحب کے زمانے میں اودے پور میں راجہ کو امان دینے والا جس کو سرتہ کہتے ہیں کوئی نہ رہا اور کوئی دم نہ مار سکا۔ آصف الدولہ نے جھاؤ لال کے سپرد کرنے میں کوئی عذر نہ کیا۔ شاہ عالم نجف خاں کو عبدالاحد خاں کے گرفتار کرنے سے روک نہ سکا۔[1]

جے پور میں علوم و فنون کی ترقی

اس شہر میں ہندوؤں کے علوم کا بے حد چرچا ہے سردار لوگ فن اصطرلاب ہندسہ اور ستاروں کی حرکات کے حساب میں مہارت رکھتے ہیں اور سوائی جے سنگھ کو علم ہیئت کا بے انتہا شوق ہے۔ جے پور کا رصد خانہ درست حالت میں اور دہلی کا شکستہ حالت میں یادگاروں میں سے ہیں۔ پرتاب سنگھ فن موسیقی اور ہندی زبان کی شاعری میں نام آور ہے اور اس فن میں اس کے کمال کی دلیل تال ساگر ہے۔

راجہ جگت سنگھ والی جے پور کی موت میں ناظر ریاست کا ہاتھ

راجہ جگت سنگھ جوانوں کا سا مزاج رکھتا تھا اپنی تمام ریاست مع تمام سامان جلوس اور سواری اور ذی مرتبہ سرداروں کے رس کپور رنڈی کو بخش دی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس سے چھین لی اور اس کو قید کر دیا پھر چھوڑ دیا اور ہم بستر رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے خود کو اس کے ساتھ آگ میں جلا دیا اور اس کی موت کو لوگ ناظر کی طرف منسوب

---

[1] مولوی عبدالقادر مصنف کتاب ہذا انگریزی حکومت کے ملازم اور وفادار ہیں وہ اس قسم کی مثالیں پیش کر کے جے پور کے راجہ کی بدعہدی کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس نے وزیر علی خاں سے بدعہدی کر کے اس کو انگریزوں کے سپرد کر دیا تو اس میں اس وقت کی مصلحت کو دخل تھا۔

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ناظر نے اپنی خود مختاری کو مستحکم پا لیا اور سمجھ لیا کہ راجہ معزول نہیں کر سکتا۔ پہلے راجہ کی تیز مزاجی سے خوف زدہ تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی روز برہم ہو کر معزول کرنے کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھتے ہوئے کسی حیلہ سے مروا ڈالے، اسی لئے راجہ کو زہر دے کر مار ڈالا تاکہ بچہ کو اس کی جگہ بٹھا کر خود ریاست کرنے لگے یہ شبہ اس لئے اور بھی قوی ہے کہ راجہ کو کوئی مرض لاحق نہیں ہوا نہ کسی پرانے مرض کی زیادتی دو تین روز پہلے سنی گئی۔ اور یہ حادثہ ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء کو شاید ماہ فروری میں واقع ہوا[۱]۔

والیٔ جے پور کی مسند نشینی پر جھگڑا

اور ناظر مان سنگھ کو برادری کے اتفاق بغیر کہ راجہ کا لڑکا نہ رہنے کی صورت میں ضروری ہے مسند پر بٹھا دیا۔ اور لارڈ ہیسٹنگ بہادر کی جانب سے صاحب رزیڈنٹ سر ڈیوڈ آکٹر لونی کا تسلی آمیز تحریری لفافہ بھی روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد چونکہ راجہ کے گھر میں نصیبہ کی یاوری سے لڑکا پیدا ہوا تو ان لوگوں نے چاہا کہ مان سنگھ کا نام راج سے نکال کر اور اسی بچہ کا نام سوائی جے سنگھ رکھ کر راجہ کا خطاب دیں۔ مگر ناظر اس کے لئے تیار نہ تھا۔ جنرل صاحب ناظر اور مان سنگھ کی امداد کے لئے دہلی سے جے پور پہنچے اور نصیر آباد سے سرکاری فوج نے حرکت کی پھر ان لوگوں نے ناظر کو نکال دیا اور مان سنگھ کو علیحدہ بٹھا دیا[۲]۔ ابھی تک کسی کو پتہ نہیں کہ جنگی سامان کے ساتھ فوج کیوں روانہ ہوئی اور کیا مقصد حاصل کر کے واپس ہوئی غالباً ایسی ہی باریک بینی کی بنا پر کہ کسی کا وہم بھی وہاں تک نہیں پہونچتا۔ جنرل بہادر نے علاوہ رزیڈنسی راجپوتانہ کے مالوہ کی رزیڈنسی[۳] بھی حاصل کر لی

۱۔ ۲۱ر دسمبر ۱۸۱۸ء کو راجہ جگت سنگھ فوت ہوا یہ عیاش راجہ تھا اس کے زمانہ میں ریاست کو سخت نقصان ہوا خزانہ بُری طرح پامال ہوا تجارت برباد ہوا۔ دیکھئے تاریخ مہاراجگان ہند جلد اول صفحہ ۳۲۵

۲۔ حکیم نجم الغنی لکھتے ہیں:۔

"راجہ جگت سنگھ لاولد تھا مسند نشینی کے واسطے کسی کو گود لینا ضروری ہوا اور یک جدیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو بلا اعتراض راجہ ہو سکے اس واسطے بعض لوگوں نے زور کے بجائے ہوئے راجہ موہن سنگھ کچھواہہ کو جس کا علاقہ سیندھیا نے چھین لیا تھا گدی پر بٹھا دیا لیکن وہ رانیوں اور بڑے سرداروں کی ناراضگی کے سبب علیحدہ کر دیا گیا اور ایک بھٹیانی رانی کے آٹھ مہینے کا حمل تصدیق کئے جانے کے بعد ۲۵ اپریل ۱۸۱۹ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا جو جے سنگھ سوم کے نام سے جے پور کے راج کا مالک ہوا۔ ملاحظہ ہو تاریخ راجگان ہند جلد اول صفحہ ۳۲۶

۳۔ سر ڈیوڈ آکٹر لونی ریزیڈنٹ راجپوتانہ پر تعریض ہے۔

ریاست جے پور کا دستور العمل

جے پور کا ملک تمام آباد اور آب ریز ہے لیکن وہاں دستور ہے کہ ریاست کے مختار لوگ اپنے میل جول کے لوگوں کو ٹھیکہ دیتے ہیں۔ اور در پردہ خود شریک رہتے ہیں جس میں تخفیف کا فائدہ کارگزاروں کو ہوتا ہے اور عتاب کے وقت ضبط اور قرقی سے راجہ کی سرکار کو نقصان پہونچتا ہے۔ یہاں کے سواروں کی شرح فی گھوڑا پانسو روپے سالانہ کی معمولی ہے لیکن نقد نہیں بلکہ زمین، اسی سبب سے یہاں کے سردار بہت آسودہ ہیں اور اس سرکار میں ملک اور مال کا کام راجپوتوں کو بھی دیتے ہیں جودھ پور میں نہیں دیتے۔ نیز عموماً برہمن کی تعظیم دونوں ہاتھ جوڑ کر کرتے ہیں اور جودھپور میں بجے سنگھ کے زمانے سے برہمنوں کے لئے سرکاری توسل نہیں رہا البتہ راجہ کی جانب سے عزت افزائی کی جاتی ہے۔ نیز یہاں کا راجہ اپنے ہم عقائد حضرات کے ساتھ پرستش کرتا ہے۔ اور جودھ پور میں راجہ مان سنگھ نے جلندر ناتھ جوگی کے طریقہ کو رونق دی ہے اور جوگی لوگ ہندوؤں کے مندروں میں نہیں جاتے نہ ان کے معبودوں کو پوجتے ہیں۔ ان لوگوں کی عبادتگاہوں میں جلندر ناتھ کے دونوں پیروں کے نقش قدم ہوتے ہیں ان ہی کی پوجا کرتے ہیں اور اپنے مردہ کو جلاتے نہیں بلکہ زمین میں دفن کرتے ہیں راجہ کی برادری اور قوم بلکہ زن و فرزند سے ناموافقت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے اور جے پور کے عہدناموں میں اتنا اور زیادہ ہے کہ جس وقت علاقہ کی آمدنی چالیس لاکھ سے بڑھ جائے تو چالیس لاکھ میں آٹھ لاکھ اور اضافہ میں فی روپیہ چھ آنے سرکار انگریزی کا حق ہے۔ اس شرط کی بنا پر سرکار کو ٹھیکہ اور عطائے جاگیر اور دیگر امور متعلقہ مال کی تجویز میں دخل اندازی کا حق ہے۔

راجہ کشن گڑھ کا ویلڈر صاحب سے ملاقات کرنا

۱۱ رجب ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۸۲۰ء کو کلیان سنگھ راجہ کشن گڑھ اجمیر میں دولتخانہ باغ میں آیا۔ آقا ۱۳ رجب مطابق ۱۸ اپریل کو اسے دیکھنے گیا۔ ۱۵ ماہ مذکور مطابق ۱۹ ماہ انگریزی کو راجہ کشن گڑھ آقا سے رخصت ہو کر کشن گڑھ پہونچا اور ۱۸ رجب سے ۲۵ رجب مطابق ۲۹ اپریل روزانہ روبکار جاری رہے۔

اجمیر کے چند واقعات

۲۶ رجب ۱۲۳۵ھ مطابق یکم مئی ۱۸۲۰ء کو درگاہ کا بند حجرہ خادموں کے مجمع میں کھولا گیا اور دو روز بعد مٹی میں سے چاندی نکالی گئی جس کو وزن کرکے خادموں کے سپرد

کر دیا۔

۱۳ شعبان ۱۲۳۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۸۲۰ء کو راجہ جودھپور اکھے چند مہتہ دلیش نے دیوان اور مہتہ کرن قلعدار اور منشی جوتشی اور رام بیاس اور بہاری داس اور جیب ل منشی کو مروا دیا جس کی ۱۰ ماہ مذکور مطابق ۳۱ مئی کو اجمیر میں خبر پہونچی۔

۲۶ رمضان مطابق ۲۸ جون کو خبر ملی کہ راجہ گوپال داس نے بیجولی کو قید کر دیا۔

۲۲ رمضان مطابق ۴ جولائی کو روپن داس رانا، ظالم سنگھ مختار کوٹہ کے بڑے لڑکے کو باندی کی گود میں سے چھین کر کوٹہ سے بھاگ کر اجمیر آ گیا اور تیسرے دن بھکر چلا گیا۔

۵ شوال مطابق ۱۰ جولائی کو خواجہ عثمان ہرونی کے عرس کی رات میں راجہ جے پور کی قید سے فتیح چند بھنڈاری کی رہائی کی خبر ملی۔

۳ ذی قعدہ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۸۲۰ء کو بندہ اور بہاری لال سرحد دورائے، سول پورہ اور دوماہ کے فیصلے کے لئے گئے۔ ثالثوں پر فیصلہ ٹھہرا۔ یہ ظاہر ہے کہ ثالثوں نے دو مارہ پر ظلم کیا۔

۳۰ ذی قعدہ مطابق ۹ ستمبر کو بندہ علاقہ درگاہ کی گاؤ شماری کو گیا اور ۶ ذی الحجہ مطابق ۱۵ ستمبر کو اجمیر آیا۔ دوسرے روز یہ خبر ملی کہ جودھپور میں راجہ سورج مل کے حکم سے مہتہ اور سری کشن جوتشی مار ڈالے گئے۔

مولوی عبدالقادر کا درگاہ خواجہ بزرگ کے عہدۂ امینی سے موقوف ہونا

۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۸۲۰ء کو خادموں اور پیرزادوں کی درخواست پر درگاہ کی امینی سے وہاں کے دستور کے موافق ترک ادب کے اظہار کی بنا پر بندہ موقوف ہوا۔ اور قاضی ضیاء الدین لولدار بھکر اس کام پر مامور ہوئے۔ اصلیت صرف اتنی ہے کہ میں نے پرانے قبر پوش کو جس کی چاندی ضائع ہو رہی تھی جلوا دیا۔ اور بڑے خیمہ کے بدلے جس کی تیاری میں ہر پانچ چھ سال کے بعد چار پانچ ہزار روپیہ برباد ہوتا ہے ایک عمارت کی بنیاد جس کا خرچ سات ہزار روپیہ سے زیادہ نہ تھا صاحب کی اطلاع سے شروع کرا دی، یہ خبریں ان لوگوں کے نزدیک ایسی تھیں جیسے برہمن کے سامنے گائے ذبح کرنا۔ نیز خیمہ کی ساخت میں خورد برد اور کہنہ ہونے پر تقسیم کی توقع رکھتے تھے اور چاندی سونے کے زمین پر گرے ہوئے ریزے اور کہنہ زربفت کے بیکار قبر پوش کو اپنی روزی کا مایۂ توکل سمجھتے ہیں جو ہاتھ سے جاتا رہا اور میرے طریقۂ عمل کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھے کہ لوگ خوجہ

بزرگ کو جیسا کہ وہ نیک مرد اور خدا پرست تھے سمجھ جائینگے۔ مخلوق کے کاربستہ کی عقدہ کشائی اور ایصال منافع اور مضرت سے بچانے میں خدا کا شریک جیسا کہ اب دلوں میں سے جاتا رہے گا۔ خدا ان کو نیکی کی توفیق دے اور خوش و خرم رکھے کہ اپنے لئے جو کچھ بہتر سمجھا کر لیا۔ اور مجھ کو روزانہ بطور عبادت کے صاحبان دیکھنے کی جاں کاہی سے چھوڑا دیا۔ اور اس ملازمت اوقات کے بدلے ہر مہینے صدر امینی کے تنخواہ علاوہ فتویٰ نویسی کے جو کہ مجموعی دو سو پچاس روپیہ ہوتے ہیں پانے لگا۔ میں نے چونکہ یہ التزام کیا ہے کہ اس تحریر میں کسی عالی قدر کا تذکرہ فرو گذاشت نہ کروں۔ لیمسڈن صاحب کا ذکر بھول گیا۔ اسی طرح راول بیریسال کا ذکر بھی اپنے مقام پر نہیں لکھا۔ اگر دوسرے وقت پر چھوڑتا ہوں تو شاید سہو غالب آجائے۔

لیمسڈن صاحب لیمسڈن صاحب مرد نیک طینت خوش سیرت ہنر پسند عیب پوش تھا فارسی اور عربی کا مذاق حاصل تھا۔ اکثر دونوں زبانوں کے مفردات کا موقع، خواہ مستعملہ ہو یا نادرہ جانتا تھا۔ نیک و بد آدمی میں تمیز تو ضرور کر لیتا تھا لیکن ماہر فن اور صاحب استعداد کو امیرانہ طرز پر جانچتا تھا نہ کہ عالمانہ طرز پر[1]، بندہ سے بھی حالانکہ کوئی علمی تذکرہ نہیں آیا تھا مگر ویلڈر صاحب سے اندازہ سے زیادہ تقریر اور تحریر میں تعریف کی۔

کسے را کہ نیکی بود در سرشت ‏ ‏ بہ چشمش چو یک خوبی آید ز زشت

ہماں خویش عینک خود کند ‏ ‏ نکو بنگرد گرچہ او بد کند

ہنر باشد ایں مرو آزاد را ‏ ‏ نہ درواوری داور داد را

بیریسال راول جے پور[2] راول بیریسال متواضع متحمل۔ عالی ہمت اور با مروت آدمی ہے لیکن کارفرمائی کے لڑکوں کو کام اور اختیار سپرد کرنا پھر ان سے اطاعت کی امید رکھنا دوراندیشی کے خلاف ہے۔ والیان جودھپور کی رائے اس بارے میں ٹھیک ہے کہ برادران زبردست کو حکومت کے کام میں نہیں ڈالتے کیونکہ راجہ اور ان لوگوں کی آفرینش ایک جوہر سے ہے اور حکومت کا سبب جد کلاں کا ورثہ ہے جو سب میں مشترک ہے نوکری اور مالکی زور بازو اور قابو سے ہے۔ قابو پانے کے

---

[1] شیخ احمد یمنی شروانی نے کتاب نفحۃ الیمن لیمسڈن صاحب کی تحریک پر تالیف کی۔ یہ کتاب آج کل درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔ [2] راول بیریسال دیوان ریاست جے پور۔

بعد دشوار ہے کہ اس کا دل خود سری نہ چاہے۔

چند دیگر واقعات

۴؍ صفر ۱۲۳۶ھ بروز شنبہ مطابق ۱۱؍ نومبر ۱۸۲۰ء کو پرجیک اور سندر لال کی عرضی پہنچی کہ نگرہ کے لوگوں نے جھاک میں فساد برپا کر دیا۔ دوسرے روز میر جلال الدین لال صاحب کے ساتھ مسودہ گئے۔ ۷؍ صفر مطابق ۱۴؍ نومبر کو خبر آئی کہ نصر اللہ خاں جھاک میں مارا گیا۔

۱۵؍ صفر مطابق ۲۲؍ نومبر کو میر جلال الدین نگرہ سے مع انجنیر واپس آیا۔ آقا اس دن بیمار تھا۔

۳؍ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۰؍ دسمبر ۱۸۲۰ء کو فریزر صاحب، ولیم فریزر کا بڑا بھائی پہنچا اور بندہ کو شہر اور مکانات دیکھنے کے لئے ساتھ لے گیا۔ دوسرے دن جودھپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ نیک دل سلیم الطبع۔ سیاحت دوست۔ سیر چشم اور امیر مزاج معلوم ہوا۔

۵؍ ربیع الاول مطابق ۱۱؍ دسمبر کو آقا نے مفسدان نگرہ تابع جودھپور کے بندوبست اور تدبیر کیلئے اس ریاست کے وکیل کو رخصت فرمایا۔ دوسرے دن مرزا گرامی خاں، منشی گری کی ملازمت کے ارادے سے الفنسٹن صاحب کے پاس اجمیر میں آیا۔ آقا کی ناسازی مزاج کے باعث ملاقات دوسرے وقت پر موقوف رہی۔ بندہ حسب الحکم بہت جلد چلا گیا تاکہ جو کچھ ضرورت ہو پوری کرے۔ اور نواب شمشیر بہادر کا وکیل احسن مرزا خاں بھی آیا اور نواب ممدوح کے پیش خیمہ کے لئے مکان کی اجازت چاہی بندہ کو ارشاد ہوا کہ جہاں پسند ہو خیمہ لگا لے۔

نواب شمشیر بہادر اور نواب ذو الفقار بہادر

اگلے دن کہ ۷؍ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۴؍ دسمبر ۱۸۲۰ء تھا خود نواب مع اپنے چھوٹے بھائی ذو الفقار بہادر کے اجمیر پہونچے۔ بندہ گیا اور پیام پہونچایا کہ ویلدر صاحب، مزاج ناساز ہونے کی وجہ سے جناب کے استقبال کے لئے نہ آسکے طبیعت درست ہونے پر ضرور جناب کی ملاقات سے مسرت حاصل کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اتحاد کی صورت میں ان تکلفات کو خیرباد کہنا بہتر ہے جس دن مہربان صاحب کا مزاج قرین صحت ہو جائے اطلاع کریں میں خود آجاؤں گا۔

۱۲؍ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۷؍ دسمبر ۱۸۲۰ء کو مرزا گرامی خاں مقصد پر روانہ ہو گئے۔ مرد لائق خوش مزاج۔ خوش اختلاط۔ باخبر اور منشیانہ فارسی تحریر میں کامل اور کہنہ مشق تھا۔

۲۰ ربیع الاول مطابق ۲۰ دسمبر کو احسن مرزا خاں آقا سے ملاقات میں کامیاب ہوئے۔ اگلے دن نواب شمشیر بہادر[1] آقا سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ دوسرے دن آقا نے بھی باز دید کے طور پر نواب کے خیمہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ ۲۳ ربیع الاول مطابق ۳۰ دسمبر کو جودھپور کا وکیل پہونچا۔

۲۵ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۲۱ء روز دوشنبہ کو کشن رام وکیل جیسلمیر اجمیر میں آیا۔

جودھپور روانگی

۱۰ ربیع الآخر ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۸۲۱ء کو جودھپور کو روانگی ہوئی پہلے تو ہم اجمیر کے تھانہ خالصہ میں پہنچے اگلے دن راجہ مان سنگھ کے حدود میں پہونچے اور ۱۷ ربیع الآخر مطابق ۲۲ جنوری تک وہاں مقام رہا اور آقا ۱۵ ربیع الآخر مطابق ۱۹ جنوری کو یہاں سے معدودے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کو چھوڑ کر بیاور متصل لمگرہ کی طرف تشریف فرما ہوگئے۔ پھر ۱۸ مطابق ۲۳ انگریزی کو لشکر موضع گرگی علاقہ جودھپور جاگیر بہادر سنگھ میں پہنچا اور ۱۹ ربیع الآخر تک وہیں رہا کہ آقا رونق افروز ہوگئے۔ اور ۲۰ بروز پنجشنبہ کو وہاں سے موضع لانبیہ میں لشکر اور صاحب نے نزول اجلال فرمایا اور وہاں سے براہ روندہ کھاریہ، بیاس بشن رام اور امرت رام ناظر جودھپور سے آکر ملاقات میں کامیاب ہوئے۔ اور وہاں سے موضع بھاوی اور پھر موضع کابرلا پہونچے۔ یہاں سے بیاس اور ناظر جودھپور کو رخصت ہوگئے۔ پھر بیسل پہونچے۔ موضع تونذرہ میں پہنچکر بیاس سورت رام جودھپور کو روانہ ہوگیا۔

راجہ جودھپور سے وداعی رخصتی ملاقات

بروز پنجشنبہ ۲۷ ربیع الآخر ۱۲۳۶ھ مطابق یکم فروری ۱۸۲۱ء کو جودھپور پہونچے بندہ آقا کے ہمراہ راجہ صاحب کے پاس پہونچا۔ پھر اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا۔

---

[1] چتر سال بندیلہ کے خاندان کی ایک لڑکی کسی لڑائی میں محمد خاں بنگش کے ہاتھ قید ہوئی۔ پھر باجی راؤ پیشوا نے تبدیلی کو چھڑایا تو چتر سال نے اس لڑکی کو اپنے خاندان میں لینے کے متعلق پس و پیش کیا۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی قید میں رہ چکی تھی اور اس اثنا میں وہ مسلمان بھی ہو چکی تھی۔ باجی راؤ نے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمشیر بہادر رکھا گیا۔ چونکہ اس کی والدہ کو مسلمان سمجھا جاتا تھا اس لئے باجی راؤ کی وفات کے بعد مرہٹوں نے اسے پیشوا خاندان کا رکن سمجھنے سے انکار کر دیا۔ اور باندہ بندیل کھنڈ کا علاقہ جاگیر میں دے کر قطع تعلق کر لیا۔ شمشیر بہادر کھلم کھلا مسلمان ہوگیا۔ شمشیر بہادر کے دو لڑکے غنی بہادر اور علی بہادر ہوئے۔ علی بہادر کے دو لڑکے ذوالفقار بہادر اور شمشیر بہادر تھے۔ شمشیر بہادر کے چھوٹے بھائی ذوالفقار بہادر غالب کی ممانی کی بہن کے لڑکے تھے۔ ذوالفقار بہادر بڑے علم دوست رئیس تھے باندے میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں عبدالرحمن بانی پتی محدث اور مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی جیسے علمائے کرام مدرس تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے علی بہادر نواب ہوئے۔ مرزا غالب نے علی بہادر کے متعلق کہا ہے۔ غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز　دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں۔ علی بہادر نے غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کا مقابلہ کیا جس سے

۲۹ ربیع الآخر مطابق ۳ فروری کو ناظر ویش رام بیاس اور فتح رام سنگھی دیوان اور کچھر داس جھلا بکان صاحب اور کیسری سنگھ دہاندل راجہ کے فرستادہ آقا کے حضور میں پہنچے اور بندہ حسب ارشاد راجہ کے پاس گیا دوسرے دن ۳۰ ربیع الآخر مطابق ۴ فروری کو راجہ آقا سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اگلے دن کو یکم جمادی الاول مطابق ۵ فروری تھا وکیل سروہی بھی آیا اس عرصہ میں مہاراجہ کا خود بدولت کی ملاقات کے لئے آنے میں توقف کا سبب یہ تھا کہ برہمنوں نے کہدیا تھا کہ ان دنوں میں مہاراجہ کا قلعہ کے نیچے جانا نجوم کے اعتبار سے مناسب نہیں ہے۔ بندہ گیا اور کہا کہ میرے خداوند نعمت کو جو ہندوؤں کی ایسی قیود سے واقف ہیں اس امر میں جائے شکایت نہیں، لیکن صاحبان صدر وکونسل جو عرصہ سے زیادہ تر مسلمان رئیسوں سے ربط ضبط رکھتے ہیں ملاقات میں ایسے عذروں کی شنوائی نہیں کرتے یہ گمان کریں گے کہ مہاراجہ جیسا کہ اپنی سرکار میں ملٹ ڈ صاحب سے سوال وجواب کا تعلق پسند نہیں کرتے تھے۔ ویلدر صاحب سے بھی منظور نہیں رکھتے۔ دیکھنا چاہیئے کہ یہ سررشتہ کس کے سپرد کریں اور چونکہ جودھپور کے قریب سوائے ملٹ ڈ صاحب اور ویلدر صاحب کے علاوہ دوسرے کوئی صاحب مناسب نہیں۔ اس نے میری گفتگو کو سنا سمجھا اور کہا کہ ضرورت کے موقع پر میں ان چیزوں کا پابند نہیں ہوں کل تو میری سالگرہ کا دن ہے کل کے بعد ضرور آؤں گا۔ حسب وعدہ وقوع میں آیا اور اس عرصہ میں صاحب کی حسن تدبیر سے سروہی اور جیسلمیر کے محصول کا معاملہ بھی آسانی سے طے ہو گیا۔ یعنی مہاراجہ نے منظور کر لیا کہ جو کچھ سالہا سال سے ہم نے سروہی سے لیا ہے سرکار اس کا اوسط نکال کر سروہی کے وکیل سے کہدے کہ یہاں حاضر رہ کر سروہی کو پہونچا دے۔ یہ کام سخت دشوار تھا۔ کیونکہ عہد نامہ کے ساتھ فرد مطالب میں سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر کے مختار کاروں کے دستخط کے ساتھ درج ہو کہ بموجب عہد راجہ بیجے سنگھ سروہی سے رقم وصول کرنے میں سرکار تعرض نہ کرے گی۔

واقعات سروہی راؤ سروہی نے جو علاقہ جودھپور میں ہے آخر ۱۸۱۸ء اور اوائل ۱۸۱۹ء تک ہنگامہ برپا رکھا مجبوراً جودھپور کی فوج نے اس کے تعاقب میں جا کر شکست پر شکست دی

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ریاست ضبط ہو گئی۔ ملاحظہ ہو خطوط غالب جلد دوم مرتبہ غلام رسول مہر صفحہ ۴۲۰ (مطبوعہ کتاب منزل لاہور)

[1] راجہ مان سنگھ والی جودھپور۔

اور جودھپور کے سردار کا سروہی پر دخل ہوگیا۔ اس وقت سروہی کے راؤ نے راناکی سفارش سے ٹاڈ صاحب کی پناہ لی صاحب ممدوح کو ریاستوں میں مداخلت کا بے حد اشتیاق تھا صدر کو لکھا کہ سروہی والا سرکار سے عہد کرتا ہے اس کی پناہ ضروری ہے۔ یہاں منظوری ہو گئی اور راجہ کو حکم ہوا کہ وہ اپنی فوج کو سروہی سے ہٹالیں۔ ٹاڈ صاحب کے ہاتھ میں فیصلہ چھوڑیں۔ فیصلہ کے پہلے ایک کا بھی دخل نہ ہوگا۔ راجہ نے ویلڈر صاحب کے سمجھانے پر منظور کر لیا۔ مگر راجہ نے کہا کہ سروہی والا اس وقت مجھ پر زیادتی کرتا ہے جبکہ میں ریاست کے نام سے کنارہ کش ہوتا ہوں اگر وہ ہماری ریاست کے توابع میں سے نہیں تھا تو کیوں سرکار سے اس کو ممانعت نہ ہوئی جب میں نے اس کی شورش کو دفع کیا تو اس نے پریشان ہوکر انگریزی سرکار میں رجوع کیا اس وقت مجھکو ممانعت ہوتی ہے اس کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ میں سمجھتا تھا کہ معاہد کو اجنبی پر ترجیح ہے مگر برابر بھی نہ نکلا۔ کہ غیر معاہد جب چاہے معاہد کو رنج پہونچادے اور اس پر کوئی عتاب نہ ہو۔ جب عاجز آکر خود کو معاہد بنایا سرکار معاہد قدیم پر اس کو ترجیح دیتی ہے کہ ملک اس کو واپس دو۔ ہماری سرکار کے زمانے میں اس کے پاس ملک کہاں تھا۔ اور اگر سرکار ملک سابق کو عہدنامہ کے ذریعے سے معاہد کو دلاتی ہے تو چشم ما روشن، امرکوٹ سندھیوں سے مجھے دلادے۔[1]

بغیر فیصلہ ہوئے ۱۸۱۹ء میں راجہ کی فوج کے ہٹتے ہی ٹاڈ صاحب نے سروہی کو راؤ سروہی کے دخل میں چھوڑ دیا۔ نیز وہ کہتا تھا کہ مالک سروہی قید ہے اس کے چھوٹے بھائی نے جو غاصب ہو کر یہ ہنگامہ کر رکھا ہے اور یہ ٹھیک تھا اور کہتا تھا کہ ہمیشہ ایسے ہی امور میں میرا وہاں دخل رہا ہے۔ اگر سرکار عہدنامہ کرتی ہے تو مالک سے کرے انصاف تو یہ ہے کہ اس کا جواب شاہان سلف کے طرز پر تو آسان ہے اور سرکار کے طرز پر دشوار اور ویلڈر صاحب نے باوجودیکہ وہ کم سن تھے اور اس وقت تک نائب سفارت کا مستقل عہدہ بھی نہیں رکھتے تھے راجہ اور کارگزاروں کو بہت معقول جواب دیا کہ ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ نے فوج ہٹانے کو زبردستی نہیں بلکہ عہدنامہ کی دفعات کی رو سے منظور کر لیا لیکن بندہ (مولوی عبدالقادر) اس کو نہیں لکھتا اس لئے کہ اس سے بالاتر مرتبہ والے صاحبان کسی دن اس تحریر کو دیکھینگے

---

[1] ۱۸۱۳ء میں تالپور سندھ کے امیروں نے امرکوٹ پر قبضہ کر لیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

جو کچھ اس نے کہا اس سے بہتر جو صورت بھی کہیں گے وہ مخلوق کے لئے موجب تسکین ہوگی۔

سالم سنگھ مختار جیسلمیر مہاراجہ جودھپور کی سرحد سے ایک شخص کو پکڑ کر لے گیا تھا اور وہ جودھپور کی طرف سے زیادتی اور مہاراجہ اس کی گستاخی بیان کرتے تھے یہ بھی آسانی سے فیصل ہو گیا اور اجمیر کے راہتوں کا محصول بھی انگریزی سرکار کے حسب دلخواہ طے ہو گیا۔

باب پنجم

جودھپور سے روانگی ۱۰ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۸۲۱ء کو ہم جودھپور سے روانہ ہوئے تھاں سے روہت اور وہاں سے کھالرہ اور وہاں سے پالی پہونچے اگلے دن پالی میں مقام رہا۔ بیاس بشن رام وکیل مہاراجہ اور الوپی پرشاد اخبار نویس سرکار جودھپور رخصت ہوئے۔ اور پالی سے کھروہ وہاں سے کووہ اور وہاں سے کوٹ وہاں سے دیورہ علاقہ میواڑ، وہاں سے دیور وہاں سے آمیٹ تعلقہ سالم سنگھ چونڈاوٹ اور وہاں سے لادہ اور وہاں سے کاکرولی پہونچے۔

تالاب کاکرولی کاکرولی میں ایک تالاب ہے جو دس بارہ کوس کا ہوگا اس کا کنارہ پختہ ہے مچھلیاں بہت ہیں۔ جب بھنا ہوا غلہ ڈالتے ہیں سب پانی پر چھا جاتی ہیں اور چونکہ وہاں پر معبد ہنود ہے انسان کو مچھلی کا شکار ممنوع ہے لیکن سیکڑوں بگلے مچھلی کے شکار میں مشغول ہیں شاید انسان ہر گھڑی اتنا شکار نہیں کر سکتا۔

گوشت خوری میں حکمت الٰہیہ حکیم مطلق کی حکمت پر جس کے قبضہ میں نظام عالم ہے گہری نگاہ کرنی چاہیئے کہ جاندار کو خواہ آبی ہو یا خاکی مرنا ضرور ہے ورنہ آبی کے لئے پانی میں جگہ نہ رہے گی۔ نہ حیوانات خاکی کیلئے زمین پر۔ اور اگر مچھلیاں مرجائیں اور پانی متعفن ہو جائے تو وبائی ہوا ہو جائے گی اور ایک دنیا تباہ ہو جائے گی۔ جاں بخشِ عالم نے بگلوں کو جانستانی کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ مچھلیاں اسی اندازہ سے رہیں جو اس کے علم میں مناسب ہے یہاں پر سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا میں حلال جانور حرام جانور سے زیادہ ہیں بھیڑ بکری دو بچوں سے زیادہ نہیں دیتی۔ کتیا اکثر چار اور اس سے زیادہ بھی بچے دیتی ہے۔ اس کے باوجود گلئے۔ بھیڑ بکری اور اونٹوں کے گلہ کے برابر کتوں کا گلہ نہیں دیکھا جاتا اور جنگل میں بھی بھیڑیئے۔ شیر۔ ہاتھی اور سور۔ ہرن پاڑہ۔ نیل گائے جیسی کثرت نہیں رکھتے۔ انسان جن چیزوں کو نہیں کھاتا درندہ بھی ان کو اپنے کھانے

کے کام میں نہیں لاتا۔ اسی طرح اگر پرندوں پر غور کریں تو بھی یہی صورت نظر آئے گی۔ پس خداوندی احکام حیوانات کی حلت اور حرمت کے بارے میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک پیغمبروں کی زبانی نظامِ عالم کی مصلحت کے مطابق ان اقسام کا حکم واضح کر رہے ہیں۔ جس جانور کو درندہ جس کی خوراک گوشت ہے نہیں کھاتا انسان کو بھی کسی کے کہنے پر نہیں کھانا چاہیئے۔ جب تک پیغمبر یعنی خدا کا وہ بندہ جو سب کی دانش آموزی کے لئے نیک کردار و گفتار کی دستاویز اور خوارق عادات کی بنا پر ہمارا کارفرما ہوا ہے صاف اس کی اجازت نہ دے۔ کیونکہ دانا کو اپنے سے داناتر کی پیروی تمام اُمور میں ابتدا سے انتہا تک لازمی ہے۔

۲۳ رجمادی الاول ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۰ رفروری ۱۸۲۱ء کو کاکردلی سے موضع دیبر میں پہنچے اور بہاری لال ناتھ دوارہ گیا۔ اور ہم وہاں سے کھاسہ پھر وہاں سے میرٹھ چھاؤنی پہونچے بہاری لال وغیرہ بھی پہونچ گئے اگلے دن یہاں مقام رہا۔

منزل اودی پور

اگلے دن آقا کے ہمرکاب اودی پور مکان جل مندر اور جل نواس دیکھنے کے لئے چل دیئے یہ دونوں عمارتیں خوشنما اور خوبصورت بڑے تالاب میں واقع ہیں وہاں کشتی کے ذریعہ نیچے اُتر کر ان مقامات کی سیر کی۔ وہاں پرٹاڈ صاحب کے آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ راناجیو[1] سے صاحب ممدوح کی ملاقات کی رسم سرشتہ کے خلاف ہے۔ رانا کی جانب سے استدعا کے باوجود خود بدولت (ویلدر) نے بہانہ سے کنارہ فرمایا۔ یعنی یہ کہہ دیا کہ ایسے بڑے امور میں صاحبان دہلی اور صدر کلکتہ کی اطلاع اور اجازت ضروری ہے جس کی پیشتر سے کوئی صورت نہ ہو سکی اس مرتبہ معاف فرمائیں دوسرے وقت پر رہنے دیں۔

پھر امیر ممدوح نے بندہ کو طلب فرمایا۔ میں نے سُنا کہ وہاں کے دربار کے آداب میں سے ہے کہ ملاقات کے وقت ایک لباس جس کو جامہ کہتے ہیں جس کی ہندی جھگہ ہے پہننا چاہیئے مسلمانوں میں یہ لباس ہندوؤں کی تقلید سے رائج ہو گیا ہے۔ ہمارے خاندان میں کسی نے ابھی تک ایسا لباس نہیں پہنا ہے۔ خداوند نعمت (ویلدر) کے سامنے میں نے عذر کیا اور راناجیو کے لوگوں سے کہا کہ صاحب لوگ مجھ سے پوچھیں گے

---

[1] راول جسونت سنگھ دوم راجہ اودے پور۔

کہ رانا صاحب کو کیا ٹاڈ صاحب کی پالیسی سے خوش و خرم پایا؟ اس کا جواب مجھ سے دشوار ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر میں نفی میں جواب دوں گا تو ٹاڈ صاحب رانا صاحب سے شکوہ کرے گا اور اگر کہوں گا ہاں! تو میں سمجھتا ہوں کہ میں نے جھوٹ بولا۔ اس لئے رانا سے میری ملاقات مناسب نہیں لوگ مجھ سے راضی ہو کر چلے گئے اور پھر واپس آکر کہنے لگے کہ رانا صاحب کو تیری دور اندیشی پسند آئی وہاں سے پھر ہم اپنے لشکر میں جو ابھی تک ٹاڈ صاحب کی چھاؤنی میں تھا۔ پہونچے اور میں ٹاڈ صاحب سے ملاقات میں کامیاب ہو گیا۔

وجہ تسمیہ مہراوت

اثنار کلام میں خداوند نعمت (والد) نے فرمایا تھا کہ مہراوت اسلام کے مدعی ہیں اور میر اپنے کو ہندو کہتے ہیں اور ٹاڈ صاحب فرماتے تھے کہ مہراوت بھی ہندو ہیں مگر سردار ہیں اور مہراوت میرراوت کا بگڑا ہوا ہے راوت سردار کو کہتے ہیں آقا نے آکر پوچھا میں نے کہا مہراوت مہر اکی اولاد ہیں وَت نسبتی لفظ ہے جیسے کہ چونڈاوت منسوب بہ چونڈا اور فی الحال دو مہراوت لشکر میں ساتھ ہیں بمصداق اہل البیت ادری بمافیہ (گھر والا گھر کی باتیں خوب جانتا ہی) انہی سے کیوں نہ پوچھ لیا جائے۔ نیز دیکھ لیا جائے کہ اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں یا نہیں۔

مولوی عبدالقادر کی ٹاڈ صاحب سے ملاقات

خداوند نعمت (والد) نے فرمایا کہ ٹاڈ صاحب ہر روز فرماتے ہیں کہ فلاں شخص (مولوی عبدالقادر) عجیب ہے کہ ہمیں دیکھنے نہیں آیا۔ بہتر ہے کہ تو آج جائے اور یہ تذکرہ بھی کرے۔ میں نے عرض کی پہلی مرتبہ جب یہاں پہونچا صاحب کے دربان سے میں نے کہلا بھیجا کہ اپنے صاحب کی خدمت میں اطلاع کر دے کہ فلاں شخص باریابی کا آرزومند ہے جس وقت یاد فرمائیں میں حاضر ہو جاؤں۔ اس نے کہا یہ طریقہ نہیں وہ آکر یہاں ہمارے پاس بیٹھے اس وقت اگر موقع پاؤں گا خبر پہونچا دوں گا۔ مجھے ضرورت نہیں کہ یہ ذلت برداشت کروں اور خداوند نعمت پر روشن ہے کہ میری بد مزاجی اس خواری کی بنا پر ضرورت کو بھی خیر باد کہہ دیتی ہے۔ جناب تحریر و تقریر سے صاحب ممدوح کو مطلع فرما دیں کہ وہ ہر وقت حصول مجرا کے شرف کے لیئے تیار ہے جب چاہیں یاد فرمانے کی منت رکھیں۔ آقا نے لکھدیا۔ جواب آیا کہ اس کا گھر ہے جب چاہے آجائے۔ میں سمجھا کہ جناب ممدوح چاہتا ہے کہ اودے پور کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ایسا ذی رتبہ صاحب ایسے پوچ اور بے مایہ و بے سامان کا طالب ہے۔ خواہ مخواہ غرض لے کر اس کے در پر پہنچیں۔ میں اور اخلاقاً باریابی دینی پڑتی ہے میں نے

ایک عریضہ لکھا کہ جناب آغا کو بندہ کے متعلق تحریر والا براہ بندہ نوازی پہنچی کہ جب چاہے ہمارے سامنے آجائے۔ کون ہے جو ایسی دولت خداداد کو دوسرے وقت پر رکھے اسی وقت حاضر ہوتا ہوں۔ اور میں نے اپنے ملازم سے کہا کہ یہ پرچہ دربان کو دے کر واپس آؤ منٹ بھر بھی وہاں مت ٹھہرو اور جواب کا انتظار مت کرو تاکہ صاحب کا ملازم یہاں آئے اور مجھ کو بلائے۔ عریضہ پہنچا دیکھ کر فرمایا کہ اس کے نوکر سے کہدیں کہ آجائے۔ چونکہ میرا ملازم وہاں نہیں تھا آخر اپنے ملازم کو بھیجا۔ میں گیا۔

راجہ مان سنگھ والی جودھپور پر تبصرہ

پہلا تذکرہ جو درمیان میں آیا تھا کہ راجہ مان سنگھ مرد ہوشیار اور معقول ہے لیکن اپنی عقل پر اتنا نازاں ہے کہ کسی کے صلاح و مشورے پر اعتماد نہیں کرتا حالانکہ ایسا نہیں چاہیئے۔ پھر کہا کہ ویلڈر صاحب نے اسے صاحبوں سے ملاقات کا طریقہ نہیں سکھایا کہ سر پر ہاتھ نہیں رکھتا رانا صاحب، جس کا مرتبہ اس سے بدرجہا زائد ہے۔ سینہ تک ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ ویلڈر صاحب نے جس وقت اس کو دیکھا تو تنہائی پسند درویش تھا زمانہ نے اس کو راجہ کو بنا دیا اس وقت جو کچھ لوگ چاہتے تھے وہ کرتا تھا۔ برکت علی خاں نے نذر نہیں دی اور تعظیم چاہی ناچار اس نے منظور کر لیا۔ میرے صاحب کا منشاء اس کے کورنمک متوسلوں کی نظر میں اس کے علو مرتبت کا اظہار تھا جن سے اس کا رعب جاتا رہا تھا۔ ان ہی تدبیروں سے اس کے سرکش ملازموں کی تسخیر کے لئے فوج طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑی جیسا کہ جنرل صاحب نے سوچا تھا۔ اور میرے خداوند نعمت (ویلڈر) نے اپنی بھلائی اس میں دیکھی کہ اپنی جنبش مژگاں سے فوجی دھاوے کا کام لیا اور سینہ تک ہاتھ اپنے معزز ملازموں کے لیے بھی مثل (جاگیرداراں بھکراں) اُٹھاتا ہے۔ صاحب نے نہیں چاہا کہ اس کے ملازموں کی برابر ہو۔ نیز راجہ جگت سنگھ نے جنرل صاحب کے لئے ہاتھ سر پر نہیں رکھا۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ یہ ہندو راجہ اپنی رسم چھوڑ کر ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہیں اور اس طرح انگریز صاحبان کے لئے سلام کا طریقہ اختیار کر گئے ہیں۔ اور رانا صاحب کا درجہ اگرچہ زیادہ ہے لیکن نوشت و خواند میں برابر ہے۔ ایک مرتبہ محمد شاہ کی ضعف سلطنت کے بارے میں رانا اور رئیس مارواڑ دھوندھار یعنی جے پور مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ کوئی مسند بچھائی تاکہ کوئی صاحب مسند اور دوسرا پہلو نشین نظر نہ آئے۔ پھر ٹاڈ صاحب نے فرمایا کہ ویلڈر صاحب سے لوگوں نے کہدیا ہے کہ مہراوت مسلمان ہوتے ہیں اور ان کو اس پر اصرار ہے اور صاحب لوگوں کو نہیں چاہیئے کہ ہندوستانیوں

کے قول پر جب تک خود تحقیق نہ کرلیں یوں ہی اعتماد کرلیں۔ میں نے کہا آنجناب کی طرح ہر ایک صاحب
کو ہندوستان کی ہر قوم کے حال سے اس قدر واقفیت کہاں ہے۔ اگر اس ملک کے لوگوں سے دریافت نہ
کرے تو کیا کرے ورنہ خود پسندی کی ملامت میں راجہ مان سنگھ کے شریک ہو جائے گا اور مہراوت اولادِ
مہرا کا مسلمان ہونا یونہی دینا ناتھ جاکھ میں لکھا ہوا ہے جو اُدے پور اور جودھپور کے رئیسوں میں مسلم ہے
دو مہراوت اس وقت بندہ کے ساتھ ہیں اگر ارشاد ہو تو وہ سامنے آئیں ان سے دریافت کرلیا جائے
ٹاڈ صاحب نے فرمایا وہ تو جانوروں جیسے ہیں کچھ نہیں جانتے اور جاکھ قوم والے بے حد غلط لکھتے ہیں۔ میں نے
کہا اب تحقیق کی راہ بجز اس کے کہ آسمانی کتاب میں مہراوت کا اسلام یا کفر نکل آئے اور نہیں ہے۔ یہہ
تذکرہ آئندہ کے لئے رہنے دیا اور رخصت ہوا۔

فساد مگرہ

اگلے دن وہاں سے اجمیر کو لشکر کا کوچ ہوگیا اور پلار میں پہونچ گیا۔ بندہ آقا کے حکم سے مسعود
اور کہروہ کے وکیل کو ٹاڈ صاحب کی خدمت میں لے گیا۔ کیونکہ مگرہ کی ابتداء فساد
ماہ صفر سنہ ۱۲۳۶ھ مطابق نومبر سنہ ۱۸۲۰ء کو جھاگ اور شام گڑھ میں واقع ہوئی۔ مگرہ کے مفسدوں نے ٹاڈ صاحب
کے محرر کو قتل کردیا ان کے تدارک میں تساہل ہوگیا۔

باشندگان جھاگ اور لولوہ کی سرکشی

باشندگان جھاگ اور لولوہ کو خودسری کا حوصلہ پیدا ہوگیا کیونکہ ان لوگوں نے چند روزہ
جلاوطنی کے سوا اپنی کجروی کی اثر بخش سزا نہیں پائی تھی۔ اور ویلڈر صاحب ان پر
طرح طرح کی نوازشیں کرتے تھے۔ زراعت میں حق سرکار چھوڑنے کی رعایت۔ جرائم
خفیفہ سے چشم پوشی اور جب وہ چاہیں بلا کسی واسطہ کے ان کی اغراض سُننا عام باتیں تھیں وہ لوگ
ان نوازشوں کو اپنے خیالِ باطل میں اپنی قوت کی دلیل سمجھنے لگے۔ اور پیادہ پولیس کی درازدستی نصراللہ خاں
کے مزاج کی خشونت اور میر جلال الدین کی بے التفاتی کو اپنی خانہ خرابی کے بعد بیان کیا اس سے پیشتر
ان اُمور کو ہال صاحب کی عدالت میں لے گئے۔ ایک مرتبہ چاہا کہ فرماں برداری کے سررشتہ کو توڑ کر آزاد اور خودسر
ہوجائیں۔ میر جلال الدین نے جو وہاں کی تحصیل کے بندوبست کے لئے گیا ہوا تھا جب ان کو بے باک پایا۔
نصراللہ خاں کی مروت کے اعتبار سے نہیں بلکہ از خود اجمیر پہونچ کر ان لوگوں کی فساد پر تیاری آقا کے سامنے
بیان کی نصراللہ خاں رام پور کا سردار زادہ اور امیر خاں کے لشکر میں معزز، نیز اس ہیچ (مولوی عبدالقادر)

کا ہم پلہ اور دوست تھا۔ اس نے ان لوگوں کی دلدہی کی بنا پر اور دادرسی کی اُمید میں حاکم کے سامنے دادخواہی کی۔ ہر چند آقا میر جلال الدین کو یاوہ گو نہیں سمجھتا تھا لیکن اس وقت اس کے قول کو غلبہ ہراس پر محمول کیا اور غور کیا کہ اگر فوج جائے اور وہ لوگ، پہلے کی طرح بھاگ جائیں آباد پرگنہ اک دم ویران ہو جائے گا آباد کرنے کی جس قدر کوشش ہوئی ہے بیکار جائے گی۔ تین پولیس افسر ایک لوہہ میں دوسرا جھاگ میں تیسرا شاہ گڈھ میں سب متفق ہو کر کہروہ اور مسعودہ کے جاگیرداروں سے امداد حاصل کر کے ان لوگوں کی سرتابی ظاہر ہونے پر مقابلہ کی طاقت جمع کر سکتے ہیں لیکن اگر سرکاری فوج دو کمپنی کے اندازہ سے بھی پہنچکر چند روز وہاں قیام کرے اور ان لوگوں سے کچھ نہ کہے تو ان بے دماغوں کے سر سے خام خیالی اک دم دور ہو جائے گی مگر معلوم نہیں جنرل رزیڈنٹ دہلی جس کی تحریر اس وقت تک صدر دارالامان میں حکم قضا کا مرتبہ رکھتی ہے صدر کو فوج کا کس قدر فضول خرچ اور ہرج و یلدر صاحب کی ناکردہ کاری بنا پر ظاہر کرے گا۔

نصر اللہ خاں کا قتل

جمعیت کہروہ اور مسعودہ کے پولدار ہبر جنگ نے لکھا کہ اگر نصر اللہ خاں ایک دو ہفتہ تک خود کو بہت قریب رکھتے تو ان کے قتل کی نوبت آتی مگر اس بیچارہ کو یہ ڈر تھا کہ مبادا آقا اِس کو بزدلی نہ سمجھے۔ نیز بلائے ناگہانی کو بہت دور سمجھتے تھے کیونکہ وہ لوگ روزانہ ان کے پاس حاضر ہوتے تھے یہاں تک کہ ایک روز نصر اللہ خاں نے نورا نامی کو جو جھاک کے لوگوں میں معزز تھا زراعت کی پیمائش میں اس کی خلل اندازی کے قصور میں تھانہ میں سخت سُست کہا اور پا بچوب کر دیا حالانکہ وہ وقت درگزر کا تھا۔

نہ بازیست بر سرکشاں سروری　　چو خواہی کہ زین اوری برخوری
گہے با ستم پیشہ نرمی مکن　　بہنگام دیگر بکن بیخ و بن
گہے سرزنش کن باندک گناہ　　گراں سرزنش او شود رو براہ

خود سر لوگ ہجوم کر لائے اور اس کو چھوڑا کر لے گئے۔ نصر اللہ خاں کو چاہئے تھا کہ اِس وقت نہ چھوڑتا اور جو کچھ پیش آتا اس سے سینہ سپر ہوتا اور قیدی پر شمشیر برہنہ کا پہرہ مقرر کر دیتا اور کہدیتا کہ اگر تم سب لوگ اپنے گھروں کو نہ جاؤگے اور ہجوم کروگے تو اس کو مار ڈالوں گا۔ وہ لوگ اس کی جان

کے خوف سے تلوار پر ہاتھ نہ لے جاتے اور اس وقت کہ کھلی سرکشی ان لوگوں کی طرف سے بڑھی ہوئی تھی مسودہ اور کہرہ اور قریب کے تھانوں سے مواخذہ کے لئے کمک طلب کرنے کا احتمال بھی نہ تھا لیکن خان ممدوح نے نہ دہ کیا نہ یہ۔ اگلے دن سورج نکلتے ہی لوگوں کا گروہ تلوار، نیزہ اور تیر لے ہوئے آپہنچا۔ اور چاروں طرف سے تھانہ سے نکلنے کا راستہ بند کر دیا اور اندر گھس آئے اور خان اپنے ذاتی تہوری کی بنا پر شمشیر و سپر ہاتھ میں لئے بام پر آیا ان لوگوں نے کہا کہ ہتھیار کھول کر خواہ اسی جگہ ایک کونے میں بیٹھ جا، خواہ جہاں تجھ سے ہو سکے چلا جا نصر اللہ خاں نے مردانگی سے جواب دیا اور پولیس کے پیادے جو سب بُزدل تھے ہتھیار ڈال کر فرار ہو گئے۔ ایک دو آدمی مقابلہ میں آکر کشتہ ہوئے۔ خدا بخش نامی جو تیرہ سالہ تھا مگر امیر خاں کے لشکر میں پرورش پائی تھی اور نصر اللہ خاں کی خدمتگاری کرتا تھا ایک لاٹھی ہاتھ میں لے آقا کے ساتھ اس گروہ پر حملہ آور ہوا ناگہاں ایک تلوار اس کے شانہ پر پڑی اور زمین پر گر پڑا۔ نصر اللہ خاں بیچارے نے اس دریائے جانگزا میں بہت کچھ ہاتھ پیر مارے اکثر کو دریائے فنا میں غرق کیا یہاں تک کہ گاؤں سے باہر ایک پہاڑی راستہ پر خود کو پہنچایا۔ ہر چند زخم خوردہ تھا مگر جان سلامت لے جا سکتا تھا مگر ان بدخصلتوں نے گاؤں کے مویشیوں کو جمع کر کے دشوار گذار راستہ پر دوڑا دیا۔

اور وہ شجاعت کے جنگل کا شیر پامال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ کچھ رمق باقی تھی کہ چند شخص پہنچے اور تیغ و سناں کے زخم سے اس کو جانکنی سے رہا کر دیا اور بے شرمی سے اس کے تن سے کپڑے اُتار لئے اور ننگی لاش چھوڑ دی۔ چاہتے تھے کہ اس لڑکے کا بھی جو اپنے آقا کے ساتھ روتا ہوا دور سے آرہا تھا سر اُتار دیں کہ دوسروں نے روکا کہ ایسے ناتواں کے مارنے سے کیا فائدہ؟

ہمہ مردم دہ فراہم شدند	بہ پیمان و سوگند باہم شدند
بہ انبوہ برپا بکار آمدند	خروشاں پے کارزار آمدند
بگفتند بگذار تیغ و سپر	کہ چنداں نہ بینیم در تو ہنر
اناں لیں کہ خواہی سر خویش گیر	رہے کاں بکار آیدت پیش گیر
جواں آمد و گفت ایں خود مباد	پے جاں دہم آبرو را بباد
پسبد چو بگرفت شمشیر تیز	کسے یا ور او نشد در ستیز

بہ تنہا در انبوہ بر انگیز تیغ بدانساں کہ برقے درخشد بہ میغ
بیک دست تیغ و بدیگر سپر گہے پیش او گاہ بالائے سر
پناہش بہ تیغ و سپر ساختے چو دشمن زہر سو بر او تاختے
بکشت سراں تیغ او بود داس بدہقاں ز جنگش چو آمد ہراس
دگر چارہ ساخت از بہر جنگ زہر سو ببارید باران سنگ
چو با ایں ہمہ در گذشت روز گوہ خراماں رواں شد ز پیش گروہ
چو آو برشش روزگار دراز نہ دستار او ماند و نے پا فراز
بگفتند کاین نیست مردم نژاد چنا جاں خود دادہ باید بباد
دوا نید سویش ہمہ گلہ راست زہر چار پا کاندریں دیہہ ماست
چو پامال شد او دراں راہ تنگ سر و تن ہمہ خستہ از خشت و سنگ
بہ بالیں رسیدند سنگیں دلاں کہ بیجاں کنندآں تن نیم جاں
چو دیدند جانش بر آمد ز تن کشیدند پیراہنش از بدن

محمد علی قاضی زادہ کی بزدلی

لوہ میں محمد علی قاضی زادہ (جانلہ پرگنہ ہریانہ کا گاؤں ہے) مرنے پر آمادہ نہ ہوا اور تمام ہتھیار کھول دیئے اور ان بزدلوں کے کہنے پر زنانہ لباس پہن لیا اور ان لوگوں کی ہدایت کے مطابق تیسرے دن مسعودہ میں صحیح سالم پہونچ گیا۔ شام گڑھ میں سندر لال کشمیری نے جو محرر پیشہ تھا خوب سوچا جب اس سرزمین کی ہوا دوسرے طرز کی دیکھی گاؤں کے سرداروں کو نرمی سے اپنے پاس بلایا ان کے پہنچتے ہی اس کے ساتھیوں نے ننگی تلواریں بلند کر کے ان کے واپس جانے کا راستہ بند کر دیا۔ چونکہ وہ لوگ جنگ کی طاقت نہیں رکھتے تھے یونہی ان کے پاس بیٹھے رہے۔ دوسرے لوگوں نے ان کی مدد میں باہر سے یورش کرنی چاہی۔ اندر والوں نے با آواز بلند کہا کہ ہم آرام سے بیٹھے ہیں، تمہارے حملہ سے ہماری جان رائیگاں جائے گی چند روز ہمیں یہیں چھوڑ دو اور دونوں وقت کھانا وقت پر پہنچا کر چلے جاؤ۔ اس ترکیب سے وہ خود بھی سلامت رہا اور فساد میں بھی کمی رہی لوگوں نے ان کے گاؤں کو خداوند نعمت تک پہنچا دیا کہ وہ گاؤں کے لوگوں سے مل کر اس سے محفوظ رہے۔ آقا نے فرمایا کہ کاش

دوسرے بھی ایسا ہی کرتے تاکہ ہنگامہ نہ ہوتا اگرچہ نصر اللہ خاں کے اسباب کی قیمت رامپور میں اس کے بڑے بھائی اکبر خاں کو پہونچ گئی مگر اس کی ماں یا بھتیجوں کی معیشت کا ذریعہ سرکار سے کچھ مقرر نہ ہوا۔ نہ معلوم ویلڈر صاحب نے لکھنے میں تامل فرمایا یا جنرل صاحب یا صاحبانِ صدر نے منظوری میں تامل کیا کہ اگر ایسی رسم جاری ہو جائے گی تو ہندستانی فوج کے لوگ جو اکثر روپیہ اور زمین پسماندوں کے لئے نہیں چھوڑتے بیکار مر جائینگے محمد علی کی طرح کیوں اپنی عاقبت نہیں سوچتے اور سرکاری کام پر عزت و افتخار کے ساتھ روزگاری نہیں کرتے۔

مفسدین کی تادیب

اس فساد کے بعد انگریزی فوج ان سرکشوں پر گئی جب تک لشکر پہاڑ پر نہیں پہنچا تھا گولی کی طرح نشانہ پر پتھر مار رہے تھے جس وقت فوج پہاڑ پر آئی تو آتشبازی گولہ باری کا تماشہ نہ کر سکے اور بھاگ گئے فتح مند فوج کے بہادر جہاں بھی ان کی جمعیت دیکھتے بندوقوں کی باڑھ سے مردہ اور زخمی منتشر کر دیتے اور جو گاؤں سامنے پڑتا تاراج ہو جاتا۔ جانگ کے لوگ جنہوں نے جنگ نہیں کی تھی اپنی جان لے کر گاؤں سے باہر چلے گئے۔ مال تو سارا لٹ گیا مگر آسیب جسمی سے محفوظ رہے۔ اسی اثنا میں ویلڈر صاحب جودھپور میں تشریف فرما ہوئے اور فوج ہٹنے کا حکم پہونچا اور حفاظت کھروہ اور مسعودہ کے ٹھاکروں کے ذمہ ہوئی اور حکم تھا کہ اس گروہ میں سے جس کسی کو اجمیر کے علاقہ میں جہاں بھی سنیں مار ڈالیں اور بھگا دیں۔ اسی عرصہ میں ٹاڈ صاحب نے بورہ میں آبادی کی اجازت دی لیکن یہ حکم حسب سررشتہ ویلڈر صاحب کی وساطت سے سردار مسعودہ کھروہ کو نہیں پہونچایا۔

دیبی سنگھ سردار مسعودہ کا مفسدین کو سزا دینا اور ایک نیا فتنہ اٹھنا!

مسعودہ کے سردار دیبی سنگھ نے سنا کہ لولوہ کے بھلگے ہوئے مفسد لوگ ایک جگہ جمع ہیں وہ اپنی جمعیت اور بیر جنگ پولدار مسعودہ کے ساتھ گیا ایک گروہ کو باڑھ مارتے ہوئے دیکھا اس طرف سے بھی بندوقیں چلیں سردار مسعودہ کے ساتھی ان پر پل پڑے مارا اور غارت کر دیا۔ ان لوگوں میں ایک شخص نے جو نہ ٹاڈ صاحب کا پروانہ رکھتا تھا، نہ چپراس، بہ آواز بلند کہا کہ یہ لوگ ٹاڈ صاحب کے بسائے ہوئے ہیں ان سے ہاتھ اٹھالیں۔ اس طرف کے لوگوں کو یقین نہ آیا کیونکہ فساد کی ابتدا اسی گاؤں سے ہوئی تھی پھر اس قدر جلدی آباد ہونا کسی اشتہار، پروانے اور ویلڈر صاحب کی تحریر کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے، اور یہ شخص بھی کون شخص ہے صاحب کا ملازم ہے یا اسی گروہ کا۔ یا کسی دوسرے کا؟ سالم سنگھ

سردار روپا میلی نے جو سردار مسعودہ سے عداوت رکھتا تھا اور ٹاڈ صاحب کا معتمد علیہ تھا ٹاڈ صاحب سے کہا کہ دیبی سنگھ کہتا ہے کہ ٹاڈ صاحب کون ہیں مجھ کو تو ویلدر صاحب کا حکم چاہیئے اور اب صاحب کے امان کا ملک رانا میں کوئی اعتبار نہیں رہا۔ ٹاڈ صاحب نے دیبی سنگھ اور ببر جنگ کی شکایت ویلدر صاحب کو لکھی، ویلدر صاحب اسی وجہ سے اُدے پور تشریف لے گئے۔ تاکہ دونوں صاحب مل کر جائے معرکہ پر جاکر دیبی سنگھ کے جرم یا برائت کے بارے میں قطعی فیصلہ کریں۔ ٹاڈ صاحب نے عدیم الفرصتی کا عذر پیش کیا اور کہا کہ تمہارے سامنے جو فیصلہ ہو جائے کافی ہے۔

وکیل مسعودہ سے ٹاڈ صاحب کے سوال و جواب

ٹاڈ صاحب نے کہا کہ کہروہ اور مسعودہ کے وکلاء کو عبدالقادر کے ساتھ ہمارے پاس بھیجدیں کہ اس کے سامنے وہ لوگ اپنے جُرم کے معترف ہو گئے ہیں۔ وکیلوں کے آداب بجالاتے ہی موکلوں کی خیرو عافیت پوچھی اور مسعودہ کے وکیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو اس معرکہ میں کہاں تھا؟ کہا ویلدر صاحب کے لشکر میں تھا۔ پھر فرمایا کہ وہاں کی حقیقت معلوم ہے؟ میں (مولوی عبدالقادر) نے کہا وہاں کے نوشتے کے موافق پوچھیئے کہ تمہارے ٹھاکر نے کیوں امان دے کر مروایا وہ ضرور سزا پائے گا۔ لیکن رانا صاحب یا سرکار کے ہاتھ سے، یہ صدر کی تجویز پر موقوف ہے۔ وکیل کے ہوش اُڑ گئے۔ میں نے کہا تو پریشان کیوں ہوتا ہے۔ صاحب سرکار کمپنی کے وکیل ہیں۔ ان کے سامنے ٹھاکر مسعودہ اور رانائے اودے پور انصاف میں برابر ہیں تم جو کچھ جانتے ہو کہو۔ اس نے کہا ہمارا ٹھاکر کیسے سمجھتا کہ رانا صاحب کو سرکار کا امان ہے کوئی تحریر اس کے پاس نہیں پہنچی تھی۔ فرمایا سری کرشن چپراسی کو بلاؤ وہ آیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اس کو دیکھو اس کے چہرہ سے ظاہر ہے کہ راست گو ہے فریب اور جھوٹ نہیں جانتا۔ میں نے کہا ہوگا۔ مگر بندہ بشرہ سے صادق و کاذب کی شناخت نہیں کر سکتا اگر اس کا قاعدہ معلوم ہو جائے تو البتہ عرض کروں گا۔ فرمایا یہ نظر کی تیزی ہے۔ میں نے کہا کاش مجھے حاصل ہوتی۔ اس نے کہا میں نے اپنی طرف سے ٹھاکر کو تحریر بھیجدی تھی لیکن عمل نہ کیا۔ وکیل نے کہا تیری تحریر اس کے بعد پہنچی ہے۔ صاحب نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اس کی بھی تحقیق کرنی چاہیئے تاکہ سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک چیز اور بھی ہے کہ اس سے پیشتر رانا صاحب کے احکام پیادوں کے لکھے ہوئے مسعودہ کے سرداروں

کے پاس پہونچے ہیں یا دیلدر صاحب کا حکم بھی کسی کی زبانی پہنچا۔ چیں بجبیں ہو کر اجازت دیدی میں نے پوچھا۔ اس نے کہا ہرگز ایسا دستور نہیں ہے اور صاحب بہادر نے بھی ایسا کوئی حکم نہیں بھیجا کہ میرے چپراسی کے نوشتہ کو میرا حکم سمجھیں۔ آخر فرمایا کہ اب جاؤ اس کے بعد بندہ نے بھی اجازت طلب کی۔ فرمایا بہتر ہے۔ میں لشکر میں پہنچا شام کے وقت صاحب ممدوح (ٹاڈ صاحب) کا خط آقا (ویلدر) کے نام پہنچا کہ ہر چند وکیل روبراہ نہ آیا کیونکہ وہ مدعاعلیہ کا طرفدار ہے۔ مگر عبدالقادر خوب سمجھا کہ ٹھاکر سوڈہ کا قصور ضرور ہے وہ تمہارے ذہن نشین کرادے گا۔

میرے صاحب نے مجھ سے پوچھا میں نے عرض کیا کہ جناب انگریزی کو ہندی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ صاحب ممدوح نے وہ تقریر جو مجھے سمجھائی تھی جناب عالی کو کیوں نہیں لکھی۔ تاکہ کسی ہندوستانی کو ایسے بڑے کاموں میں دخل نہ ہوتا۔

وہاں سے موضع اگ درہ میں اور وہاں سے کورج میں پنجشنبہ کو پہونچے۔ بارش اور اولوں کے سبب سے جمعہ اور شنبہ کو مقام رہا۔ یکشنبہ کو ساہڑا میں وہاں سے کورلان میں اور وہاں سے بھلارہ پہونچے۔

بھلارہ کے مہاجن

بھلارہ کے مہاجنوں نے میرے صاحب کو سلام کی درخواست کی اور اجازت ملی۔ اسکے بعد حضرت کہلا بھیجی کہ کاشی راؤ اور سبھا چند ملازمان ٹاڈ صاحب مانع ہیں صاحب ممدوح (ٹاڈ صاحب) کہ اجمیر میں تشریف رکھتے تھے۔ ویلدر صاحب نے تمام مہاجنوں کو اُن کی خدمت میں بھیجا اور یہ کہ مہاجنوں کو روکنے میں کیا حکمت تھی معلوم نہ ہو سکی سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک صاحبان عالی شان کے کاموں کی مصلحت اور بھیدوں کو ہندوستانی نہیں سمجھ سکتے۔ اگلے دن کھا درہ میں اور وہاں سے شاہ پورہ میں پہونچے۔ راجہ کا لڑکا خداوند عالی کی ملاقات میں کامیاب ہوا۔ کیونکہ راجہ اودے پور میں تھا۔ اگلے دن مقام رہا آقا نے بھی اس کے مکان پر قدم رنجہ فرمایا۔ وہاں سے ہم سادر پہونچے اور وہاں کا سردار خود بدولت کی ملاقات سے سرفراز ہوا۔

ایک ہندو جوگی کا فریب

اسی منزل میں ایک ہندو جوگی آیا جو خوب چالاکی کرتا تھا پہلے ہاتھ خالی دکھاتا پھر مٹھی باندھ کر چند بار کسی ایک چیز کا نام لیتا اور مٹھی کھولتا وہ چیز نکل آتی اور ایک چیز کو لے کر مٹھی بند کرتا۔

اور پھر کھولتا تو وہ چیز غائب ہو جاتی اور کہتا تھا کہ روحانیت کو میں نے قابو میں کر لیا ہے اور بہاری لال باوجودیکہ ہوشیار ہے اور ایک مُدت تک وہ اور ہم ایک جگہ رہے ہیں لیکن ایسے ہی خیالات میں گرفتار ہے میں نے فقیر سے کہا کہ تمہارے آنے کی یہ عرضی میں نے اپنے صاحب کو لکھی ہے اس کو اسی کرامت سے آقا کے پاس پہونچا دو۔ اس سے عاجز رہا اور کہا اس کام کے لئے پہلے سے بے حد پوجا ضروری ہے پھر بھی ہمارے سپاہیوں کے خیالات میں فرق نہ آیا۔ وہاں سے ہم کنکری پہنچے۔

اگلے دن ۱۴ رجمادی الآخر ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۸۲۱ء موافق یکم چیت سمت ۱۸۷۸ بروز دوشنبہ کنکری قیام رہا اس کے بعد دو دن اور اسی جگہ ٹھہرے۔ میر دلاور علی صوبہ دار کا رسالہ رخصت ہوا اور آقا کے تمام لشکر کو مٹھائی دی۔ جمعہ کے دن تہائی میں خیمہ زن ہوئے۔

فسادات گرہ وغیرہ کی تحقیقات

کھروہ اور مسودہ اور دیولیہ کے سردار آئے اتوار کے دن سالم سنگھ جاگیردار ردپا بیلی کو ایک خط اس کی طلبی میں بوردہ کے لوگوں میں تکرار اور کشت و خون کے ولکار کے متعلق مسودہ کے ٹھاکر کے ہاتھ بھیجا گیا۔ دوسرے دن اس نے جواب بھیجا کہ مجھے اودے پور جانا ضروری ہے اپنے چچا جھجار سنگھ کو سری کرشن ملازم ٹاڈ صاحب کے ہمراہ بھیجتا ہوں اگلے دن مقدمہ پیش ہوا۔ علاقہ اجمیر کے تمام سرداروں اور جھجار سنگھ سالم سنگھ کا چچا ساکن اودے پور اور جناب آقا بھی رونق افروز تھے۔ اور حکم ہوا کہ بندہ تحقیقات کرے اور بہاری لال لکھے اور حاضرین دستخط کریں اور ختم ہونے پر نقلیں دہلی اور اودے پور بھیجی جائیں۔

مولوی عبدالقادر کا گواہوں سے اظہار لینا

پہلے بندہ (مولوی عبدالقادر) ہندی لکھنے والے سے کہا کہ ٹھاکر جھجار سنگھ کے نام سوال لکھے کہ آپ اس معرکہ میں تشریف رکھتے تھے یا نہیں اور کاغذ اُن کے حوالے کرنا کہ جواب لکھ دیں۔ اس نے جواب لکھا کہ میں وہاں نہیں تھا اور اپنے بھتیجے کے بجائے کارروائی دیکھنے آیا ہوں۔ سوالات سے معافی چاہتا ہوں اور اس پر دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد دیپ سنگھ سے میں نے کہا کہ بوردہ علاقہ میواڑ کے رہنے والے ایک شخص کو وہاں پر تمہارے ساتھیوں نے کیوں زخمی کیا کیا اجمیر کے صاحب کا حکم اپنے علاقہ کے مفسدوں کے بارے میں جاری تھا۔ اس نے کہا زخمی ہی نہیں کیا بلکہ مار ڈالا اور وہ میرے علاقہ جہاک کا رہنے والا تھا۔ اس بات پر جتنے گواہ چاہیں اسی وقت طلب کر لیں۔ چند آدمیوں کے

نام لکھائے۔ انہوں نے بھی اسی طرح ظاہر کیا۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ سری کشن برہمن سرکاری ملازم ہے اس کو کسی سے سروکار نہیں بطور گواہ کے اس کا اظہار لکھتا ہوں کیونکہ معرکہ میں موجود تھا مستودہ کے سردار نے کہا وہ خود میرا مدعی ہے اسکی گواہی کیا اعتبار رکھے گی۔ میں نے کہا کہ یہ نہ اس ملک کا باشندہ ہے نہ تمہارے برابر کا، اُس کی گواہی تمہارے گواہوں پر ترجیح رکھتی ہے کیونکہ وہ تمہارے متوسل ہیں۔ بالآخر میں نے اس سے پوچھا کہ سچ سچ کہو اس گروہ میں سب لوگ بوروہ اور میواڑ کے تھے یا علاقہ اجمیر اور مارواڑ کے بھی۔ کہا تینوں جگہ کے تھے میں نے کہا ٹاڈ صاحب نے میواڑ کے لوگوں کو اجازت دی تھی یا علاقہ اجمیر کے لوگوں کو بھی۔ کہا صرف میواڑ کے لوگوں کو۔ بلکہ صاحب بہادر نے منع کیا تھا کہ علاقہ اجمیر اور مارواڑ کے کسی شخص کو میواڑ میں آباد نہ ہونے دیں وہاں کے اختیار کا تعلق ہم سے نہیں۔ پھر میں نے پوچھا تو اس شخص کو جسے روپا بیلی کے لوگ بوروہ کا مستودہ کے لوگ جہاک کا بتلاتے ہیں پہچانتا ہے۔ کہا "ہاں"۔ میں نے کہا کیا پہلے بوروہ میں تو نے دیکھا تھا۔ کہا۔ میں اس سے پیشتر گمرہ نہیں آیا۔ میں نے کہا پھر کیسے جانتا ہے کہ وہ بوروہ کا باشندہ تھا یا جہاک کا یا چانگ کا۔ کہا بوروہ کے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ بوروہ کے لوگوں سے گاؤں کی ویرانی سے پیشتر اس کا نام سُنا تھا۔ کہا اس سے پہلے گمرہ کے لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں پڑا صرف یہی کہ اس کے مارے جانے کے بعد بوروہ کے لوگوں نے کہا کہ وہ دہاں کا تھا۔ میں سمجھا سچ کہتے ہوں گے۔ پھر میں نے کہا۔ وہ لوگ گاؤں میں دیپ سنگھ کے بنوائے ہوئے مکانات میں تھے یا جنگل میں۔ کہا جنگل میں۔ میں نے کہا جنگل میں کیا کر رہے تھے۔؟ کہا ابھی تک قسما دھری سے لکھت پڑھت نہیں ہوئی تھی تا کہ گاؤں میں آجاتے۔ میں نے کہا۔ تو اردو پڑھ سکتا ہے اس پر دستخط کر۔ دستخط کر دیئے۔ اور سورت رام وکیل جودھپور اور داتا رام وکیل جے پور اور محکمہ معتمدان کے دوسرے حاضرین نے بھی دستخط کیے۔

۲۳ر جمادی الآخر مطابق ۲۸ر مارچ کو دن بھر تنہائی میں رہے۔ شب کے وقت نصیر آباد کے لشکرگاہ کو کوچ ہوا۔ جمعرات۔ جمعہ اور سنیچر نصیر آباد میں، ۲۷ر ماہ مطابق یکم اپریل کو اتوار کے دن ہم اجمیر پہنچے۔

نواب شمشیر بہادر کا شہزادہ معظم بخت کے آداب بجا لانے سے گریز کرنا

بتاریخ ۶ر رجب سنہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۵ر اپریل سنہ ۱۸۲۱ء کو خواجہ صاحب کے عرس کی مجلس میں نواب شمشیر بہادر۔ مرزا معظم بخت برادر

بادشاہ دہلی[1] آداب و تسلیمات نہیں بجا لائے آقا تک شکایت پہونچی۔ جناب آقا نے نواب ممدوح کے وکیل احسن مرزا خاں کو بلا کر فرمایا کہ خاندانِ تیموریہ کی برتری کو بہ نسبت انگریزوں کے ہندوستانی رؤساء زیادہ جانتے ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ اس ملک میں اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں جبکہ اس خاندان کی ترقی ختم ہو رہی تھی آئے تھے اور ہندیوں نے بابر کے زمانہ سے اس خاندان کی دن دونی ترقی اور ان کے سامنے تمام سرکشان ہند کو سر جھکاتے دیکھا ہے اب اگرچہ روپیہ زمین اور طاقت ان کے قبضہ میں نہیں ہے لیکن نواب گورنر جنرل بہادر تک بھی اس ملک کے تمام لوگوں میں اس گروہ کو تعظیم کے لیے بے حد لائق سمجھتے ہیں۔ شہزادہ کی تعظیم نواب صاحب کی ناموری کا سبب ہے۔ خان موصوف نے جو پرانا جہاندیدہ آدمی اور خاندان تیموریہ کا موروثی نمک خوار ہے جیسا کہ چاہیئے پیام ادا کر دیا لیکن نواب نے کوئی مناسب جواب نہیں دیا۔ اس نے آکر کہا کہ نواب نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ دہلی میں گلی گلی پھرتے ہیں اور میں نے دہلی میں درگاہ قطب صاحب میں بادشاہ کو بھی سلام نہیں کیا شاہزادہ کی تعظیم کی مجھے کیا ضرورت ہے۔ آقا نے فرمایا میری طرف سے سلام پہونچائیں اور کہیں کہ میں نے دوستانہ مشورہ دیا تھا سرکاری حکم نہیں تھا۔ نواب صاحب کو اختیار ہے مگر دوست داری اس پر مجبور کرتی ہے کہ جب تک مجھ سے ہو سکے کسی صاحبِ مرتبہ کے رتبہ میں فروگذاشت نہ ہو۔ میں نواب صاحب سے کچھ نہ کہوں گا۔ البتہ ایسی تدبیر کرنی ضروری ہے کہ جو کوئی مجلس میں شہزادہ کے سامنے آئے لامحالہ آداب بجا لائے۔ اور اس میں بھی تامل ہے کہ ہم لوگ شاہ دہلی کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور نواب صاحب ان کو سلام بھی نہیں کرتے۔ ہم کو بادشاہِ دہلی سے زیادہ نواب کا ادب کرنا چاہیئے۔

پیرزادگانِ درگاہ کی درخواست پر مولوی عبدالقادر کا دوبارہ امین درگاہ مقرر ہونا

اس کے بعد خواجہ بزرگ رح کے خادموں اور پیرزادوں نے درخواست بھیجی کہ نواب شمشیر بہادر جس وقت درگاہ میں آتے ہیں ان کے ہمراہ کثیر سواروں کا ہجوم ہوتا ہے اور یہ ہجوم درگاہ کے سامنے اور آستانہ کے اندر لوگوں کو پریشان کرتا ہے اگر ہر رجب تک مولوی عبدالقادر یہاں کے مہتمم ہو جائیں تو ہمارے اطمینان کا سبب ہے ورنہ ہمیں نواب کی سخت مزاجی سے عزت کا اندیشہ ہے۔ درگاہ کو

[1] اکبر شاہ ثانی المتوفی ۱۸۳۷ء

چھوڑ کر ہم گھر بیٹھ رہیں گے اور پیشتر جو ہم نے مولوی عبدالقادر کی شکایت کی تھی وہ لوگوں کے بہکانے سے کی تھی جس سے اب ہم نادم ہیں۔ آقا نے بہت کچھ حیلہ و حجت کے بعد متوسلان آستانہ کی بے حد التجا پران کے سوال کو منظور کر لیا اور بندہ کے نام حکم لکھا کہ وہاں کے کام کو انجام دو اگرچہ دل نہیں چاہتا تھا مگر چونکہ میں بے عذر نوکر ہوں قبول کر لیا۔

مولوی عبدالقادر کا انتظامِ عرس کرنا

میں نے ایک حکم لکھا کہ چونکہ عرس میں لوگ دور دراز سے یہاں آتے ہیں اور انگریزی سرکار کو ہر طرح ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت منظور ہے اور صاحبِ مہتمم بھی اس عرصہ میں آستانہ کے سامنے سے تیز رفتاری کے ساتھ اپنی سواری نہیں لے جاتے۔ تاکہ کسی کو کوئی صدمہ نہ پہونچے۔ اس بنا پر صدر امین اور مفتیِ عدالت کو ایام عرس ختم ہونے تک حکم ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ یہ مقصد حاصل رہے اور کوتوال، امین درگاہ، ناظرِ عدالت، اکسٹرا صاحب کے سواروں کا افسر اور صوبہ دار انتظام کے متعلق بلا انتظار حکم خاص مولوی عبدالقادر کے کہنے پر عمل کرینگے۔ اور اس حکم کی نقلیں کوتوال۔ امین۔ ناظر۔ افسر سواران۔ صوبہ دار۔ وکیل جودھ پور اور نواب شمشیر بہادر کے معتمد کے پاس کاربند ہونے کے لئے بطور اطلاع بھیجدی گئیں۔ اور میں نے عرض کیا کہ دستخط ہو کر جاری ہو جائے۔ منظور فرمایا اور پسند کیا۔

شہزادہ معظم بخت کے بارے میں نواب شمشیر بہادر کا مولوی عبدالقادر سے مشورہ طلب کرنا اور اسکے مطابق عمل کرنا!

شام کے وقت احسن مرزا خاں صاحب نے بندہ کے پاس تشریف لاکر پوچھا کہ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ اس کام میں تمہارا مشورہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صاحب مہتمم کو گراں خاطر ہے اور مجھے ہرگز شاہزادہ کو سلام منظور نہیں اور ان دنوں میں درگاہ میں جانا ضرور ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں میری بربادی کی صورت آجائیگی میں نے کہا نواب صاحب اشارہ فرمائیں۔ تاکہ میں ان کے سامنے حاضر ہو کر اسکی تدبیر کر سکوں مشغولی کی بابت ادا نہ ہو سکے گا۔ اطاعت اور سررشتہ ملازمت بھی مانع ہے۔ کہا بہتر پھر ایسا ہی کیا آقا نے فرمایا جاؤ۔ میں گیا۔ اور چونکہ یہ تذکرہ تنہائی میں ہوا میں نے کہا جناب عالی فتنہ سے اس قدر پرہیز فرماتے ہیں کہ ملک چھوڑ کر زرِ نقد پر اکتفا کر لیا۔ اتنی سی آسان بات کے لئے اتنی تکرار شایاں نہیں، درگاہ میں تشریف لے جائیں لیکن شاہزادے کے سامنے ہونا ضروری نہیں جس وقت شاہزادہ کے مجلس میں آنے کی خبر ہو جناب

زیارت سے مشرف ہوں اور جس وقت وہ مجلس سے رخصت ہو جناب داخل ہو جائیں۔ فرمایا مجھے یہہ اطلاع کون دے گا؟ میں نے کہا بندہ، راضی ہو گئے میں نے آقا سے آکر کہدیا فرمایا یہی میں چاہتا تھا۔

عرس کے دن خیریت سے گزر گئے۔ ۱۰ رجب مطابق ۱۲ اپریل کو سواران جودھپور کی موجودات ہوئی۔

باب ششم

حالات اودی پور اب اودی پور کے حالات لکھتا ہوں:-

اودی پور میں گھلوت راجپوت رہتے ہیں[1] یہ لوگ ملک برار میں ریاست رکھتے تھے جوان کے قبضہ سے نکل گئی بابا نامی بچہ کو اس کی ماں لے کر میواڑ آگئی اور اس ملک کے رئیس راجہ سرل سنگھ بھیل کے یہاں پناہ لی۔ جب بابا جوان ہوا تو اس نے گلہ بانی اور شکار پیشہ اختیار کیا رفتہ رفتہ راجہ کا مقرب ہوگیا یہاں تک کہ راجہ مرگیا اور کوئی لڑکا نہیں چھوڑا۔ اس کے چاروں بھتیجوں میں گدی نشینی پر اختلاف ہوگیا ان چاروں میں سے ایک کے انگوٹھے میں کانٹا چبھا اور خون نکل آیا اس نے خون صاف کرنے کے لیے وہ انگوٹھا بابا کی پیشانی پر مل دیا سب کہنے لگے کہ پردہ غیب سے بابا کے نام فال نکل آئی کہ راج کے مشورہ میں اس کی پیشانی پر قشقہ لگ گیا۔ راج اسی کے نام رکھنا چاہیے اور اختیار اپنے ہاتھ میں ہونا چاہیے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ چند روز کے بعد اس نے پر و بال نکالے اور ان چاروں کو قتل کرا دیا۔ اس کا لقب راول ہوگیا۔ اس کی اولاد نے سسودیا نام پایا۔

---

[1] یہ لوگ شروع آٹھویں صدی میں چتوڑ پر قبضہ کرنے کے بعد باپا راول کے بیٹے گہل کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے گہلوت کہلائے پھر راہپ کے سسودا گاؤں کو بسا کر وہاں رہنے کے سبب سیسودیہ مشہور ہوئے۔ اس خاندان کا لقب چھوڑ دینے کے بعد راول قرار پایا۔ لیکن شروع چودھویں صدی عیسوی میں راہپ نے منڈور واقع مارواڑ کے رئیس جو رانا کہلاتا تھا شکست دینے سے رانا کا لفظ اپنے نام میں شامل کر لیا۔ بہادر شاہ بن عالمگیر اورنگ زیب کی مہربانی سے مہارانا خطاب حاصل ہوا جس نے امر سنگھ دوم پسر رانا جے سنگھ دوم کے نام پر رانا کے بجائے مہارانا کا لفظ اپنے فرامین وغیرہ میں لکھنا جاری۔

(تاریخ راجگان ہند جلد اول ص۱۰۱)

آئین اکبری کی غلطی

آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے کہ یہ لوگ اپنے کو نوشیرواں ایرانی کی اولاد سے سمجھتے ہیں یہ محض غلطی ہے۔ ابوالفضل پر تعجب ہے اس نے یہ بات کیسے لکھدی کیونکہ ان کے نسب نامے میں سورج بنسی درج ہے اور ہندوستان کے دوسرے راجپوتوں سے برضامندی شادی بیاہ اور قرابت ہوتی ہے حالانکہ ہنود بحالت اختیار دوسری قوم سے ہرگز رشتہ نہیں کرتے اور اگر زبردستی ہوجائے تو اس کی لڑکی نہیں لیتے اور حسب موقع ترک کردیتے ہیں اور وہ لوگ ایسی بات کو گالی سمجھتے ہیں۔

غلطی کی بنا یہ ہے کہ ان کے ایک رئیس نے ایک دن میں نو شیر مارے۔ اور واں ہندی میں نسبت کا لفظ ہے۔ جیسے بدھ وان یعنی صاحبِ عقل، اس کو نوسیہ واں کہنے لگے۔ چارن اور بھاٹوں نے ہندی اور فارسی زبانوں کو خلط ملط کرکے نوشیرواں کردیا۔ میں نے اس کی اودی پور میں تحقیق کی ہے۔ اس کے بعد رانا لقب پایا۔ ڈیڑھ ہزار برس کے عرصہ سے اسی سرزمین میں بودوباش رکھتے ہیں۔

سلطان بہادر گجراتی نے ماہ رمضان ۹۴۱ھ میں قلعہ چتوڑ کو ایک مہینہ سے کم مدت میں لے لیا[1] اور پھر سلاطینِ تیموریہ کے عہد میں زیادہ تر تباہی میں رہے اور کول میر کی پہاڑیوں میں بسر کرتے رہے۔ جنوبیوں کے زمانہ میں بھی ان کی ریاست سست رہی۔ اور اکثر ملک ویران ہوگیا۔ اب سرکار انگریزی کے زمانہ میں چھ آنے فی روپیہ حق سرکار ان کے ملک میں ہے۔ رانا کے بھائیوں میں ٹھاکر سلومر تبہ میں سب سے زیادہ ہے۔ راج کی پگڑی بھی اس کے سر پر رانا کے سامنے رہتی ہے۔

رانا بھیم سنگھ والی اودی پور

رانا بھیم سنگھ ہمارے جانے کے وقت اودی پور میں تھا۔ خرچ میں بلند ہمت، اکثر شام کو اپنے مکان سے باہر گھوڑا دوڑاتا، اگر کوئی راستہ میں اس کے گھوڑے کی تعریف کرتا تو گھوڑے سے اتر کر گھوڑا معہ سازو سامان اس کو دے دیتا۔ گھوڑے کی سواری کا شوق بے حد رکھتا تھا۔ اس کے خاصے کے گھوڑے عمدگی میں راجاؤں میں مشہور تھے لیکن چنداں دانشمند نہ تھا[2]

---

[1] اسکی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ مہاراجگان ہند جلد اول صفحہ ۱۴۹-۱۵۰

[2] مہارانا بھیم سنگھ دوم سمبت ۱۸۳۲ مطابق ۱۱۸۵ھ میں جبکہ اس کی عمر نو برس کی تھی گدی پر بیٹھا اس کے پچاس سالہ عہد میں بڑے تغیرات اور خرابیاں پیش آئیں۔ اسکے زمانہ میں پنڈاریوں کا زور بڑھا ۱۸۲۸ء میں رانا بھیم سنگھ نے پچاس برس اجرتک ساتھ حکومت کرکے انتقال کیا۔ تاریخ مہاراجگان ہند جلد اول صفحہ ۲۰۳، ۲۱۹

اس کے لڑکے جوان سنگھ کی شادی راجہ ریوان کی لڑکی سے ہوئی۔ اور مسند نشینی کے وقت اس کی پیشانی پر قشقہ بھیل نے اپنے انگوٹھے کے خون سے لگایا۔

رانا اودے پور کی ایک طفلانہ حرکت!

مہارانا جوان سنگھ[1] دسہرہ کے دن دہلی کی طرف لشکر کشی کرتا ہے پھر لوگ اس کو منت سے واپس کرتے ہیں اور اس کی تعریف میں بکتے ہیں "دلی کا دعوے دار، ترکوں کا کاٹن ہار" یعنی تخت دہلی کا مدعی اور مسلمانوں کا قاتل اور اس کے بستر پر گھاس ڈالتے ہیں شام کو بجائے چراغ کے پہلے گھاس جلاتے ہیں وہ کھانا درختوں کے پتوں پر کھاتا ہے پھٹی ہوئی پگڑی سر پر لپیٹتا ہے یعنی جب تک دہلی نہ لے گا جس قدر مصیبتیں برداشت کی ہیں فراموش نہیں کرے گا۔

اس کا ملک سیر حاصل (یعنی سرسبز وشاداب) اور غلہ اتنی کثرت سے پیدا ہوتا ہو کہ ایک بیگہ میں پچاس من کا اندازہ ہے۔ حسن صورت بھی وہاں بہت ہے۔

ناڈ صاحب کا منشی، کرم رحمان سندیلہ علاقہ لکھنؤ کا باشندہ ہے اس کا بھائی عزیز الدین گلیار کی رزیڈنسی کا منشی ہے اپنے کو سید بتاتا ہے۔ فارسی لکھنے پڑھنے کا ربط رکھتا ہے شکستہ خط خوب لکھتا ہے ہندرابن قوم ڈھوسر ساکن ریواڑی اس کا پیشکار تھا لیکن اکثر ناڈ صاحب اس کو اپنے سامنے بلاتے، کاب صاحب کے زمانہ میں منشی معزول ہو کر وطن چلا گیا۔

نواب شمشیر بہادر رئیس باندہ

نواب شمشیر بہادر پونا کے پیشواؤں کی نسل سے ایک مسلمان عورت کے شکم سے ہے اسکے دادا نے شمشیر بہادر نام پایا۔ ملک بندیل اور شہر باندہ اس کو ملا۔ شمشیر بہادر (اول) کے بعد اس کا لڑکا غنی بہادر باپ کی جگہ ہوا۔ اس کا بھائی علی بہادر اس کا تابع رہا جب علی بہادر مرا تو بندیل کھنڈ میں اس کا چھوٹا لڑکا ذوالفقار بہادر تھا غنی بہادر نے اسی کو مسند پر بٹھایا جب بڑا بیٹا شمشیر بہادر دکن سے آیا تو ذوالفقار بہادر نے باپ کی جگہ اس کو چھوڑ دی، غنی بہادر ماہ ذیقعدہ میں بھتیجے کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ذوالفقار بہادر بھائی کا بے حد فرماں بردار تھا لیکن بھائی عید کے دن اس کو مسند پر بٹھاتا اور نذر دیتا تھا

---

[1] مہارانا جوان سنگھ ۱۸۲۸ء میں مسند نشین ہوا نہایت بد اطوار تھا ہمیشہ عیش و عشرت میں معروف رہتا تھا ریاست کی حالت سخت ابتر ہو گئی۔ ۱۸۳۸ء میں دس برس حکومت کر کے لاولد فوت ہوا۔ تاریخ راجگان ہند جلد اول ۲۱۹ تا ۲۲۰

شمشیر بہادر سے جب سرکار انگریزی نے کہا کہ تھوڑی سی فوج اور ایک انگریز (مشیر) کا اپنے ملک میں رکھنا قبول کر لے تو وہ لشکر آراستہ کر کے جنگ کے لئے صف بستہ ہو گیا انگریزی فوج کو دیکھ کر بے لڑے پیچھے ہٹ گیا اور پیام بھیجا میں نے منظور کر لیا، اس طرف سے پیام ہوا کہ اب خرچ بھی دینا پڑے گا۔ پھر جنگی سامان کے ساتھ مقابلہ ہوا اور پہلے کی طرح پھر گیا اور اس کو بھی قبول کر لیا۔ پھر اس طرف سے کہا گیا کہ نقد رقم منظور کرو۔ اور ملک ہمیں چھوڑ دو۔ پھر اس پر صلح ہوئی کہ ایک ہزار سات سو روپیہ روزانہ لے لے باندہ کے حدود متعین ہو جائیں گے۔ جہاں عدالتی احکام (انگریزی کی طرف سے) جاری ہونگے۔

شمشیر بہادر ملاقات میں خوب آدمی تھا مگر عجب شخص تھا قرآن۔ نماز اور شراب و کباب سب کو جمع کرتا تھا۔ بہت غصہ ور۔ تنگ مزاج اور ناعاقبت اندیش تھا۔ امیرانہ ٹھاٹھ اور جلوس کی شان و شوکت کا سامان مقدور سے زیادہ رکھتا تھا۔ ذی عزت لوگوں کی خاطر داری بہت کرتا تھا۔ احسن مرزا خان خاندانی سردار زادہ اور اس کے باپ کے رفیقوں میں سے ہے اس کا لحاظ پاس بہت کرتا تھا۔ مخاطبت میں بھی خان صاحب کہتا تھا۔ نواب ممدوح نے ۲۲ رجب ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۵ اپریل ۱۸۲۱ء کو سفر آخرت کیا۔

راجہ انبارہ کا انتقال

۷ شعبان ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۸۲۱ء کو معلوم ہوا کہ راجہ انبارہ فوت ہو گیا۔ اور اسکا بھتیجا فتح سنگھ اس کی جگہ بیٹھا۔ کیونکہ اس کا لڑکا ظالم سنگھ اس کی لیاقت نہیں رکھتا تھا۔

شجاع الملک والی کابل کی اجمیر میں آمد

۱۱ شعبان ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۸۲۱ء کو شجاع الملک کابل کا پہلا بادشاہ سندھ سے براہ جیسلمیر و جودھپور اجمیر پہنچا۔ اور اس کا میر منشی مرزا عبدالحلیم آقا (ولیدم) سے ملاقات کے لئے آیا۔ بندہ بادشاہ کے حضور میں گیا۔ میں نے کیوڑہ اور گلاب کے شیشے اور مصری کے کوزے آقا کی طرف سے پہنچائے اور آقا کے نہ آنے کا عذر جو صاحب رزیڈنٹ دہلی کی اجازت پر موقوف ہے گزارش کیا۔

بادشاہ کے حضور میں سلام کی رسم یہ ہے کہ جب بادشاہ کے سامنے جاتے ہیں تو پشت دست کو پیشانی پر رکھتے ہیں اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتے ہیں۔ بادشاہ بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے پہلے بادشاہ دعا ختم کرتا ہے اس کے بعد دوسرے۔ پشت خم نہیں کرتے بندہ بادشاہ کی ضروریات کی

خبرگیری کے لئے متعین ہوا۔ اگلے دن اس کے ہمراہ درگاہ خواجہ کے آستانہ میں گیا اور ۱۵ ماہ شعبان مطابق ۱۸ مئی کو آقا نے بادشاہ کے میرمنشی کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ بادشاہ کی شام کے وقت روانگی ہوئی۔ اور اس کا خط بنام جنرل صاحب (اکٹرلونی) دہلی کو میں نے ڈاک سے روانہ کیا۔

فسادات ٹگرہ کے سلسلہ میں مولوی عبدالقادر کی طلبی!

۱۱ شعبان ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۸۲۱ء کو کپتان صاحب کے پاس ٹگرہ جانے کا حکم ہوا۔ جو اس راہ سے گزر رہے تھے، ٹاڈ صاحب نے تحقیقات اور قبضہ کے لئے بنہائی کا مقام قرار دیا تھا۔ میں مقدمہ کے کاغذات لے کر گیا۔ ۲۳ شعبان مطابق ۲۶ مئی کو مقام جامولہ میں ملاقات ہوئی۔ صاحب ممدوح نے عدیم الفرصتی کا عذر کر کے صاحب مہتمم کو لکھا اور میں اجمیر آگیا۔ ۷ رمضان ۸ جون کو آقا نے رئیس جودھپور کی استدعا پر جنرل صاحب (اکٹرلونی) اور ٹاڈ صاحب کو اطلاع فرمائی۔

شجاع الملک والیِ کابل

شجاع الملک خلف تیمور شاہ خلف احمد شاہ درانی ہے۔ احمد شاہ دُرّانی نادر شاہ کے چوبداروں کا افسر تھا۔ رفتہ رفتہ بارہ ہزار سواروں کا سردار ہو گیا۔ اور روز بروز ترقیاں کرتا رہا۔

نادر شاہ کے قتل کے بعد قزلباشوں اور افغانوں کے اتفاق سے اس کو ملک کابل وغیرہ کا تاج شاہی مل گیا[۱]۔ چند بار ہندوستان آیا اور شاہجہاں آباد کو تاراج کیا اور بہاؤ مرہٹہ کو شکست دی یہ ماجرا ۱۷۶۱ء بمقام پانی پت ہوا تھا[۲]۔

احمد شاہ درانی کے بعد اس کا لڑکا تیمور شاہ اس کی جگہ بیٹھا[۳]۔ اس کے بعد اس کا لڑکا زماں شاہ، اس کے بعد اس کا باپ شریک بڑا بھائی محمود شاہ آیا اور اس کو اندھا کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا اور اس کو تشیع کی تہمت لگا کر زماں شاہ کے چھوٹے بھائی شجاع الملک کو شاہی کے لئے اختیار کیا۔ وہ بھاگ کر ہرات چلا گیا۔ اس کے بعد

---

[۱] افغانوں نے پنچایت کے ذریعے احمد شاہ دُرّانی کو اپنا بادشاہ مقرر کیا۔ انتخاب اکتوبر ۱۷۴۷ء میں قندھار میں ہوا۔ جون ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ دُرّانی کا انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو "ہسٹری آف افغانستان" از کرنل جی۔ بی۔ میلیسن لندن ۱۸۷۸ء ص۲۵۳

[۲] پانی پت کی مشہور تیسری لڑائی کی طرف اشارہ ہے جو ۱۷۶۱ء میں پانی پت میں واقع ہوئی جس میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔

[۳] تیمور شاہ، احمد شاہ ابدالی کے آٹھ بیٹوں میں سے دوسرا فرزند تھا۔ تیمور شاہ کا انتقال ۲۰ مئی ۱۷۹۳ء کو ہوا۔

شجاع الملک کے سالے محمد عظیم خاں نے اس کو بلایا تاکہ قید کر دے۔ ایوب کو برائے نام بادشاہ بنا دیا۔ اس نے وہاں سے بھاگ کر رنجیت سنگھ کے یہاں پناہ لی۔ رنجیت سنگھ نے اس کو مع اس کے حرم سرا کے نظر بند کر دیا کوہ نور نامی الماس اس سے زبردستی چھین لیا مگر پھر بھی نہ چھوڑا۔ اس نے پہلے اپنے حرم کو نقب سے باہر نکال کر لدھیانہ پہونچا دیا اس کے بعد اس کی قید میں سختی ہوگئی۔ رات کے وقت خود بیت الخلا میں گیا اور اپنا لباس اپنے خدمتگار کو دیا تاکہ اس کی جگہ آکر سو جائے اور بالاخانہ کی چھت پھاڑ کر نقب کی راہ سے شہر کی ایک مسجد میں آیا اس کے رفیق وہاں سے شہر پناہ کی فصیل کے اوپر سے اسے شہر کے باہر لے گئے۔ وہاں سے ملاحوں کو امید و بیم کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا کر دریا کو عبور کیا اور بھاگ کر لدھیانہ پہنچا۔ یہ تفصیل کہ کس گھر سے نکلا اور کہاں عبور کیا اور کہاں راستہ میں ٹھہرا اس کا لکھنا مناسب نہیں یہ راز میں ہے اور کئی آدمیوں کی آفت کا سبب ہے۔

شجاع الملک مرد خوش رو، ہوشیار، باریک شنگرفی قلم سے نستعلیق خوب لکھتا ہے۔ شاعر اور خوش گفتار ہے مگر رحم اس کے دل میں بہت کم ہے۔ گناہ سے درگزر کرنا شاید ہی جانتا ہو۔

چند دیگر واقعات

بتاریخ ۱۶ ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۲۱ء کو نصیر آباد کے گودام کا گماشتہ بھوتی پرشاد معزول ہوا۔ اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔

۱۶ ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۲۱ء کو خادمان درگاہ نے عرضی دی کہ ہوکران اور کشن پورہ درگاہ کے اوقاف میں تھے پیرزادہ ان پر جبریہ قابض ہے۔

۵ محرم ۱۲۳۷ھ روز چہارشنبہ مطابق ۳ اکتوبر ۱۸۲۱ء کو راجہ ہناری کی طلبی کا حکم اپنے جاگیردار بھائیوں کے کشت و خون کی علت میں جاری ہوا۔

بتاریخ ۸ محرم ۱۲۳۷ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۸۲۱ء کو رانا ظالم سنگھ مختار ریاست جھالا کی حمایت میں وہاں کے راجہ کے ساتھ سرکار کی جنگ اور صاحبان انگریز اور راجہ کے بھائی کے مارے جانے کی خبر پہنچی اور اس معرکہ میں سواروں کے ایک رسالہ کی نمک حرامی واضح ہوئی۔

بتاریخ ۱۰ محرم مطابق ۸ اکتوبر کو راجہ تنہائی میں حاضر ہوا۔ ۱۸ محرم مطابق ۱۶ اکتوبر کو معلوم ہوا کہ راجہ

سلہ احمد شاہ ابدالی کے جانشینوں کے آپس کے جھگڑوں کے متعلق دیکھئے ہسٹری آف افغانستان صفحہ ۳ تا ۳۴۶

کشور سنگھ سرکاری حکم سے جے پور سے نکال دیا گیا اور ۲۱ محرم مطابق ۱۹ اکتوبر کو ریاست جودھپور اور کشن گڑھ کو جنرل صاحب (آکٹرلونی) کا حکم پہونچا کہ اگر کشور سنگھ راجہ کوٹہ ان کے علاقہ میں آوے تو معمولی مراسم بھی ترک کر دیے جائیں۔

بتاریخ ۹ صفر مطابق ۱۶ نومبر کو اسٹوارٹ صاحب پہکر کے میلہ کے لئے اجمیر میں آئے۔ ۱۲ صفر مطابق ۱۹ نومبر کو اسٹوارٹ صاحب نے جے پور کو روانگی فرمائی۔ بتاریخ ۱۳ جمادی الآخر ۱۲۳۷ھ مطابق ۶ فروری ۱۸۲۲ء کو راجہ کلیان سنگھ کی قید میں دلیپ سنگھ مدعی راج روپ نگر کے مرنے کی اچانک خبر پہونچی، اور یہ بات مشتہر ہوئی کہ راجہ کشن گڑھ نے اس کو زہر دلوایا۔ ۷ رجب ۱۲۳۷ھ مطابق ۲ مارچ ۱۸۲۲ء کو گرد شہر کے پاسران، کھوکرا، توسر اور سوملپور کی قوم چیتہ کی پاسبانی کا حکم بنام بندہ (مولوی عبدالقادر) صادر ہوا۔ کیونکہ یہ لوگ نافرمانی کرتے تھے اور چند مرتبہ دھوکا دہی کا مظاہرہ بھی کر چکے تھے میں نے یہ کام انجام کو پہونچایا۔

فسادات مگرہ کی تحقیقات حسب تحریر ناؤ صاحب روبکار اور تحقیقات مواضع مگرہ کے لئے میواڑ آئی تھی۔ اور آقا کے حکم سے بتاریخ ۲۶ مطابق ۲۱ مارچ کو ہم صورت لام بہایس وکیل جودھپور اور میر جلال الدین کے ساتھ روانہ ہو کر بروز اتوار بتاریخ ۲۹ مطابق ۲۴ مارچ کو مادی گاؤں پہونچے یہ گاؤں ویران اور بے آب و دانہ تھا۔ اس طرف سے کوئی نہیں آیا اور کھانے پینے کی تکلیف برداشت کر کے بروز چہارشنبہ ۳ رجب ۱۲۳۷ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء کو ہم واپس ہو کر بیاور میں آگئے اور اگلے دن اجمیر پہونچ گئے۔ بتاریخ ۷ مطابق ۳۱ مارچ کو مرزا معظم بخت شاہزادہ کی رخصت کے لئے میں حاضر ہوا۔

پھر بتاریخ ۱۶ رجب مطابق ۹ اپریل کو حسب درخواست منشی کرم رحمان آقا کا حکم جانے کے لئے نافذ ہوا۔ اور بتاریخ ۲۲ مطابق ۱۵ اپریل کو ہم مسعودہ پہنچے اور ۲۵ مطابق ۱۸ اپریل کو منشی کرم رحمان مسعودہ پہونچے اور یہاں کے مواضعات کا فیصلہ چھوڑ کر منشی موصوف ہم کو دیولیہ اور کوٹڑی لے گئے وہاں پر پہلے میں نے یہ روبکار دریافت کیا کہ چند چیزیں متعین ہو جائیں تاکہ تحقیق فائدہ بخش ہو اول یہ کہ عہدنامہ سے پیشتر قبضہ قابض کی ملکیت کو مفید ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین پر قبضہ کا نام لگان لینا زراعت کرنا، کنواں بنوانا ہے یا اور کوئی چیز، اور گاؤں کے ان لوگوں میں تکرار ہو جو دوسرے فرماں روا کے زیر فرمان ہو تو جانبین سے

کس طرف کی گواہی منظور ہوگی۔ کہا کہ اس کا جواب لکھنا ٹاڈ صاحب اور راناصاحب کی اجازت پر موقوف ہے۔ روبکار کریں حق پوشیدہ نہیں رہے گا۔ میں نے کہا دردسری ہے مگر دوستوں کی خاطر یہ بھی منظور ہے۔ اگلے دن منشی نے کہا کہ پہلے دیولیہ اور برلی کے زمینداروں کا اظہار لے لیا جائے۔ میں نے کہا کہ وہ لوگ قابض ہیں دعویٰ میواڑ کی جانب سے ہے۔ پہلے کوٹری والوں کے اظہار چاہئیں تاکہ وہ جواب دیں۔ کہا نہیں میواڑ کے لوگ قابض ہیں۔ میں نے کہا پھر تو قبضہ ہوگیا برلی والے اور دیولیہ والے کوئی درخواست نہیں رکھتے اس گفتگو میں برلی کے وکیل نے بھی ایک بات کہی اور منشی نے اس کو برا بھلا کہا وہ بھی برہم ہوا۔ میں نے دیکھا کہ فساد ہوجائے گا وکیل سے میں نے کہا کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ میں اور منشی صاحب دونوں آبرو کا پاس رکھتے ہیں اور ذی عزت ہیں پھر کیوں کسی کو سخت بات کہتا ہے کیونکہ اگر اس نے یہی کہی تو کیا کرے گا۔ اس لئے کہ انگریزی حکومت سے پیشتر اس ملک میں تمہاری مدد کے بغیر ہم لوگ راستہ نہیں چل سکتے تھے اپنی قوت تو معلوم ہے اور صاحبانِ انگریز ہرگز نہ کہیں گے کہ فارسی خواں معزز ملازم نے کسی کو گالی دی تو خوب کیا اور تم کہ ہندی پڑھے ہو کیوں جواب دیا۔ اسی گفت و شنید میں جنرل صاحب کا حکم پہونچا کہ یہ فیصلہ میں خود کروں گا اور منشی کی طلبی میں ٹاڈ صاحب کا حکم پہونچا۔ صاحب ممدوح (ویلڈر) نے صدر کے حکم کی بنا پر اس علاقہ سے کنارہ کشی کی اور روانگی کی تیاری میں مشغول ہوگئے۔ منشی صاحب نے اودے پور اور ہم لوگوں نے اجمیر کا راستہ لیا۔

کپتان ہال | بتاریخ ۱۶ شعبان مطابق ۷ مئی کو گمرہ کی سیاست اور تحصیل کپتان ہال صاحب کے متعلق ہوگئی صاحب ممدوح ہوشیار اور راستہ اور مکان کے نقشہ میں چالاک رعب دار اور تالیف قلوب میں صاحب سلیقہ، زمانہ ساز، مردم شناس اور محتاط ہیں جب تک ویلڈر صاحب کوہستان نہیں گئے تھے دونوں صاحب برادرانہ ربط رکھتے تھے۔ کوہستان سے واپسی کے بعد اس ربط میں کمی نظر آئی اجمیر میں ہر امر میں احکام بندہ (مولوی عبدالقادر) کے نام صادر ہوتے تھے اور تمام باتیں مجھ سے دریافت کرکے ہوتی تھیں۔ اس کے بعد جبلپور اور ناگپور میں مجھ جیسا تو کیا آقا کے نام بھی کوئی تحریر میں نے کم دیکھی۔

جان رسل کلارک | بتاریخ ۱۱ شوال ۱۲۳۷ھ مطابق یکم جولائی ۱۸۲۲ء روز دوشنبہ کو جارج رسل کلارک صاحب جو جنرل صاحب کا اسسٹنٹ تھا اجمیر میں چھوٹا صاحب (اسسٹنٹ ریزیڈنٹ) ہوگیا اور منشی امیر علی جو سندیلہ کے سادات میں سے تھا۔ چھوٹے صاحب کے ساتھ آیا۔ تیسرے دن بندہ مشرف

ملاقات کے لئے پہونچا۔ بتاریخ ۱۵ر مطابق ۵ر جولائی کو چھوٹا صاحب محکمہ میں آیا۔ چونکہ ضلع میں کوئی آئین نہ تھا ایک مجرم کو صرف سر رشتہ کے اظہار پر باوجود اس کے انکار کے اپنے سامنے دو سال کی قید کا حکم دے دیا صاحب ممدوح روزانہ ایک عرصہ تک بندہ کو یاد فرماتے تھے۔ تمام عرضیاں چھوٹے صاحب کے سامنے گزرتیں وہ ان پر مناسب حکم دیتے تھے جس پر بڑے صاحب کا حکم مناسب سمجھتے بڑے صاحب کی خدمت میں بھیجدیتے اور بڑے صاحب نے صرف پیر کا دن اپنے محکمہ کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ بتاریخ ۵ر ذی قعدہ مطابق ۲۵ر جولائی کو بڑے صاحب کا مشاہرہ تین ہزار روپیہ مقرر ہوا۔ اور ٹھاکران مارواڑ کے قصور کی معافی کے لئے سرکار کی مرضی سے بایں صورت رام وکیل جودھپور کی زبانی مہاراجہ مان سنگھ کو اشارہ ہوا وہاں سے نامنظوری کا جواب پہونچا۔

مقدمہ بیاور

۲۳ر ذی الحجہ مطابق ۱۰ر ستمبر کو بابت روبکار مقدمہ بیاور، جو سرکار کے قبضہ میں ہے اور اس کے مدعی رئیسان مارواڑ اور میواڑ تھے۔ کپتان ہال صاحب کی طرف سے بندہ کو جانے کا حکم نافذ ہوا۔ بتاریخ ۲۵ر مطابق ۱۲ر ستمبر کو میں بیاور پہنچا۔ اگلے دن دو روبکار ہوئے۔ پہلے میواڑ کے لوگوں نے اپنا دعویٰ کیا اور ایک کاغذ پیش کیا جس میں یہ مضمون تھا کہ فلاں ٹھاکر کو رانا جیو نے فلاں جاگیر تعلقہ بیاور، براہ کمال مہربانی اور پرورش عطا کی۔ ایک دوسرا کاغذ اور تھا جس کی تحریر سنہ کے اعتبار سے پہلے کاغذ کے ایک سال بعد کی تھی۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ بیاور ویران پڑا ہے تم اس کے آباد کرنے میں فلاں ٹھاکر کے مددگار رہو۔ میں نے کہا ان دونوں کاغذوں میں سے ایک غلط ہے۔ کیونکہ ویران پرگنہ کو آباد کے عوض دینا پرورش نہیں۔ مارواڑ کے وکیل نے ان کاغذوں کو دیکھ کر کہا کہ یہ تازہ لکھا گیا ہے۔ میواڑ کے مختاروں نے کہا کہ رانا صاحب کی سرکار میں اتنے پرانے سادہ کاغذ بیاور کا دعویٰ لکھنے کے لئے رکھے تھے صاحب غور فرمائیں مارواڑ کا وکیل جواب نہ دے سکا۔ میں نے کہا کہ اگر کاغذ کی پشت پر لکھدیا ہوا اور دوسری جانب جو سادہ تھی اب لکھدیں تو کیا تعجب ہے اور اس کاغذ کی پشت پر نیا کاغذ چسپاں کیا ہے اسے علیحدہ کریں تاکہ معلوم ہو جائے۔ صاحب ممدوح نے جب سورج کی طرف کرکے دیکھا تو کاغذ کے اُس جانب کے حروف نظر آئے۔ میواڑ کے لوگوں سے کہا کہ تم چاہو تو سفید کاغذ جو کاغذ کی پشت پر ہے جدا کروں۔ انہوں نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ یہ کام رانا جیو کی اجازت پر موقوف ہے۔

پھر تین قطعے دوسرے پیش کئے دو ٹھاکر مسعودہ کے چچا سے منسوب تھے اور ایک کاغذ ایک جوگی سے منسوب تھا جو قریب کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ پوچھا کہ اس کا کیا جواب ہے کہ ان لوگوں نے بیاور کو انہی رانا صاحب کا لکھا ہے، میں نے کہا لکھنے والے زندہ ہیں ان سے پوچھنا چاہیئے۔ ٹھاکر مسعودہ کے چچا کو دو قطعے دکھائے ایک اس کی طرف سے بنام سالم سنگھ ٹھاکر روبا۔ ٹھل کہ سرکار رانا جیو سے تعلق بیاور کو اسے اجارہ پر دلائے اور دوسرا اسی مضمون کا بنام مہارانی رانا جیو۔اول کے متعلق کہا کہ ٹھاکر موصوف کی نوشت و خواند مجھے تسلیم نہیں۔ ایک مدت سے میرے اور اس کے درمیان دشمنی ہے کہ ایک دوسرے کے نقصان کا خواہاں ہے میری جانب سے اس کو ایسا لکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور دوسرے کے متعلق کہا کہ ہاں مہارانی کو میں نے لکھا تھا کہ اگر بیاور نہیں انگریزی سرکار سے مرحمت ہو جائے تو نہ مجھے مستاجر رکھ لیں اور اس تحریر کی بھی رانا جیو کے ملازم جودھا رام کے کہنے پر میں نے اجازت دے دی تھی جودھا رام نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے کیونکہ وہ کہتا تھا کہ لاڈ صاحب نے صدر کو لکھا ہے کہ بیاور سرکار اودے پور کو دلا دیں۔

جوگی خود نہیں آیا اور کہا کہ اگر مجھے کھینچ کر لے جائیں تو مجبور ہوں ورنہ میں نہیں جاؤں گا۔ دوسرا جوگی اس کی طرف سے آیا اس کی تحریر دیکھی گئی جودھپور کے وکیل نے کہا کہ جودھا رام کی تحریر ہے اور جودھا رام تھا۔ جوگی کے فرستادہ نے کہا میرے مرشد نے کچھ نہیں لکھا ہاں ایک دن جودھا رام وہاں جا بیٹھا تھا اور باتیں کر رہا تھا اور کچھ لکھ رہا تھا۔ تینوں تحریروں کی پیشانی پر لفظ سری چھتر جیو تھا جو کہ بیاس صورت رام کے پڑھنے سے میرے سننے میں آیا۔ میں نے جوگی سے کہا کہ تم پیشانی پر چھتر بھوج لکھو۔ اس نے کہا میں رام اور چھتر بھوج وغیرہ کسی کو نہیں جانتا صرف سری جلندر ناتھ لکھتا ہوں میں نے کہا کہ یہ تحریریں میواڑ کے رہنے والوں کے ہاتھ کی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی عادت کے موافق یہ لفظ لکھا ہے ورنہ جوگی لوگ "جلندر ناتھ" اور اجمیر کے راجپوت "رام" لکھتے ہیں۔ اور نیز ایک خط میں جس کو دیبی سنگھ کی طرف سے مہارانی رانا جیو کو ظاہر کرتے تھے لفظ "راٹھور" تھا۔

میں نے کہا کہ دوسرے راٹھور لوگ اپنی قوم کی لڑکیوں کو جے پور اور اودے پور میں ہوں راٹھور لکھتے ہیں سب یک زبان ہو کر کہنے لگے بائی صاحبہ یعنی بہن لکھتے ہیں۔ میں نے کہا یہ دوسرا قرینہ ہے کہ یہ خط راٹھور کا لکھا ہوا نہیں رانا جیو کے ملازم کی تحریر ہے۔ پھر جودھپور کے وکیل نے کہا کہ دیا مالیہ

حاکم سے پوچھیں اور اس کی کتاب میں دیکھیں۔ اس میں تھا کہ فلاں مدت تک جودھ پور کا قبضہ رہا اس کے بعد شاہی فوج نے اجمیر سے پہنچکر اس کو ویران کر دیا پھر وہ ویران ہی رہا حتیٰ کہ صاحبانِ انگریز نے آباد کیا۔ میں نے پہلے میواڑ کے آدمی سے کہا کہ اس کا جواب دیں کہ اس کی کتاب کا کیا اعتبار ہے؟ اس نے ان کی طرف رُخ کر کے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے تو جودھا رام نے کیوں ہمیں خطوط لکھے کہ بیاور کا حال اپنی کتاب میں دیکھ لیں۔

پھر میواڑ کے ایک دوسرے شخص نے کہا کہ یہاں رانا کا نام کھرچ کر نئے مہاراجہ کا نام بنایا معلوم ہوتا ہے اور ویرانی سے پہلے اودے پور کا قبضہ تھا۔ ال صاحب نے کہا کہ تو کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں فرمایا کیا؟ میں نے کہا کہ مارواڑ اور میواڑ کے رئیسوں سے دریافت کر کے تحریر فرمائیں کہ عہد نامہ سے پیشتر کتنے دنوں کے قبضہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ پوچھا کہ اس سے کیا فائدہ؟ میں نے کہا چتوڑ کے زمانہ سلطنت میں پرگنہ اجمیر کے شامل تھا کہ انہوں نے ایک بڑے علاقہ میں سے اس کو خواجہ صاحب کی درگاہ کے لئے وقف کیا تھا اور سوجت اور میرٹھ بادشاہ کے متعلق رہا۔ اور سانبھر راؤ سیندھیا کے عہد دولت تک اجمیر کے متعلق تھا۔ مہاراجہ بھیم سنگھ نے اس میں دخل کر لیا ہے۔ میں سرکار کی طرف سے ان مقامات کا دعویٰ کروں گا۔ صاحب نے پوچھا ان لوگوں نے کہا پانچ چھ سال۔ میں نے کہا دونوں کہتے ہیں کہ بیاور صوبہ اجمیر پر جب دن سے ویران ہوا ہے مارواڑ اور میواڑ کا اس میں دخل نہیں ہوا۔ اگر یہ قبضہ نہیں ہے تو پھر زمین پر قبضہ کیا ہے پھر وکیل جودھپور نے عموی خان حاکم کو طلب کیا اور صاحب سے کہا کہ اس سے دریافت کیا جائے کہ جب محمد شاہ خاں بیاور میں قلعہ بنا رہا تھا اس نے مہاراجہ مان سنگھ کو کیا لکھا تھا اس سے پوچھا اس نے کہا کہ میں نے لکھا تھا کہ یہ مکان مہاراج کا ہے۔ اس کو منع فرمایا کہ قلعہ نہ بنائے۔ ہمیں نقصان پہونچے گا۔ صاحب نے بندہ (مولوی عبدالقادر) سے فرمایا کہ کچھ پوچھتے ہو میں نے کہا ایک سوال ہے فرمایا اب کچھ پوچھنا نہیں میں نے کہا گزارش اگر پسند نہ آئے چھوڑ دیں فرمایا کہو میں نے کہا اس گواہ سے پوچھیں کہ تو نے براہ ادب لکھا تھا کہ بیاور مہاراج کا ہے یا درحقیقت جانتا تھا کہ بیاور مہاراج کا ہے کہا میں نے ازراہِ ادب اپنی حمایت میں لکھا تھا ورنہ بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے یہی سنا ہے کہ ہمارے بڑوں کی درخواست پر فوج نے اجمیر آ کر بیاور کو ویران کر دیا تھا۔ راجپوت قوم راٹھور کو جو ادوی تو

سے آگرا آباد ہو گئے تھے نکال دیا پھر وکیل جودھپور نے کہا کہ مہاراجہ نے ویلڈر صاحب کو علاقہ بیاور کے ایک گاؤں کے رہنے والے جوگی کی سفارش لکھی ہے کہ اس کی جاگیر کا گاؤں ضبط نہ ہو اور ویلڈر صاحب نے منظور کر لیا۔

میں نے کہا کہ یہ دلیل ہے کہ مہاراجہ صاحب بیاور کو اجمیر کا علاقہ سمجھتے تھے ورنہ اپنے ملک میں ویلڈر صاحب کو سفارش کیوں لکھتے، یا یوں لکھتے کہ یہ مارواڑ کا علاقہ ہے اس علاقہ کا حاکم اس جگہ میں دخل نہ کرے، اس نے کہا پھر وہ جوگی کس کی سند رکھتا ہے؟ میں نے کہا اجمیر میں بھی رئیسان جودھپور کی سند ہے اور اجمیر بھی مہاراجہ ابھے سنگھ کے زمانہ سے مہاراجہ بجے سنگھ کے اوائل عہد تک جودھپور کے تصرّف میں رہا ہے اگر جنوبیوں کے تصرّف کے بعد اجمیر میں اس کی سند کی تاریخ سرکار جودھپور کی جانب سے ہو تو البتہ دستاویز نہی۔

مختاران میواڑ اور مارواڑ نے کپتان ہال صاحب سے کہا کہ ویلڈر صاحب کا پروانہ بنام کرم رحمان ملاحظہ کریں کہ صاحب نے لکھا ہے کہ بیاور کے مدعی میواڑ اور مارواڑ ہیں سرکار اس کا دعویٰ نہیں رکھتی اس کا جواب کیا ہے؟

ہال صاحب نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا یہ پروانہ ٹھیک ہے؟ میں نے کہا ہاں اگرچہ میں سمجھتا تھا کہ محرّر کی حماقت ہے۔ فرمایا پھر جواب کیا ہے؟ میں نے کہا میں حیران ہوں کہ قابض کیونکر دعویدار ہو سکتا ہے سرکار اس پر قابض ہے جو کوئی اپنا دعویٰ ثابت کر دے اس کو دے دے گی ورنہ خود قابض رہے گی۔ فرمایا سب اپنے جوابوں کو لکھ کر بہت جلد پیش کریں۔ بندہ نے اگلے دن جواب داخل کر دیا اور دوسروں نے ایک روز بعد۔ بندہ (مولوی عبدالقادر) کی عرضی کا انگریزی ترجمہ اس مقدمہ میں ہال صاحب کے خط کے ساتھ کلکتہ صدر دفتر سکریٹریٹ میں پہنچا۔ لیکن چونکہ اس کام کا مجھ سے تعلق نہ تھا نہ میں اس کی تنخواہ پاتا تھا برسات کے موسم میں خرچ باربرداری کا زیر بار ہو گیا اور تکلیف اُٹھائی۔ صدر سے یہ اعتراض ہوا کہ اس فضول گفتگو میں میواڑ اور مارواڑ سے اپنا فائدہ کیوں چھوڑ دیا؟ دوسرا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ بتاریخ یکم محرم ۱۲۳۸ھ بروز چہارشنبہ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۸۲۲ء کو میں اجمیر پہونچا۔

مکتی شاہ فقیر | بتاریخ ۵ صفر ۱۲۳۸ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۸۲۲ء کو مکتی شاہ فقیر جس نے رام سر میں نہر دیا تھا

سرکار کے حکم سے مقتول ہوا۔ نام بردہ اس قصبہ میں وارد تھا اور وہاں کے انگریز اس کو خوراک دیتے تھے انگریزوں کی عورتیں باہم رنجش رکھتی تھیں ایک نے دوسری کو منہ بطور استہام بلکہ بطرز دشنام کہا کہ تیرا یا مکتی شاہ ہے یہ سن کر اس پر غصہ کے بھوت نے غلبہ کیا۔ تین روز بعد مٹھائی میں زہر ملا کر بطور تبرک انگریز کے گھر دیدی اور خوردرات کے وقت بھاگ گیا۔ بعض ان میں سے مر گئے بعض زندہ رہے۔

مکتی شاہ کو تلاش کیا قریب کے ایک گاؤں میں ملا پکڑ کر عدالت میں لے آئے۔ صاحب عدالت نے واقعہ پوچھا جو گزرا تھا بلا کم وکاست کہدیا صاحب نے فرمایا کچھ عذر رکھتا ہے؟ کہا کوئی عذر نہیں میں نے بُرا کیا ہے چاہتا ہوں کہ اس کی سزا کو پہونچوں تاکہ پاک ہوجاؤں جس دن دہلی کے حکم سے اس کو پھانسی کے لئے لے جا رہے تھے۔ جب تک اس کے گلے میں پھانسی ڈالی نہایت استقلال سے رہا اور کہا کہ میرا تہ بند یعنی لنگی مضبوط باندھ دو ایسا نہ ہو کہ جانکنی کے اضطراب میں کھُل جائے اور فلاں چیز فلاں کو کہ میری خدمت کی ہے اور فلاں چیز فلاں کو کہ اس کا حق ہے پہنچا دیں اور غصہ سے پرہیز کریں کہ انسان کی آنکھ پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور نیک وبد میں تمیز نہیں رہتی؛ یہ افسانہ میں نے اس لئے لکھا کہ اس کے اقوال وافعال اس کے اس فعل سے بہت جُدا تھے مگر غصہ نے اس کو راہ راست سے ہٹا دیا تھا۔

بتاریخ ۳ ربیع الاول مطابق ۱۰ نومبر کو ایسٹری پرشاد اور رحمان خاں نے سردار امیر کی گرفتاری کے صلہ میں جس نے کوہستان میں امن کی جگہ پکڑلی تھی اور ہمیشہ موقع پاکر ملک سرکار میں فساد برپا کرتا تھا۔ بموجب اُستاد جنرل صاحب پانچسو روپے اور ایک جوڑ چاندی کے کڑے انعام میں پائے اس نے ایک مرتبہ پیاور میں آگ لگائی اور ایک مرتبہ ایک مسکین کو زبردستی پکڑ لے گیا۔

مولوی عبدالقادر کا آکٹرلونی کے لشکر کا انتظام کرنا

بتاریخ ۵ ربیع الآخر مطابق ۲۰ دسمبر کو بحکم آقا میں دیولیہ کو روانہ ہوا کہ جنرل سر آکٹرلونی صاحب کے لشکر کے کوچ اور مقام میں چوری، رہزنی، اور رعایا کو ستائے بغیر لشکر کی ضروریات پہنچانے کا انتظام کروں۔ اگلے دن وہاں پہونچکر دیولیہ کے ٹھاکر سے لشکر کے نقصان کی ذمہ داری کا اقرار نامہ لے لیا اور خیمہ گاہ پر سوختہ گھاس، ظروف گلی، غلہ، گھی، تیل، انڈے اور دودھ بیچنے والوں کی دوکانیں بھیجدیں۔

ٹھاکر کے کارگزاروں سے میں نے کہا کہ نرخ نامہ ہاتھ میں لے کر بازار میں بیٹھیں اور پو لدار رسہاوی سے جو وہاں آیا تھا میں نے کہا کہ جو شخص کوئی چیز لینے آوے اس کو بازار بھیجیں رعایا کو بھی فائدہ ہوا اور لشکر کی ضروریات میں بھی حرج واقع نہ ہوا۔ لیکن مفت میں خاگرد پیشہ اور انگریزی عملہ کے لوگ شکایت زبان پر لے آئے کہ راناجی کے ملک میں کسی جگہ ہم نے قیمت نہیں دی۔ یہاں ایک چیز بھی بلاقیمت نہیں ملتی۔ بندہ کے پاس آکر کہا کہ یہاں کے ٹھاکر نے صاحبان کے ناشتہ کے لئے دودھ اور انڈے نہیں دیئے میں نے کہا کہ شش ٹھاکر مرغ اور گائے ہو جاتا۔

ویلدر صاحب کے حکم سے مہاجنوں کی آبادکاری

بتاریخ ۱۳ ربیع الآخر مطابق ۸ دسمبر کو آقا کے سننے میں آیا کہ میرٹھ کے تقریباً سو مہاجن گوبندگڈھ علاقہ اجمیر کے قریب اپنی سرحد میں خوشامد کی اُمید میں رئیس جودھپور کی جانب سے بیٹھے ہیں۔ چونکہ آقا کو اجمیر کی آبادکاری کا بے حد شوق تھا بندہ سے فرمایا کہ گوبندگڈھ جا کر ان لوگوں کو نصیر آباد لے آؤ یقین ہے کہ جنرل صاحب (آکٹرلونی) ایسی تدبیر فرمائیں گے کہ ان لوگوں کو مہاراجہ جودھپور طلب کرلے وہ لوگ ایک ایک دکان اجمیر میں کرلیں کیونکہ اب ہنری مدلین صاحب یہاں رہے گا اور صاحب کو اس کی ناموری منظور ہے میرا قیاس یہی چاہتا تھا چنانچہ میں گیا اور ان لوگوں کو لے آیا اور دوسرے دن جنرل صاحب کے پاس لے گیا۔ صاحب نے اس وقت تسلی فرمائی وہ لوگ اجمیر پہنچ کر رہنے لگے۔

مولوی عبدالقادر سے آکٹرلونی کا علاقہ اجمیر کے حالات معلوم کرنا

دیولیہ مقام پر جنرل صاحب (آکٹرلونی) نے یاد فرمایا اور پوچھا کہ یہ علاقہ اچھا آباد نہیں ہے۔ میں نے آج دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جناب عالی دریا بیاس کے اس طرف بالا بالا عبور فرما کر سراپردہ اقبال میں داخل ہو گئے۔ گاؤں وہاں نہ تھا۔ فرمایا زراعت کم تھی اور اُفتادہ زمین بہت تھی اور سنتا ہوں کہ ویلدر صاحب نے ملک کی خوب آبادکاری کی ہے۔

میں نے گزارش کی کہ ملاحظہ خالصہ سے جو سنا ہے دیکھ لیجئے گا۔ زراعت کی ترقی آیندہ بندوبست میں جمعبندی اضافہ پر منحصر ہو گی اور ان مواضعات سے جو ٹھاکروں کے تصرف میں ہیں مقررہ جمع ہمیشہ سرکار میں پہنچتی ہے سرکار کو یہاں کی زراعت میں کمی بیشی سے کیا سروکار جو اس کی تدبیر میں بیجا

درد سری کی جائے۔

جس جانب سے حضور کی سواری آتی ہے ملک اجمیر اور میواڑ کی سرحد ہے یہاں زراعت کم کرتے ہیں کیونکہ آمد و رفت کا راستہ ہے پامالی کا اندیشہ ہے کوچ کے وقت ملاحظہ فرمائیں کہ بہت سی کھیتیاں نظر مبارک سے گزریں گی۔ پوچھا کہ استمراری جمع کتنی ہے میں نے عرض کیا کہ جو کچھ خیال میں ہے گزارش کرتا ہوں باقی دفتر سے معلوم ہوگا۔

مسودہ	کہروہ	بنہالی	بساکن	گوندگڈھ	بہولیا
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ساور	کنکری	دلوکالونگر	کریل	راجوسی	باکسوری
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سیتن	میوہرپور	لوکر	میواریہ	کہرکری	لوباہہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

رنجہ مالیاک

[illegible]

اس کے بعد میں ہتاری میں پہونچا۔ راجپوت قوم کے تمام سردار سوائے راجہ ہتاری کے جنرل صاحب (آکٹرلونی) بہادر کی ملاقات میں کامیاب ہوئے۔

آکٹرلونی کا اجمیر کی سیر کرنا

بتاریخ ۱۱ ربیع الآخر مطابق یکم جنوری ۱۸۲۳ء روز چہار شنبہ کو مدلین صاحب نصیر آباد پہونچے۔ میں دوسرے دن اجمیر آیا، نواب احمد بخش خاں نے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ اگلے دن جنرل صاحب اور مدلین صاحب شہر میں داخل ہوئے اور محکمہ کا مکان باتفاق مدلین صاحب و جنرل کمک صاحب نے ملاحظہ کیا اور جنرل کمک صاحب نے صاحب ممدوح (مدلین) سے بندہ کا تعارف اور ملاقات کروائی۔ شام کے وقت شہر دیکھنے کے لئے سوار ہوئے۔ تمام شہر کی مہاجنوں نے آرائش کرلی تھی۔ دوسرے دن جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) کی ملاقات سے مشرف یاب ہوئے۔

ویلدر صاحب کی اجمیر سے رخصت

بتاریخ ۲۴ ربیع الآخر مطابق ۸ جنوری کو ویلدر صاحب سپاتو پہاڑ کو اصلاح مزاج کے لئے روانہ ہوئے۔ بندہ ان کی مشایعت میں کنگوانا پہنچا وہاں جنرل صاحب (اکٹرلونی) کا خط معہ نقل اُس خط کے جو صدر سے ویلدر صاحب کی سفارش میں لکھا گیا تھا پہنچا، اگلے دن وہاں مقام رہا اور بتاریخ ۲۶ مطابق ۱۰ جنوری کو الادتہ میں وہاں سے موراہ میں اور وہاں سے سانبہور پہنچے۔ ۳ جمادی الاول مطابق ۱۶ جنوری کو سلود میں پہونچے۔ وہاں سے سانبھر اور وہاں سے کشن گڈھ علاقہ راول بیر یسال میں اور وہاں سے اجمیر کو رخصت ہوئے۔

رعایا یہاں تک آقا کی مشایعت میں رہی ہر منزل سے آقا خواہ مخواہ رخصت فرماتے تھے وہ لوگ روتے ہوئے جاتے تھے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو روتا ہوا نہ گیا ہو۔ مگر صرف میں ایسا سنگ دل تھا کہ ویسے ہی واپس ہو گیا۔ ان کے واپس آنے تک کُتے کی طرح زندہ رہا، اب وہ دوسرے ملک میں چلے گئے اور مجھے اپنی زندگی سے اتنی اُمید نہیں کہ ان کو نہیں پھر دیکھوں۔ اب تو میں نہایت سخت جانی سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔

ویلدر صاحب کی بجائے مدلین صاحب کا تقرر

بتاریخ ۷ جمادی الاول مطابق ۲۰ جنوری کو اجمیر پہونچا اور بتاریخ یکم جمادی الآخر مطابق ۱۳ فروری ۱۸۲۳ء کو بندہ کو مدلین صاحب نے یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا مارواڑ کے ٹھاکروں کے وکلا، وہاں موجود تھے صاحب ممدوح (مدلین) سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ میرٹھ کے مہاجن ہیں۔ فرمایا کہ ان کو سمجھا دینا چاہیئے کہ اجمیر میں دوکان کریں رعایت ہو سکتی ہے اور اس سرکار سے مارواڑ کو سفارش کی اُمید نہ رکھیں۔ بندہ نے گذارش کی کہ یہ لوگ ٹھاکروں کے وکلا ہیں۔ سامنے بُلا کر ارشاد کیا کہ جنرل صاحب (اکٹرلونی) کی خدمت میں حاضر ہوں

مدلین صاحب کا مہاجنوں کی کاروکاری سے دلچسپی نہ لینا

پھر فرمایا کہ میرٹھ کے مہاجن روزانہ تنگ کرتے ہیں ان کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔ تو کہہ کہ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ میرٹھ کے حاکم نے انہیں ستایا ہے وہاں کی رہایش کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں اس سرکار میں اپنی سفارش چاہتے ہیں۔ اگر ان کا مقصد پورا ہو جائے تو ایک ایک دکان اجمیر میں کریں گے تو دو دکانیں اجمیر میں ہو جائیں گی۔ کہا سفارش کیسے کروں دوسرے کے علاقہ میں دخل دینا ہے میں نے عرض کیا کہ اگر

یہاں کے حاضر باش وکیل کے نام اس طرح لکھ دیا جائے کہ میرٹھ کے مہاجن وہاں کے حاکم کے ستائے ہوئے اجمیر میں پہنچے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہاں بسر کریں یا جے پور اور کشن گڈھ کے علاقہ میں آباد ہو جائیں۔ چونکہ ہماری سرکار ان تمام علاقوں کی آبادی کو جن سے معاہدہ ہوا ہے اپنے اپنے علاقے کی آبادی کی طرح پسند کرتی ہے مہاراجہ صاحب کو اطلاع کے بعد یا تو ان کو وہاں پہنچائیں یا مہاراجہ اجازت دیدیں کہ یہاں آباد ہو جائیں۔ ایسی تحریر میں کوئی دخل نہیں بلکہ خیر خواہی ہے اور اس صورت میں وہ ان کو لے جائینگے۔ کہا میں ایسی تدبیریں نہیں جانتا۔

ویلڈر صاحب کے انتظام پر مدلین صاحب کا تبصرہ

ویلڈر صاحب کو مہاجنوں کی آبادی کا بہت شوق تھا جنرل صاحب (آکٹرلونی) بہت رنجیدہ ہوئے تھے جب جے پور میں سنا کہ اجمیر کے مہاجنوں کی چوری کی قیمت ویلڈر صاحب نے جے پور ریاست سے دلوائی اور کہنے لگے کہ اگر ویلڈر صاحب یہاں ہوتے تو میں ان کی تنخواہ سے جے پور کی رقم سے واپس دلاتا۔ اور بہت ہنسے مجھے ناگوار ہوا کہ یہ بات۔ مجھ سے کیوں کہی کیونکہ سوائے مجھے رنجیدہ کرنے کے کچھ حاصل نہ تھا۔ میں نے کہا جنرل صاحب مختار اور حاکم ہیں ورنہ ویلڈر صاحب نے کچھ بیجا نہیں کیا ہے۔ کہا وہ لکھتا ہے کہ اپنے علاقے کی پاسبانی کا ایسا بند و بست کیوں نہیں کرتا کہ چور آنہ سکیں اور یہ کہ دوسرے کے ملک میں چوری کا سراغ لگا کر چور اور مال مسروقہ کو اس سے طلب کرنا بے جا ہے۔

میں نے کہا۔۔ ویلڈر صاحب کیا کرتے دو صاحبوں کے مٹکاف صاحب اور جنرل صاحب (آکٹرلونی) کے زیر فرمان رہے اور ہر ایک کو بڑا بھائی اور چچا سمجھتے تھے اور کسی نے ان کو یہ کام سکھایا نہیں!

دور پرہ علاقہ بیکانیر کے لوگ شام سنگھ وغیرہ سرکار کے ملک میں چوری کرتے ہیں اپنے ملک کا ایسا بند و بست نہیں کیا کہ وہ لوگ یہاں غارت گری نہ کر سکیں حالانکہ فوج اس ملک میں گئی اور موضع نادرد متعلق بھرت پور کے چوروں کی بابت جو پرگنہ سیہ میں چوری کرتے تھے ہماری طرف سے ریاست بھرت پور کو لکھا جاتا تھا اور لارڈ یا بڑا صاحب کے لشکر میں بھی ایک چور گھس آیا۔ اس کا جواب راجہ جیند سے طلب ہوا۔ صاحبان کونسل نے بھی پنداره

پہاڑیوں اور قوم کولی و سراہی کے مفسدہ کا تدارک کیا کہ ان پر فوج بھیجدی۔

مدلین صاحب نے میری ان باتوں کو سُنا اور کہا کہ سچ ہے مگر جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) یوں ہی فرماتے ہیں۔

میں نے کہا کہ جناب کے لئے اَب اجمیر کی غارت گری اور چوری کا بندوبست بہت مشکل ہے کیونکہ پچکر کی جانب تین کوس پر مارواڑ کا علاقہ ہے اور گنگوانہ کی طرف چھ کوس پر ریاست کشن گڑھ اور اتنا ہی رام سر کے قریب کنکری سے علاقہ جے پور متصل ہے اور مسعودہ سے چند کوس پر میواڑ کا علاقہ ہے، کہاں کیا کیا جائے۔ جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) صاحبِ اختیار ہیں۔

باب ہفتم

بیوہ رام داس اور اُس کے متبنیٰ ہمیر مل کا قضیہ

بتاریخ ۱۷ جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ مطابق یکم مارچ ۱۸۲۳ء سے بعض سنگین جرائم کے مقدمات بھی تحقیق اور اپنی رائے کے لئے اس ہیچمدان کے سپرد ہوئے۔

جنوبیوں کے زمانہ میں رام داس نامی بڑا مہاجن تھا جس کو سیٹھ کہتے تھے وہ مر گیا اور اُس نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا۔ اس کی بیوی نے ہمیرل کو فرزندی میں لے لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ جوان ہو گیا ہندو مذہب میں متبنیٰ، حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے رام داس کی عورت نے چاہا ہمیرل دست نگر رہے اور اس نے چاہا کہ وہ رقم اور تجارت کا مختار ہو جائے۔ آخر راؤ سیندھیا کی عدالت تک نوبت پہونچ گئی۔ مہاراجہ دولت راؤ نے جو خود بھی منہ بولا بیٹا تھا ہمیرل کو مختار کر دیا۔ عورت سے ایک لاکھ روپیہ جرمانہ اور لڑکے سے جو کچھ نذرانہ ہاتھ لگا وصول کر لیا۔

دونوں سرکار انگریزی کے عہد میں اجمیر پہونچے۔ ان کے معاملات کی خبر ویلدر صاحب کو پہونچتی رہی یہاں تک کہ عورت نے درخواست کی کہ میں نے موتی رام مہتہ کو ثالث مقرر کیا ہے۔ ہمیرل نے بھی اسی شخص کو ثالث قرار دیا ہے موتی رام ایک عرصہ سے ہمارے کاروبار سے واقف ہے اور اقرار ہوا کہ جو کوئی اس فیصلے سے پھرے گا وہ جھوٹا ہے خواہ فیصلہ دستور کے مطابق ہو خواہ اپنی رائے کے موافق، اس طرح یہ معاملہ طے ہو گیا ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں فریقین کے پاس فیصلہ پہونچا اس میں درج تھا کہ خانگی اُمور میں رام داس کی عورت اور تجارت کے کاموں میں ہمیرل مختار رہے گا۔

بعض اپنے بہی خواہوں کے بہکانے پر رام داس کی عورت کو یہ فیصلہ ناگوار ہوا لیکن اقرارنامہ کی وجہ سے مجبور رہی لوگوں کے سامنے شکوہ شکایت کرتی رہی۔ مگر ویلدر صاحب کو عرضی نہیں دی۔

سیٹھانی کے قضیہ سے متعلق ویلدر صاحب کا فیصلہ

۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۲ء کو سورج مل کے شریک کنج مل نے یہ تذکرہ بندہ (مولوی عبدالقادر) کے سامنے کیا اور بتایا کہ سیٹھانی کہتی ہے کہ مجھ پر موتی رام نے ظلم کیا اور کوئی سُننے والا نہیں ہے۔ میں نے اس (موتی رام) کو اصلاح اور بیرلی کی محبت کی وجہ سے ثالث مقرر کیا تھا نہ کہ تجویز اختیار، دکان اور مال کے متعلق، میں نے کہا مضائقہ نہیں تم اور سورج مل کل سیٹھانی کے معتمد کو اپنے ہمراہ یہاں لے آؤ میں (مولوی عبدالقادر) ویلدر صاحب کے سامنے لے جاؤں گا جیسا کہ چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا بہتر ہے شام کے بعد میں نے آقا کی خدمت میں عرض کر دیا۔ فرمایا بہتر ہے۔

دوسرے روز آقا نے موتی رام کو طلب کیا وہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ موتی رام نے مارواڑی رسم الخط میں سیٹھانی کے ہاتھ کا نوشتہ نکالا۔ صاحب نے وہ تحریر سورج مل کو دی۔ کنج مل اور اس نے پڑھ کر کہا کہ اس دستاویز سے سیٹھانی کے لئے کوئی حجت نہیں رہی۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ سیٹھانی کے ہاتھ کی تحریر ہے یا جعلی؟ کہنے لگے کہ اُس کے ہاتھ کی تحریر ہے پھر جلدی سے جا کر تصدیق کرلائے۔ آقا نے پوچھا کہ ہیرل سے لالچ کی بنا پر اگر ثالث کی سازش سمجھتے ہو تو ثابت کرو۔ فیصلہ مسترد ہو جائے گا۔ یا تمام مہاجن اپنے قلم سے لکھدیں کہ طرفین کے ایسے اقرار نامہ کے بعد رشوت کے ثبوت کے بغیر طرفین سے کسی ایک کی نارضامندی سے فیصلہ ثالثی مسترد ہو جاتا ہے۔ کہنے لگے کہ رشوت کا اشتباہ نہیں ہے اور یہ کاغذ ہم کیوں لکھیں۔ اس کے بعد کوئی تذکرہ ویلدر صاحب کے سامنے نہیں ہوا۔

اس قضیہ کا ازسرِ نو ظاہر ہونا

جب جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) تشریف لائے تو سیٹھانی کے مختاروں نے ان کے منشی خانہ میں جا کر جو کچھ مدعا تھا کہا۔ ان لوگوں نے بے انتہا رقم کا معاملہ دیکھ کر جنرل صاحب سے اس طرح ظاہر کیا کہ اس فیصلے سے سرکار کی بہت نامواری ہے اور اس ضعیفہ پر بہت ظلم ہوا ہے۔ خود بدولت ثالثوں کے نام خط لکھیں کہ تم نے یہ فیصلہ شاستر یا شرع یا قانون کے موافق کیا ہے یا کس طرح تحریری جواب دیں۔ انہوں نے جواب لکھا کہ اس اختیار کی بنا پر جو ہم کو طرفین کی تحریر سے حاصل تھا اپنے حسب صوابدید اور رام داس کے خاندانی رواج کے مطابق ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ اور ہم حیران ہیں کہ وہ فیصلے جو عدالت میں ہوتے ہیں اور اپیل میں ان کی ثالثی کی تجویز

ہوتی ہے صاحبِ عدالت ہے غلط رائے کا مواخذہ نہیں کرتے ہیں فیصلۂ ثالثی کے متعلق جس کا اپیل سرکاری قانون میں نہیں ہے، ہم سے مواخذہ کیوں ہوتا ہے جو کچھ جناب والا مناسب تصور فرمائیں اس کا حکم نافذ ہو جائے۔

جب ایسا جواب پہونچا جنرل صاحب نے بندہ (مولوی عبدالقادر) کو یاد کیا اور کہا ویلڈر صاحب نے اس کی کوئی تدبیر نہیں کی؟

میں نے گزارش کی کہ فیصلہ سے پہلے یا اس کے بعد؟ کیونکہ فیصلہ کے بعد وہ نہیں جانتے تھے کہ اس طرف سے رزیڈنٹ صاحب کے سامنے درخواست پیش ہوگی اور اس سے پہلے سیٹھانی کا اقرار نامہ اور موتی رام کے نام ثالثی کی تجویز ویلڈر صاحب کے کہنے پر نہیں ہوئی بلکہ سیٹھانی نے خود یہ سب کیا۔ کہا موتی رام نے سیٹھانی کو دھوکا دیا کہ اُس نے سمجھا تھا موتی رام میرے لئے بہتر کرے گا۔ میں نے کہا اگر سیٹھانی ثابت کر دیتی یا کر دے تو فیصلہ مسترد ہو جائے گا کہا ویلڈر صاحب تو ہوشیار ہیں اگر غور کرتے تو اس کی وضع سے فریب ظاہر تھا سیٹھانی کو منع کر دیتے۔ میں نے کہا اگر یہ معلوم ہوتا تب بھی دُشوار تھا کیونکہ وہ عورت جوان اور بدنام اور ویلڈر صاحب بھی نوجوان۔ لوگوں کی زبان پر کیا معلوم کیا آتا۔ نیز وہ ایسے تیز ہوش نہ تھے کہ بے تجربہ صورت دیکھ کر حالِ دل پر آگاہ ہو جاتے۔ اکثر صاحبان اپنے پُرانے ملازم کو کل اعتماد سمجھ لیتے ہیں اور رات دِن ان سے معاملہ رکھتے ہیں حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا سٹن صاحب جیسا کہ ہماری لال کو سمجھتے تھے وہ ایسا نہ تھا۔

قضیہ کا خاتمہ جنرل صاحب (سر اگزلوفی) نے فرمایا کہ اب کوئی ایسی تدبیر ہے کہ سیٹھانی دست نگر نہ رہے؟ میں نے عرض کیا کہ فیصلہ میں ثالثوں نے نہیں لکھا ہے کہ ہمیرل کو سیٹھانی سے اور سیٹھانی کو ہمیرل سے مشورہ لینا ضرور ہے یا نہیں، ہمیرل ہر کاغذ میں سسری پال کو جو اس کی آشنائی سے متہم ہے متوی سیٹھانی لکھتا ہے اور سیٹھانی گلاب داس کو بُرا کہتی ہے جو ہمیرل کا مشیر ہے۔

اگر خداوند نعمت تمام مہاجنوں کو مع ثالثان حسب قرارداد سابق ایک روز اپنے سامنے بلا کر ارشاد فرمائیں کہ فیصلہ لکھا ہوا ہے کہ ہمیرل اور سیٹھانی ماں بیٹے کے مانند ہیں اس کا مطلب باہمی صلاح ہے، یا ایک کا کلی اختیار اور دوسرے کا دست نگر رہنا، ثالثان یہی وجہ بتائیں گے کہ اتفاق صلاح میں ہے کیونکہ

کوئی اپنے کو مجمع میں بانیِ فساد ظاہر کرنا نہیں چاہتا اُس وقت ارشاد بطور سوال اور ان کی عرض بطور جواب لکھ کر دستخط کے لئے سارے مجمع کو دیں۔ جب دستخط ہو جائیں تب دوسرا سوال لکھا جائے کہ گلاب داس کی مختاری ہمیرل کی طرف سے سیٹھانی کی ناراضمندی کا سبب ہے۔ سری پال کی مختاری سیٹھانی کی جانب سے ہمیرل کو شکایت کا سبب بنی ہوئی ہے یہ صورت اتفاق پیدا کرنے والی ہے یا نفاق میں ترقی کرنے والی ہے۔ اس کا جواب حق تانی نشین ہے اس کو بھی مجبوراً دستخطوں کے ساتھ لکھ دیں گے اُس وقت حکم لکھا جائے گا

"سری پال اور گلاب داس کی آمد و رفت کی ممانعت سیٹھانی اور ہمیرل کے پاس اجرار فیصلہ کے لوازم سے متصور ہو۔" لامحالہ حکم ہوا کہ نامبردہ ہر دو شخص مختاری اور طرفین کے پاس آمد و رفت سے باز رہیں۔ منتی اور سیٹھانی باہمی شورے اور دستخطوں کے بغیر تجارت کے کام اور گماشتوں کا عزل اور نصب نہیں کر سکتے۔ اگر کسی گماشتہ کی خیانت ،ست رائے یا سرشتہ کی خلاف ورزی یا اس کی وجہ سے صریح نقصان ہونا ثابت ہو جائے تو اس کو برخاست کر دیا جائے۔ ورنہ بدستور بحال رہیں گے۔ سب نے اس کو بہت پسند کیا۔ اگلے دن وہ نصیر آباد میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ واقعہ ۲ رجب ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۸۲۴ء کا تھا۔

بتاریخ ۱۶ شعبان مطابق ۲۸ اپریل ۱۸۲۴ء کو ہنری مدلین صاحب نے حکم دیا کہ بموجب حکم مندرجہ خط انگریزی جنرل صاحب، گلاب داس اور سری پال مختاری اور طرفین کے سوال و جواب سے موقوف رہیں اور سیٹھانی کے کھیم راج اور صورت رام بھی علیحدہ کئے جائیں کہ ان کو اس معاملہ میں کچھ تعلق نہیں ہے۔

ابھی تک بندہ (مولوی عبدالقادر) نہیں سمجھا کہ صاحب سہف و قلم ملک راجپوتانہ و مالوہ[1] نے اس حکم میں کیا حکمتیں رکھی ہیں کہ ہنری مدلین صاحب بہادر کے سوا، صاحب اسسٹنٹ کلارک صاحب بھی وہاں تک نہ پہونچے اس وقت تک تکرار اور نزاع روز افزوں ہے رزیڈنٹ تک شکایت پہنچی ہے تین مہینے وکلاء اور عملہ کی گرم بازاری رہتی ہے باوجودیکہ موتی رام ثالث مرگیا، ہمیرمل کا کام سا گریں تباہ ہوگیا۔ سری پال بھی اس جہان سے رخصت ہوا۔ گلاب داس بھی ہمیرل سے ٹوٹ کر سیٹھانی سے مل گیا

[1] رزیڈنٹ راجپوتانہ و مالوہ سر ڈیوڈ اکٹرلونی کی طرف اشارہ ہے۔

اور سیٹھانی کا تمام اندوختہ کھا کر زیور بیچنے کی نوبت پہونچ گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا نتیجہ یہی تھا کہ جو کچھ چوبے بچا رتال لے گیا۔

دیگر واقعات

بتاریخ ۱۶ ر شعبان ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۰ ر اپریل ۱۸۲۳ء کو عجب ماجرا ہوا کہ لون کرن جس کا محکمہ میں چاندمل سے شرکت کا معاملہ تھا رات کے وقت لون کرن میر تیغ علی ناظر کے مکان پر چاندمل کے وہاں جانے کے گمان پر گیا ناظر نے اس کو لاتوں مکوں سے مارا صبح کو اس نے نالش کی مدلین صاحب نے اس پر پندرہ روپے جرمانہ کر دیا اور فرمایا کہ بے اجازت کیوں اس کے گھر گیا۔ اسی تاریخ کو صدرامینی کا مشاہرہ جاری ہونے کے لئے مکرر خط صدر کو نہایت مہربانی سے لکھا اور اس میں میری ناکردہ بھلائیاں ظاہر کیں۔ بتاریخ ۱۳ ر رمضان ۱۲۳۸ھ مطابق ۲۳ ر جون ۱۸۲۳ء کو اس کی منظوری بھی آگئی۔

انہی دنوں میں بندہ (مولوی عبدالقادر) کے بہنوئی غلام ابرار کی موت کے واقعہ کی خبر نے میرے دل کو پریشان کیا لیکن میں نے اپنے چھوٹے بھائی غلام باسط[1] سے جو انہی دنوں میں بندہ کو دیکھنے وطن سے آیا تھا نہ کہا تاکہ چند روز رنج سے محفوظ رہے ؎

ز مرگ برادر تو لے نامور	نگوئی بہ پیش برادر خبر
کہ تا نشنود باشد آسودہ دل	چو بشنید پاش فرو شد بگل
چو خواہی کہ آسودہ مانی ز رنج	بزی بے خبر در سرائے سہ پنج
اگر دزد از خانہ ات برد گنج	بناشد بخواب اندرت ہیچ رنج
چو بینی دیا بشنوی اینکہ برد	مے ناب عیشت شود جملہ دُرد

اسی عرصہ میں مرزا ملہو صاحب سلاطین دہلی سے تشریف لائے انہوں نے چاہا کہ آمنی بیگم کا مقبرہ کھلوا کر اس کے اندر جائیں صاحب مہتمم نے حکم دے دیا خادمان مانع ہوئے بندہ (مولوی عبدالقادر) کے نام تصفیہ کا حکم صادر ہوا اور یہ کام انجام کو پہونچا۔ اسی زمانہ میں صاحب عدالت کا حکم تبدیلی سے

---

[1] مولوی عبدالقادر کے چھوٹے بھائی غلام باسط ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ ستر سال کی عمر ہوئی۔ مقام پورین مولانا جمال الدین لاہوری کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ (وقائع نصیر خانی از مرزا نصیرالدین محمد)

زیادہ مشقت لینے کا حکم جاری کیا۔ پندرہ روپے تک کے قرض کا دعوےٰ کوتوال کے متعلق ہوا اور فی روپیہ ایک ایک آنہ طرفین سے راضی نامہ کی رسم میں تجویز فرمایا اور اس کو کوتوال نے معاف کر دیا۔

منشی صدرالدین آزردہ کا ایک مقدمہ کی تجویز لکھنا

اسی اثنا میں جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) کے حکم سے مفتی صدرالدین آزردہ نے اجمیر آکر مقدمہ دیوان مہدی علی خاں اور گلاب داس میں حکم لکھا کہ گلاب داس مہدی علی خاں کے دیہات کا ٹھیکہ چھوڑ دے اور اپنا قرضہ جو کچھ دیہات سے وصول کیا ہے ایک روپیہ سیکڑہ کے سود سے محسوب کر لے اس تحریر کو جنرل صاحب کی مہر اور دستخط کے لئے نصیر آباد میں نے پہونچایا۔ اصل روبکار دفتر میں چھوڑا اور ایک ایک نقل دیوانجی اور گلاب داس کے وکیلوں کو دے دی۔ پھر دوسرا روبکار پہلے مضمون کا الفاظ بدل کر بھیجا اس میں یہ بھی تھا روبکار حضور صاحب رزیڈنٹ راجپوتانہ و مالوہ۔

گلاب داس نے عرضی دی کہ بندہ کا وکیل حضور میں نہیں گیا البتہ اجمیر مولوی صدرالدین کے سامنے حاضر ہوا اور وہ رزیڈنٹ نہیں ہیں اور نیز عدالت کے تمام معاملات کی تجویز پہلے ہنری مدلین صاحب بہادر کرتے ہیں یہ مقدمہ کیوں صاحب ممدوح کے سپرد نہ ہوا۔ مدلین صاحب نے گلاب داس کے وکیل شیو سہائے سے فرمایا کہ مولوی صدرالدین، جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) کے بہتر تجویز کرتے ہیں اس نے کہا کہ اس عرضی میں کمال بے ادبی ہے نیز جنرل صاحب بہادر کے دستخط اور مہر کیوں ہے فرمایا کہ جنرل صاحب نے ان کی تجویز کو پسند کیا اور منظور کر لیا۔ اس نے کہا روبکار میں مولوی صاحب کا ذکر کیوں نہیں مدلین صاحب نے برہم ہو کر گلاب داس کو لکھا کہ اس کو موقوف کرے بہت بے ادب ہے۔ پھر گلاب داس کی عرضی کا جواب پہونچا کہ اجارہ محض حیلہ تھا اس کا ہم اعتبار نہیں کرتے۔ ایک روپیہ سیکڑہ سے زیادہ کا سود جس حیلہ پر بھی ہو ہماری سرکار میں نہیں دلایا جاتا۔

گلاب داس نے عرضی گزرانی کہ روبکار کے ذریعہ جیسا کچھ شرع اور آئین میں ذکر ہو ملنا چاہیئے۔ بندہ چاہتا ہے کہ کتاب شرع کا باب اور کسی قانون کی دفعہ بتلا دی جائے تاکہ بندہ کی تسلی ہو۔ اس کا جواب بجز خفگی کے کچھ نہ تھا۔ تفتیش ہوئی کہ ایسی عرضی کس نے رکھی۔ بعضے نیک نہاد خوشامدیوں نے میری طرف نسبت کی اور پھر مجھے مطلع کر دیا کہ ایسا تذکرہ مدلین صاحب اور جنرل صاحب کے گوش گذار ہو گیا ہے، اس کی فکر کرو۔

میں نے کہا مجھے "قبل از مرگ واویلا" نہیں آتی۔ جب کوئی پوچھے گا اُس وقت جو مناسب ہوگا کہدونگا اس کے بعد نہ تو کسی نے باز پرس کی اور نہ میں نے اپنے کو اس کا مجرم بتایا۔

نصیر گنج کے مشرقی دروازہ کی تعمیر اور ایک پان فروش کی دوکان ہٹنا

اسی زمانہ میں نصیر گنج کے مشرقی دروازے کی تعمیر پر نزاع تھا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ میری دوکان نہ ٹوٹے۔ مدلین صاحب بہادر نے خود ملاحظہ فرماکر حکم دیا کہ پان فروش اپنی دوکان دوسری جگہ بنالے۔ اور اس کی دوکان کی جگہ دروازہ بنایا جائے۔

سچ تو ہے کہ گنج کی عمارت بہت خوشنما ہوگئی کیونکہ صاحب ممدوح فن تصویر میں فنکر رسا رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اکثر جہاں عالیشان قانون کا اجرا جس جگہ نہ ہو پسند نہیں کرتے۔ اگر اجمیر میں قانون ہوتا تو اس حکم کا نفاذ جس سے نصیر گنج کی تعمیر کی رونق ہوگئی ہرگز کسی صورت نہ بند صتی بلکہ صاحب یا بندہ بھی ایسا خوشنما آئین تجویز نہ کرتا۔ بخشی بھوانی شنکر کی عمارت ایک ضعیفہ کے اپنی دوکان نہ دینے کی بنا پر اب تک بدنما ہے[1]۔

دانی بود بکاخ و در و بام تا نہ مرد	ہرگز چناں گماں نبرد مرد ہوشیار
از پارسائی و دہش و داد و دانش ست	اندر جہاں کہنہ پس از مرگ یادگار
موسیٰ نداشت خانہ چو فرمانروائے مصر	عیسےٰ کجا گزاشتہ ایوان پر نگار
بنیاد کرد احمد مرسل کجا بگو	یک بارہ بلند بہ بالائے کہسار
باید بہ مرد نام چہ شہر و چہ روستا	لیکن بسنگ و گل نشود مرد نامدار
باو شہاں ہمیشہ بود در جہاں بلند	نستودہ اند لیک بہ دیوار پائدار

[1] جب ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کا اقتدار دہلی پر ہوگیا تو اسی زمانے میں مرہٹوں کا ایک ذمہ دار افسر بخشی بھوانی شنکر انگریزوں سے مل گیا۔ انگریزوں سے مل جانے کی وجہ سے نمک حرام کے نام سے مشہور ہوا۔ دہلی میں اس کا مکان "نمک حرام کی حویلی" مشہور ہوا۔ یہ نہایت عالی شان حویلی ہے جس کے دو پھاٹک جنوب و مغرب رویہ ہیں۔ مغرب کی طرف کا پھاٹک نہایت بلند اور شاندار ہے جس پر سنگین نشیمن بنے ہوئے ہیں بھوانی شنکر کی کچہری کی عمارت بھی نہایت عمدہ شاندار اور دو منزلہ ہے جس میں متعدد دالان اور کمرے ہیں۔ دہلی میں اسٹیشن کی طرف سے جو سڑک ملکہ کے باغ کے برابر تھوری کو آتی ہے اس سڑک پر یہ حویلی واقع ہے دو منزلہ کوٹھے کے بیچ میں ایک برآمدہ نشیمن کی طرح کا آگے کو نکلا ہوا بہت خوشنما سنگین ہے۔ جس میں پچی کاری کا کام بھی ہے۔ دیکھئے واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۲۴۷-۲۴۸

بعض دیگر تعمیرات

اسی سال خالصہ سرکار کی زمین میں مدار دروازہ کے سامنے پختہ مسافر خانہ کی تعمیر مدلین صاحب بہادر نے تجویز کی اور فیض اللہ خاں بنگش نے اس عمارت کے مصارف اپنے ذمہ لیئے اور جنوب کی جانب اس کے باغ کے لئے زمین چاہی۔ جنرل صاحب نے منظور کر لیا اور اسی سال مبارک النسا معروف بیگم جنرل صاحب کے لئے کوتوالی کے مکان سے ملی ہوئی ایک حویلی کی بنیاد پڑی۔

بھوم مایہ

انہی دنوں قانون گویوں کے حقوق اور بھوم مایہ کی رقم سرکار کے ہاتھ سے ان کے مالکوں کو پہنچی تاکہ رعایا سے زیادہ طلبی نہ کریں اور احتیاط کی بنا پر کلارک صاحب نے اپنے سامنے تقسیم کی اور بھوم مایہ اس علاقہ میں گاؤں کے اندر چیزوں کے خرید و فروخت کے محصول کو کہتے ہیں جس کو راجپوت لوگ بھومیہ و یہہ سے نامزد کرتے ہیں۔

خواجہ بزرگ کے عرس کے لیے وقف

اسی زمانہ میں راول بیریسال کے مشورہ سے راجہ جے پور کی ماں کی مرضی کے خلاف سرکار لانبہ کی فوج کو وہاں کے جاگیردار سے لے لیا۔ پہلے اس کا اہتمام کپتان ہال صاحب اور خراج وصول کرنا میر جلال الدین کے متعلق ہوا پھر کارکنان جے پور کے سپرد ہو گیا اور پانچسو روپیہ سالانہ عرس خواجہ صاحب میں دور دراز سے آنے والے عام غریبوں کی دعوت کے لئے مقرر ہوئے۔
دولت رام سبھندھیلے نے اس کی تولیت پنجا باشاہ سرگروہ کے نام قرار دے دی تھی۔ پنجا باشاہ کی موت کی خبر ویلدر صاحب کے زمانہ میں جب وہ اجین میں تھے لوگوں میں شہرت کی بنا پر پہنچی۔ صاحب ممدوح یہ خیال کر کے کہ متولی کے مرنے سے اوقاف ضبط نہیں کیئے جا سکتے متولی کا فتار بنا کر سالیانہ دیتے رہے اس زمانہ میں مدلین بہادر کی تجویز سے یہ وقف ضبط ہو گیا

جودھا رام کا اودے پور سے اخراج

بتاریخ ۱۸ جمادی الآخر ۱۲۳۵ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۲۰ء کو کاب صاحب غیر سرکار سے اودے پور میں کلارک صاحب کے مکان پر میں نے ملاقات کی ان کو مرد خوش خو نیک سرشت اور بے آزار پایا اس کے اودے پور پہنچنے کے بعد اس علاقہ کے لوگوں کی زبانی بھی میں نے ایسا ہی سُنا جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) کے حکم سے جودھا رام کو کہ راول سکو راجہ کی والدہ کے حضور میں زیادہ آمد و رفت کی وجہ سے اپنے کام میں حارج سمجھتا تھا پیادہ پا شہر سے نکال دیا جنرل صاحب نے جودھپور، اودے پور اور کوٹہ وغیرہ کو دو سوال لکھ کر خط کے ساتھ بھیجے کہ جودھا رام کی

ماجی صاحب کے پاس آمد و رفت جیسی کہ ہے دستور کے مطابق ان کی بدنامی کا سبب ہے یا نہیں اور ایسی بدنام ماجی صاحبہ قابل معزولی یا اختیار کے لائق ہیں۔ جہاں بھی یہ تحریر پہونچی لوگ دم بخود رہ گئے۔ ایسا سوال جو اہل عزت کی ناموس کے لئے گالی ہے پہلے جنوبیوں کے زمانے میں کبھی پیش نہیں آیا بعضوں نے جواب کو قلم انداز کر دیا اور بعضوں نے مبہم کلام لکھ مارا۔

مفتی صدرالدین آزردہ کے دفتری واقعات

۱۷ رمضان ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۸۲۴ء کو روبکار مقدمہ دیوان جی اور گلاب داس کی نقل لکھ کر جنرل صاحب کے حضور میں طرفین کی غیبت میں مدلین صاحب بہادر نے گلاب داس کے وکیل کو دی اس نے علاوہ پرسش سابق کے ایک چیز اور کہی کہ اس کا عذر نشان "نقل مطابق اصل" نہیں ہے اور ایک روبکار جنرل صاحب کا دستخطی میرے موکل کے پاس مفتی صدرالدین آزردہ صاحب کا عطا کردہ ہے۔ اس کو بھی میں اپنے پاس رکھوں گا۔ صاحب نے اس پر خفگی فرمائی سچ تو یہ ہے کہ جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) کے منشی خانہ میں سررشتہ عدالت کا کوئی دستور نہ تھا۔

مفتی صدرالدین صاحب اگرچہ صدر امینوں کے زمرہ میں صاحبان دہلی کے ممدوح اور گل سرسبد تھے لیکن نوشت وخواند حسب سررشتہ محرر لوگ ہی کرتے تھے نہ کہ خود جناب صدر امین۔ یہ فروگذاشتیں جو واقع ہوئیں انصاف کی نظر سے فروگزاشت کے قابل نہیں۔

انہی دنوں میں ایک خط بوندی کو جنرل صاحب کی طرف سے بھیجا گیا کیونکہ لفافہ پر راجہ کے نام کے بجائے اس کے باپ کا نام تحریر تھا جس کو مرے ہوئے چند ماہ گزر گئے تھے۔ تعزیت اور تہنیت کی تحریر زندہ راجہ کے نام جاری ہو گئی تھیں۔ منشی کرم احمد نے عذر کیا کہ مفتی صدرالدین کہتے تھے کہ میں نے القاب نامہ میں جس کا نام پایا لکھدیا۔ جنرل صاحب نے دونوں کا عذر بغور سنا۔ یہ نہ کیا کہ القاب نامہ کو دیکھتے کہ اگر اس میں نام کی تبدیلی نہیں ہے تو حرج مولوی صاحب صدرالدین کی طرف ہے۔ اور اگر ہے تو مفتی صاحب کی غفلت ہے تا کہ دونوں میں سے ایک بھی دل شکستہ نہ ہوتا۔

مولوی عبدالقادر کا چار ماہ کی رخصت پر جانا

یکم شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۱ جون ۱۸۲۴ء کو مدلین صاحب نے بندہ کو چار ماہ کی رخصت دی اور بندہ نے کلارک صاحب اور مرلائی صاحب کو سلام کر کے گھر کی

راہ لی۔ دوسرے دن کشن گڑھ پہونچا۔

مہاراجہ کلیان سنگھ حاکم کشن گڑھ کا بعض امور میں مولوی عبدالقادر سے مشورہ لینا

مہاراجہ کلیان سنگھ حاکم کشن گڑھ نے پہلی رات بندہ (مولوی عبدالقادر) کو بُلایا اور جیسا کہ اس کی عادت ہے ہر قسم کی باتیں کرنے لگا۔ ان میں سے یہ بات بھی تھی کہ اگر میں الادتہ اور فتح گڑھ کی جاگیر کو جسونت سنگھ اور چاند سنگھ سے نکال لوں تو انگریزی سرکار مانع ہوگی یا نہیں؟

میں نے کہا کہ سرکار اس ریاست کے داخلی امور سے سروکار نہیں رکھتی۔ مگر جب وہ لوگ ملک کشن گڈھ کو تاخت و تاراج کرینگے تو مہاراج کی مدد پر بھی سرکار متوجہ نہ ہوگی اور نصیر آباد نیمچ اور اجمیر کے آنے جانے والے مسافر اور تاجروں کا جو نقصان ان کے ہاتھ کشن گڈھ کے علاقہ میں واقع ہوگا۔ اس کا جواب حسب دستور سابق مہاراج کے ذمہ ہوگا۔ مہاراج غور کریں کہ جے پور کی سرکار میں سرکار انگریزی کا حصہ ہے اس کے باوجود بھی پرتاب سنگھ کے عہدے بیشتر بلا وجہ ضبط جاگیر کی تجویز نہ فرمائی اور مارواڑ کے راجپوتوں کے قصور کی معافی کے لئے راجہ مان سنگھ نے سفارش کی ہے۔ راجہ جسونت سنگھ اور راؤ چاند سنگھ نے کونسا قصور نہیں کیا ہے قدیم سے اپنے علاقوں پر قابض ہیں بلکہ روپ نگر کو جناب کے بزرگوں نے جسونت سنگھ کے بزرگوں سے چھینا ہے۔ مہاراجہ کی ان لوگوں پر زیادتی ہرگز انگریزی سرکار کو پسند نہ ہوگی اگرچہ عہدنامہ کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہ ہو۔

مہاراجہ کلیان سنگھ کی ایک طوائف پر فریفتگی

مہاراجہ کلیان سنگھ نے پوچھا کہ نیا نامی اجمیر کی رنڈی میری نوکر ہے اس کے مرتبہ کو میں نے زمین سے آسمان تک پہونچا یا ہے میں سمجھتا تھا کہ ہمیشہ میرے ساتھ

لہ مہاراجہ کلیان سنگھ ۱۷۹۹ء میں مسند نشین ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں عہدنامہ کی روسے انگریزی سرکار کی اطاعت قبول کرلی اس کی طبیعت میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انگریزی سرکار ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنا چاہتی ہے اس خیال سے ۱۸۲۶ء میں دہلی کے پنشن خوار بادشاہ اکبرشاہ ثانی کے دربار میں استغاثہ کرنے چلا لیکن انگریز افسروں کے سمجھانے سے واپس آگیا۔ ریاست میں کچھ بااثر ٹھاکروں نے خودسری کی مہاراجہ کلیان سنگھ نے ان ٹھاکروں کی سزا دہی کے لئے فوج متعین کی اور یکایک بادشاہ کے پاس استغاثہ کی غرض سے دہلی روانہ ہوا۔ اس کی عدم موجودگی میں ریاست میں سخت انتشار اور گڑبڑ ہوئی۔ مہاراجہ فوراً دہلی سے واپس آیا۔ ٹھاکروں سے مقابلہ ہوا۔ آخر میں مہاراجہ کلیان سنگھ نے اپنے لڑکے مکھم سنگھ کو راج سونپ دیا اور ۳۶ ہزار روپیہ سالانہ پنشن لے کر انگریزی علاقہ میں رہنے لگا اور چھ سال کے بعد ۱۸۳۹ء عیسوی میں فوت ہوگیا۔　　(تاریخ مہاراجگان ہند جلد دوم)

رہے گی لیکن لوگ کہتے ہیں کہ پردہ نشینی اس پر ایسی ناگوار ہے کہ اگر موقع پائے تو بھاگ جائے میں نے کہا کچھ بعید نہیں کیونکہ بازاری ہے۔ گلی گلی پھرنے والے بھکاریوں سے اگر کوئی کہے کہ ایک جگہ بیٹھ کر جتنا تمہیں مل جاتا ہے اس سے دوگنا لے لو ہرگز قبول نہ کریں گے اسی طرح جو مختلف ہانڈیوں کے مزے سے واقف ہو وہ ایک کھانے سے خوش نہ ہوگا اور جس کا ہر روز ایک یار اور ہر شب ایک بغلی زمانہ دراز تک رہا ہو یہ مشکل ہے کہ ایک کا پابند ہو جائے اور یہ بات جو مہاراجہ نے سنی ہے کہ فلاں رنڈی فلاں جوان پر ایسی فریفتہ ہو گئی کہ تمام عیش و آرام کو چھوڑ کر اس کے ساتھ فقر و فاقہ اختیار کر لیا زیادہ تر دروغ ہے اور کمتر سچ ہے اس کا منشا یہی ہے کہ ماں باپ اور خانون و آقا کی اطاعت اس پر ناگوار ہوئی اس صحبت کو سرمایہ آزادی بنا لیا جب دیکھا کہ حسن کی بہار خزاں کی طرف جانے لگی چند روز کے بعد کوئی اس کا پرساں نہ ہوگا خود کو ایک کا پابند کر لیا۔

کہنے لگا تیری بات دلنشین ہے لیکن میرا دل اس کا گرفتار ہے کیا تدبیر کروں کہ اس کا دل میری قید میں آپڑے۔ میں نے کہا کہ آخر جناب کے مذہب میں بھی یہ کام ناجائز ہے مہاراجہ جب اپنے دل پر اختیار نہیں رکھتے اور اس کی قید کو فرمان خدا کی قید سے بہتر سمجھتے ہیں دوسرے کے دل پر تصرف کرنا کیونکر ممکن ہے۔ اور جو کچھ افسوں کی داستانیں ہیں وہ سب خواب، افسانے اور بے بنیاد ہیں۔ بہر کیف اس کو ملک سرکار میں ہمرکاب نہ لے جائیں کیونکہ وہاں اگر بھاگ گئی تو پھر ہاتھ نہ آئے گی۔

مہاراجہ نے پھر کہا کہ میں نے مدلین صاحب کے سامنے ویلدر صاحب کی شکایت اسی لیے کی تھی تاکہ معلوم کر لوں کہ دونوں صاحبوں میں اتفاق ہے یا نفاق ورنہ ویلدر صاحب کو بھائی سے بڑا سمجھتا ہوں اور اگر میرا دل صاف نہ ہوتا تو بھیجے کیوں لکھتا۔ میں نے کہا اس سے پیشتر یہ ماجرا ویلدر صاحب کو معلوم ہو گیا مدلین صاحب کا جواب انہوں نے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ یہی دن میرے لیے ہے جس دن یہاں سے چلا جاؤں گا دوسرا آ جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ویلدر صاحب نہ رنجش میں کسی کا حق تلف کرنے کے درپے ہوتے تھے نہ مہربانی میں حق سرکار چھوڑتے تھے۔ ان کی طرف سے مطمئن رہیں۔ اس گفت و شنید میں صبح صادق ہو گئی۔ میں رخصت ہوا اور باندر سیندانی پہنچا وہاں سے معز آباد اور وہاں سے نگرہ اور وہاں سے جے پور پہونچا

مولوی عبدالقادر کی اول جے پور سے ملاقات | میں نے جے پور میں شہر کے باہر قیام کیا راکے داتارام

بندہ کو دیکھنے کے لئے آیا اور کہا راول فرماتے ہیں کہ فلاں (مولوی عبد القادر) کل ہمارے پاس آئے اگلے دن میں گیا۔ راول نے اپنے حوصلے کے مطابق اور میرے رتبہ سے زیادہ اخلاق کا مظاہرہ کیا اور حکیم واصل خاں نے بھی تشریف لا کر مجھے اعزاز بخشا۔

رائے داتا رام کشمیری وکیل ریاست جے پور

رائے داتا رام کشمیری پنڈت اور دہلی کا باشندہ ہے مہاراجہ جگت سنگھ[1] کے زمانہ میں حضور رس ملازموں کے سلسلے میں جے پور آیا۔ مطالب کی تحریر و تقریر پر پوری قدرت رکھتا ہے وکالت کا کام اس پر زیب دیتا ہے۔ اپنی پوری قوم کے مقابلہ میں خرچ کفایت سے کرتا ہے۔

راول بیری سال باوجودیکہ ریاست کا مختار تھا لیکن بڑا متواضع شخص تھا۔ اول بندہ سے دیلدر صاحب کے حالات دریافت کیئے پھر ان کی تعریف کی۔ اس کے بعد کہا کہ مٹکاف صاحب پھر اس ملک کے رزیڈنٹ ہوں گے یا نہیں؟ میں نے کہا ممکن ہے ایسا ہو لیکن آج کل وہ انگریزی سرکار میں کار وزارت کے مستحق ہیں اگرچہ تمام راجپوتانہ میں مٹکاف صاحب کی یاد ہے۔ لیکن راول سے تعجب خیز بات تھی کیونکہ جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) سارے کام اس کی مرضی سے فرماتے تھے اور مٹکاف صاحب سے ایسی امید نہ تھی مگر سچ یہ ہے کہ حق پرستی کیا عمدہ چیز ہے کہ یگانہ و بیگانہ سب پسند کرتے ہیں۔

حکیم واصل خاں دہلوی

حکیم واصل خاں دہلی کے باشندے ہیں اور جے پور کی سرکار میں وہ قدیم کی طرح اعتبار رکھتے ہیں۔ درحقیقت ان کو کسی پیش دست اور مختار سے چنداں سروکار نہیں۔ رئیس کی مرضی کے تابع اور ریاست کی بہبود اور نمود کے خواہاں ہیں۔ ظاہری شریعت کے پابند ہیں لیکن اس زمانہ میں کثرتِ بدعات نے واہیات کو عبادات کے ساتھ ملا دیا ہے خواص کو بھی عوام کی طرح راہِ حق سے ہٹا دیا ہے۔

حکیم واصل خاں نے اپنے باغیچہ میں شہر کے باہر ایک پتھر جس پر نقش قدم ہے اس کا نام قدم رسول رکھ چھوڑا ہے۔ جمعرات اور شب جمعہ کو محض حسنات کے لئے وہاں پر ناچ گانا اور اس پتھر کی تعظیم میں طرح طرح

---

[1] مہاراجہ جگت سنگھ ۱۸۰۳ء میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد مسند نشین ہوا اور ۱۸ دسمبر ۱۸۱۸ء میں فوت ہوا۔

کی سیاحت ہوتی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا کار نمایاں کیا کفرستان میں اسلامی جھنڈا بلند کر دیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ سنگ پرستی سے بت پرستی کی دلیل کو تقویت ہوتی ہے۔ خدا اُن کو اور مجھے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔

قوم مینہ

وہاں سے اچرول اور وہاں سے پھاپر دا اور وہاں سے کوٹ پوتلی جو ابھے سنگھ راجہ کھیڑی کی جاگیر ہے اور وہاں سے بہروڑ میں اور وہاں سے شاہجہان پور جو علاقہ یہ کی مشروط بزیست جاگیر تھی اور اب خالصہ سرکار انگریزی میں آگئی ہے پہونچا۔ اس میں مینہ قوم بہت ہے کہتے ہیں کہ یہ قوم زمانہ سابق میں کچھواہہ اور ہاڑہ سے پہلے کمد و ہونڈہلا اور ہاڈوتی میں کہ ملک بوندی و کوٹہ میں ہے فرمانروا تھی مینہ چوری میں مہارت رکھتے ہیں لباس اور پوشاک طرح طرح کے پہنتے ہیں، پوشاک کبھی دیہاتی وضع کی کبھی راجپوتوں کے طرز کی اور کبھی مسلمان سپاہی جیسی ہوتی ہے۔

سیدھو (مینہ) کی عجیب و غریب حکایت اور دولت کی فراہمی

اس گروہ مینہ میں کا ایک شخص سیدھو نام کا اسی شہر (شاہجہان پور) کا باشندہ ہے۔ ریواڑی میں شبخونی اور چوری کا بندوبست دلیدر صاحب کے اہتمام میں اسی کی پاسبانی سے ہوا۔

وہ مجھے پہچانتا تھا۔ لوگ اس کی تعریف میں کہتے تھے کہ چودھا سال کی عمر میں باپ سے خاموش ہو کر حیدر آباد (دکن) چلا گیا اور خود کو ہندو درویشوں کی صورت میں ظاہر کیا اور راستہ میں روٹی پانی کے بجائے صرف تل کھانے پر اکتفا کیا۔

وہاں پہنچکر بیگم بازار میں ایک جگہ بیٹھ گیا اور ظاہر کیا کہ میرا ارادہ ملک بے آب ریواڑ میں کنواں بنوانے کا ہے ایک ہزار روپیہ مجھے دو تا کہ یہ ثواب کا کام میں کروں۔ اس قدر رقم یکمشت کون دیتا ہے اس حیلہ سے وہاں رہتا تھا اور آگ جلاتا تھا لوگ آٹا وغیرہ جتنا اسے کافی ہو دیتے تھے اور وہ دوسرے محتاجوں کو دیدیتا تھا یہاں تک کہ ایک لڑکا اس کی شاگردی میں رہنے لگا۔ ایک روز شام کے وقت لڑکے نے کہا کہ آج چراغ میں تیل نہیں ہے۔ اور پیسہ پاس نہیں ہے کیا کیا جائے؟ کہا چراغ لے آ۔ اس میں پیشاب کیا اور کہا اس میں بتی ڈال کر روشن کر میں روغن کے بجائے اپنی چربی جلاتا ہوں۔ جب چراغ روشن ہو گیا بچہ کی تو کیا حقیقت تھی پیران نابالغ بھی اس کے پیروں پر گر پڑے اور کہنے لگے ہزار روپیہ لو اور خوش دل ہو جاؤ۔ اس نے کہا جب تک

میرا راز پوشیدہ تھا تو البتہ میں قبول کر لیتا اب اگر ایک شخص ہزار روپئے دے تو لے لوں گا۔ وہ لوگ پھر عاجز رہے کیونکہ دعائے درویش و پارسائے زر پرستوں کا مقصد روپیہ جمع کرنا ہوتا ہے نہ کہ جمع شدہ سرمایہ نکل جائے۔

اس مُدت میں اس بھیڑ کی صورت بھیڑیئے نے دیکھا کہ ایک دوکاندار گھر جاتے وقت دکان پر تالا لگانے میں بہت عجلت کرتا ہے منتظر رہا کہ کسی دن غفلت کر جائے۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ شام کے وقت دُکان میں تالا لگایا لیکن زنجیر دوسرے کواڑ میں لٹکی رہ گئی۔ اوپر کنڈے میں نہیں پہونچی۔ اس شخص نے جو اس آرزو میں زندگی بسر کر رہا تھا جب دیکھا کہ بازار میں لوگوں کی آمد و رفت نہیں رہی چپکے سے اُٹھا اور دوکان میں گیا دو تھیلیاں اُٹھا لایا اور راکھ میں چھپا دیں پھر وہ تالا ترکیب سے کھولا اور زنجیر کنڈے میں ٹھیک لگا کر تالا بند کر دیا۔ صبح کو جب دوکاندار آیا اور دروازہ کھول کر اندر گیا دو تھیلیاں نہ پائیں حیران ہوا کہ نہ تالا کھُلا نہ دروازہ ٹوٹا نہ دیوار میں سوراخ ہوا نہ چھت کٹی۔ گمان کیا کہ سب اسی درویش کی بد دُعا کا اثر ہے جس کے پیشاب سے چراغ روشن ہو جاتا ہے اس کے پاس گیا اور اس کے پیروں میں گر پڑا اور خاک مُنہ پر ملی، رویا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ درویش اس کی بات پر متوجہ ہو جواب دیا کہ ہمارا کام دُعا کا نہیں ہے۔ یہ بلا تیری بد اعمالی کی بنا پر آئی ہے تجھ کو چاہیئے کہ غریبوں کو کھانا کپڑا دے اور عبادت گاہوں میں جا کر اپنے گناہوں کی معافی کا خواہاں ہو۔ تاکہ آئندہ دوسری آفتوں سے محفوظ رہے۔ میں اب تجھ سے کچھ لینا نہیں چاہتا ڈرتا ہوں کہ تیرے گناہ میں شامل نہ ہو جاؤں۔ اور جو کچھ نیکی میں نے جمع کی ہے سب برباد ہو جائے۔ بیچارہ نا اُمید ہو کر ہر طرف دوڑتا تھا۔

اس درویش نے اس مال کو شہر کے باہر لے جا کر دفن کر دیا۔ اور ایک نشان وہاں لگا دیا تاکہ جگہ بھول نہ جائے۔ دو تین روز رہ کر اس آگ کو پانی سے بجھا دیا اور سب آدمیوں کے سامنے راکھ کے ڈھیر کو بکھیر دیا اور اس لڑکے کو بھی رخصت کر دیا اور کہا کہ ابھی تک بُلانے اس بازار سے رُخ نہیں پھیرا ہے میرا یہاں رہنا ٹھیک نہیں دو تین روز دوسرے بازار میں پھرا اور پھر ایک رات تمام سر اور مونچھ اور ابرو کے بال منڈوا دیئے بدن پانی سے دھو ڈالا۔ راکھ کا رنگ کچھ نہ رہا اور اس مال کو نکال کر گھر کا راستہ لیا۔ باپ کے پاس پہونچ کر سب مال اُس کو دیا۔ اُس نے اس کی پیشانی اور آنکھوں پر بوسہ دیا۔ کیونکہ جو لڑکا باپ کے کام کو باپ سے بہتر انجام دے اس کو دیکھ کر باپ کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

سید ھو کے ایک بزرگ کا کمالِ دانشمندی سے اپنے آقا کو رہائی دلانا!

سید ھو نے ایک روز اپنی کارگزاریاں خود بندہ (مولوی عبدالقادر) سے کہیں کہ میرے بزرگوں میں سے ایک شخص کسی امیر کی محلسرا کی پاسبانی پر نوکر تھا۔ امیر جنگ میں دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا امیر کی ماں نے کہا کہ تم عرصہ سے ہمارا نان و نمک کھاتے ہو ان بُرے دنوں میں اگر کام نہ آئے تو ہماری پرورش رائیگاں گئی اس نے کہا امیر کے نام اپنا خط دیں اور بے فکر ہو کر جو کچھ میں کہوں اس پر کاربند ہوں اس نے خط دے دیا۔

پانچ آدمی یہاں سے وہاں کو روانہ ہو گئے جہاں وہ امیر تھا۔ وہ لوگ پہلے ایک گاؤں میں ٹھیرے ان میں سے ایک شہر میں گیا اور معلوم کیا کہ امیر کو عام مجرموں کی جگہ بے امتیاز قید کیا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک شہر کے کوتوال کے پاس گیا اور کہا کہ چار میرے ہمراہی ملازم میرا مال اور اونٹ لیکر چاہتے ہیں کہ خود مالک ہو جائیں اور مجھے علیحدہ کر کے سرمایہ اپنے صرف میں لے آئیں۔ اس وقت کہ وہ لوگ سوئے ہوئے ہیں چند آدمی میرے ساتھ جائیں تو ان کو گرفتار کرالاؤں۔ کوتوال نے آدمی بھیجدیئے وہ لوگ واویلا کرتے ہوئے پہونچے کہ ہم اس شخص کو نہیں جانتے اور دونوں اونٹ ہمارے ہیں۔ کسی کو ہمارے شہر بھیجدیں تاکہ معلوم کر آئے اس نے کہا کہ راستہ میں جا بجا گذر بانوں نے میرا نام لکھا ہے اور دو اونٹ اور چار نوکر اور ایک گذرگاہ کا نشان دیا، کوتوال نے پانچوں کو نظر بند کر دیا اور معلوم کیا، مدعی کی بات سچ نکلی اونٹ اس کے سپرد کر دیئے اور مال کے مطالبہ میں جیلخانہ بھیجدیا۔

اس واقعہ کو چند ماہ گذر گئے ان لوگوں نے قیدی امیر کے کان میں یہ تمام راز پہنچا دیا۔ اس نے منظور کر لیا۔

ایک روز مدعی نے حاکم سے اجازت چاہی کہ جیلخانہ میں جا کر قیدیوں سے قسم لے کر میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر میرے مال کا پتہ دے دیں تو اگلے دن میں ان کو اس طرح سے رہا کرا دوں کہ یہ مال ان لوگوں نے نہیں کھایا تھا شاید میری غیبت اور ان کی غفلت میں کوئی اور مال لے گیا ہو۔ حاکم نے اجازت دے دی۔ وہ گیا اور ان لوگوں سے کہا کہ تنہا میری بات سُن لو ایک نے اس میں سے کہا پیشتر سے براکیا ربط ہے جو سرگوشی کریں۔ مدعی اس سے لپٹ پڑا کہ اس بدذات نے سب کو گمراہ کیا ہے

اور اس کو مارنا شروع کیا۔ لوگوں نے زبردستی کھینچکر جدا کیا۔ مدعی نکل آیا اور وہ قیدی آہ و نالہ کرتا رہا کہ میرے سخت چوٹ آئی ہے اس کے ساتھی تیمار داری کرنے لگے مدعی نے بھی ہر جگہ سے دوا لا کر دوسرں کے ہاتھ اس تک پہنچائی۔

ایک رات بیمار نما تندرست کو امیر کے بستر پر سلا دیا اور رونا شروع کیا کہ اس کی حالت خراب ہے شاید صبح تک جاں بر نہ ہو۔ مدعی بدذات کو لاویں کہ وہ اس کو یہاں سے باہر لے جائے اور وہ چونکہ ہمارا ہم مذہب ہے ہمارے پاس بیٹھے اگر بھاگنے کا ڈر ہو تو نگہبان کو فاصلے سے بیٹھا دے تاکہ اس کو مرنے کے بعد ہم دریا میں ڈال دیں کیونکہ جلانے کا سامان ہمارے پاس نہیں۔

جب مدعی نے سُنا تو رونے لگا اور کہا خدا کے لئے اس کو جلد باہر نکالیں کیونکہ اگر جیلخانہ میں مرگیا تو اس کا وبال مجھ پر ہوگا۔ بستر میں دو آدمیوں کو لپیٹ کر چار آدمی کہ جن میں ایک مدعی بھی تھا اٹھا لائے قیدی امیر کی جگہ اس کے کپڑے اس طرح رکھدیئے کہ وہ سو رہا ہے۔ نگہبان ہمراہ نہ گئے کہنے لگے کہ جب مدعی نے خود رہائی چاہی اور ان لوگوں پر سرکاری جرم نہیں ہے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ وہ پانچوں شخص امیر کو اونٹ پر بٹھا روانہ ہوگئے اور ہر اونٹ پر تین آدمی بیٹھے اور گھر کا راستہ لیا امیر اپنے گھر پہونچ گیا یہ میرا کام نیکی کا باعث ہوگیا۔

دروغ و تنبلی و جادوے اگرچہ بد رست
ولے اگر برہاند ز بند نیکوکار

روا بود کہ براہیم و پور او اسحق
زخواہران زن خود را شمردہ در گفتار

دیار سی تو بکلام خود و مگر ترسد
بداں سخن کہ تو گوئی بدیگرے آزار

چنانکہ یوسف والا گہر برادر را
گرفت و داشت بنزد خویش بداں کردار

چنیں دروغ بہ از راست کاں بیہودہ گفت
کہ کند چاہ براہ مسیح خوش رفتار

ہزار بار بریں راستی بود نفریں
ہزار بار چہ باشد کہ صد بہ ہزار

مولوی عبدالقادر کا ریواڑی وغیرہ پہنچنا

۱۳ شوال ۱۲۳۵ھ مطابق ۲۳ جون ۱۸۲۰ء کو میں ریواڑی پہنچا محمد صالح کا خط اس خوشخبری کے ساتھ پہنچا کہ دلیور صاحب پہاڑ سے براہ دہلی اجمیر کو واپس ہو رہے ہیں۔ اگلے دن پاٹودی، جاگیر فیض طلب خاں میں داخل ہوا۔

عدالت دورہ (دہلی) کے بعض اہلکار

صبح کو گوڑ گانوہ جاگیر بیگم سمرو میں آیا اور کیمبل صاحب کو دیکھا۔ نوجوان بردبار خوش خو نرم گفتار اور رات دن اپنے کام میں ہشیار رہو۔ رتن لال سے ملا جس کو میں سرشتہ عدالت دورہ میں چھوڑ گیا تھا اسی سلسلہ میں منسلک پایا۔ ہنر میں بے حد ترقی کرلی تھی گرمعیشت میں بدستور پایا وہ نوشت و خواند میں چالاک اور تیز فہم منشی فیض الحسن کی صحبت کا تربیت یافتہ ہے۔

چودھری بندرابن قوم دھوسر مجھے دیکھنے آیا۔ یہ شخص ریواڑی کے روشناس لوگوں میں ہے اور اس نواح کے جزو کل حالات سے واقف ہے۔ گونڈس صاحب نے اس کو سرشتہ داری کا مختار کردیا تھا۔ اور منشی کریم الدین برادر منشی جمیل الدین معتمد خاص گونڈس صاحب بھی وہاں کام کرتا تھا۔ سعادتمندی اور چھوٹے بڑے کا لحاظ جو شرافت کی علامت ہے اس کے قول و فعل سے ظاہر ہوتا تھا۔

ورود دہلی

یہاں سے میں دارالخلافت شاہجہاں آباد وارد ہوا۔ جامع مسجد کے قریب ہی پہونچا تھا کہ خدا بخش پرورش یافتہ الطاف ویلڈر صاحب سے مقابلہ ہوگیا اس نے کہا کہ وہ روزانہ میرے (مولوی عبدالقادر) کے انتظار میں اجمیری دروازہ تک جاتا تھا کیونکہ خداوند نعمت (ویلڈر صاحب) کا حکم پہنچا ہے کہ میرے پہونچنے تک یہاں سے گھر نہ جائے اسی اثنا میں مرزا رنگین بیگ مل گیا اور کھینچ کر اپنے گھرلے گیا یہ شخص کوچہ چیلاں کے قریب رہتا ہے۔

عرس امیر خسروؔ میں شرکت

بتاریخ ۱۸ شوال مطابق ۲۹ جون بتقریب عرس امیر خسروؔ نظام الدین اولیا کے مزار پر دوستوں کے ساتھ گیا۔ بھائی غلام باسط نے دوسو چالیس روپیہ مد خرچ کے لئے لے لئے اور مارواڑ کے سوار جو اجمیر سے ہمراہ آئے تھے بیاس صورت رام وکیل جودھپور کے نام خط لے کر رخصت ہو گئے۔

منشی فیض الحسن کی بیمار پرسی کے لئے جو دیوانخانہ نواب محمد میر خاں میں مقیم تھے میں گیا۔ وہاں پر مولوی کرامت علی[1] پسر مولوی حیات اللہ خوشنویس سے بھی ملاقات ہوگئی۔

حکیم محمد محسن خاں

حکیم محمد محسن خاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے بزرگ کشمیری ہیں اور قوم کول ہے۔ یہ دہاں کے لوگوں میں ممتاز ہیں۔ ان بزرگوار کو آب و دانہ نواب فیض اللہ[2] خاں کے

---

[1] مولوی کرامت علی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو علم و عمل جلد اول صفحہ ۲۵۹-۲۶۰
[2] نواب فیض اللہ پسر نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ (باقی اگلے صفحہ پر)

زمانہ میں رام پور لے گیا۔ اس وقت نظام علی خاں خلف نواب فیض اللہ خاں بیمار تھا وہاں کے اطبا تشخیص مرض سے عاجز رہے۔ نواب ان کو بھی ہمراہ لے کر بیٹے کے گھر گئے۔ انہوں نے مرض کو پہچان لیا اور کہا کہ نسخہ اللہ بر ہے۔ اس کی علامتیں کتاب کے مطابق کر دیں۔ نواب نے علاج ان کے سپرد کیا۔ نظام علی خاں نے صحت پائی۔ روز انہ ان کی حذاقت شہریوں کے دل نشین ہوتی گئی یہاں تک کہ نواب اور ان کے لڑکوں کا علاج انہی پر منحصر ہوگیا۔

نواب نصر اللہ خاں[۱] مختاری کے دور میں جنابہ عالیہ والدہ نواب احمد علی خاں بہادر[۲] کی وفات کے بعد اپنی متاع کساد بازاری وہاں دیکھ کر دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ علاوہ فن طب کے خوشنویس منشی موسیقی داں اور مورخ بھی تھے۔ فنون درسیہ کی مصطلحات سے واقفیت رکھتے تھے۔ ہر باب میں مباحثہ کو محض اپنی برتری کے خیال سے رنجش تک پہنچا دیتے کیا فن طب اور کیا شناخت موسیقی اور کیا تواریخ اور کیا مسائل کلامیہ اختلافیہ امامیہ اور اشاعرہ۔ خلاصہ یہ کہ چیزوں کو جیسا کہ چاہیئے سمجھتے تھے۔ چند روز کتری صاحب کے دور میں میرٹھ میں پرمٹ کے داروغہ رہے اور میر عبداللہ عظیم آبادی سے جو کلکٹری میں دیوان اور حاکم کا مشیر خاص تھا جھگڑے کی بنا پر وہاں سے برخاست ہوگئے۔ دو لڑکے خاتون کے شکم سے تھے ایک محمد احسن خاں جو باپ کے بعد رہا دوسرا محمد عابد جو جنو بیوں کے دور میں درگاہ خواجہ قطب الدین اور شہر کے درمیان رہزنوں کے ہاتھ سے نوجوان قتل ہوگیا۔ ایک لڑکا چھوٹا بھی ہے معلوم نہیں کہ شکم منکوحہ سے ہے یا مملوکہ سے[۳]۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ۱۱۴۶ھ میں آنولہ میں پیدا ہوئے جب انتظامی امور کے لحاظ سے روہیل کھنڈ کی تقسیم ہوئی تو شاہ آباد اور رامپور وغیرہ کا علاقہ نواب فیض اللہ خاں کو ملا ۱۱۸۸ھ میں شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر کے صرف رام پور کا علاقہ فیض اللہ خاں کو چھوڑا۔ یہ رئیس نہایت باتدبیر شجاع خدا ترس اور پابند شرع تھا ۱۲۰۹ھ میں فوت ہوا۔
(ملاحظہ ہو اخبار الصنادید از نجم الغنی خاں رام پوری جلد اول ص ۵۹ لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

۱؎ نواب نصر اللہ خاں ابن نواب عبداللہ خاں المتوفی ۱۲۳۵ھ تفصیل کیلئے دیکھئے۔
(۱) اخبار الصنادید جلد اول ص ۴۰۹-۴۰۸ (۲) انتخاب یادگار ص ۶۱
(۳) علم و عمل جلد اول ص ۲۶

۲؎ نواب احمد علی خاں ابن نواب محمد علی خاں المتوفی ۱۲۵۶ھ تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۲

۳؎ مولف تذکرہ کاملان رام پور بھی حکیم محمد محسن خاں کے حالات پر مزید اضافہ نہ کرسکے۔ دیکھئے تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۶۹-۲۷۰

مملوکہ جاریہ کے شرعی احکام!

باندی اور غلام شریعت اسلامی کے اصول کے بموجب خریدنے سے نہیں ہوتے کسی مذہب کے ہوں۔ اولاد نصِ قرآنی کے بموجب اموال کی قسم (حصہ دار) ہے نہ کہ اس کی قسم (یعنی مال) جو خرید و فروخت میں آسکے بلکہ جب کبھی کوئی ذی رحم محرم (وہ شخص جس سے نکاح حرام ہو) کا مالک ہو جائے تو وہ خود بخود اس کے بلا ارادہ آزاد ہو جائیگا اور کثیر العیال بے نوا لوگ واجب الرحم سمجھے جاتے ہیں نہ صاحبِ نصاب اور جو کچھ بعض فقیہ روایات میں سخت بھوک میں جواز بیع کا حکم لکھا ہے یا تو تاویل شدہ ہے کہ ایسی حالت میں ہر حیلہ سے انسان کو سدِ رمق (جان بچانا) جائز ہے۔ اگرچہ مردار اور حرام گوشت سے ہو پس اس سے خریدار کی ملکیت قائم نہ ہوگی کیونکہ اس پر مخمصہ (سخت بھوک) نہیں ہے۔ اور درحقیقت یہ بیع بھی نہیں بلکہ زندگانی کا ایک بہانہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سور ایسی حالت میں بیچے اور خریدار سے جو کچھ ملے کھالے تو گنہگار نہ ہوگا لیکن خریدار سور کا مالک نہ ہوگا۔ یہ خرید و فروخت کا معاملہ لغو ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی عمل کی بدبختی سے ہندوستان میں مسلمانوں کی ریاست تباہ ہوگئی۔ کیونکہ آدمی کو مسخ کرنا بدترین ظلم ہے۔

بعض لوگ غیر مسلم بچوں کی خریداری کا فتویٰ بعضے علماء نامدار کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اول تو اس انتساب میں تامل ہے دوسرے یہ کہ صحابہ و تابعین اور مجتہدین کے فتاویٰ میں بھی یہ فتویٰ نہیں ہے نو تقض وضو تیمم جنب و خوف برد، نیکو کار غلام کو مکاتب بنانے کا وجوب، نویں ذی الحجہ کو شہر سے باہر میدان میں جمع ہونا اور جنازہ کے آگے چلنا جو کہ بعض اکابر صحابہ سے ہے۔ علماء امت نے چھوڑ دیا ہے۔ افراد انسان میں کسی فرد کو بعض چیزوں کا نہ جاننا عیب نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ ماخذِ استنباط مذکور ہو اور وہ مسئلہ ہماری سمجھ سے نہ نکل سکے نیز مفتی نے استنباط کا طریقہ بیان نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں ہمیں چاہیئے کہ اپنی سمجھ سے عام علماء کے مذہب کے مطابق عمل کریں اور یہاں پر یہ قیاس کہ ماریہ قبطیہ شاہ روم کی فرستادہ پر جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مالکانہ قبضہ کیا ہے صحیح نہیں کیونکہ ماریہ نہ اس کی لڑکی تھی نہ اس کی بہن چاہیئے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو اس کو خادم شمار کریں اور آگاہ کردیں کہ ہماری ملکیت نہیں ہے اگر چلا جائے تو زبردستی پکڑ کر نہ لائیں اور حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم سمجھیں کیونکہ وہ مظلوم کی رضامندی کے بغیر معاف

نہیں ہوتے اور یہ توبہ اور استغفار سے معاف ہو جاتے ہیں۔

زیادہ تر یہ رسم بد انگریزی عہد میں سوائے بنگال اور ساگر کے دوسرے ممالک سے مٹ گئی ہے۔ مردک خلاف شریعت کام کے ارتکاب کو شرافت خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جب ان بدذاتوں پر حاکم کی اطاعت اس قدر ناگوار ہے دوسرے بندگانِ خدا پر یہ باطل خدائی کس قدر ظلم ہوگی۔ اس بلا میں بعض دستار بند اور اصحاب ارشاد بھی مسند فراعنہ کے جانشینوں کے شریک ہو گئے ہیں۔ خدا ہمیں اور انہیں اپنے فرمان کی اطاعت اور بندوں پر مہربانی کی توفیق عطا کرے۔[1]

قلعۂ مبارک کی سیر

۲۰؍ شوال ۱۲۳۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۸۲۳ء کو بھائی کو وطن رخصت کیا اور اگلے دن حافظ الٰہی بخش کے ہمراہ قلعۂ مبارک دیکھنے گیا۔ دیوان عام و خاص، شاہ برج، مسجد چوبی، حیات باغ، ساون بھادوں، اور سلیم گڈھ جس کا اب قلعۂ مبارک میں نور گڈھ نام ہے سب کو دیکھا۔

مولوی فضل حق خیر آبادی و مولوی رشید الدین خاں سے ملاقات

بتاریخ ۲۳؍ شوال ۱۲۳۸ھ مطابق ۳؍ جولائی ۱۸۲۳ء کو اٹھارویں جلوسی سال کا جشن تھا۔ دوسرے دن مرزا حسن علی صاحب کے لڑکے کی تعزیت میں گیا۔

بتاریخ ۲۶؍ شوال ۱۲۳۸ھ مطابق ۶؍ جولائی ۱۸۲۳ء کو مولوی فضل حق صاحب اور رشید الدین خاں نے بندہ (مولوی عبدالقادر) کو دیکھنے کے لئے قدم رنجہ فرمایا۔ اگلے دن میں بازدید کیلئے رشید الدین خاں کے دولت خانہ پر گیا۔

ویلڈر صاحب کا مولوی عبدالقادر کو یاد کرنا

میں وہیں تھا کہ خدا بخش نے میرے پاس پیر بخش کو بھیجا کہ ویلڈر صاحب آ گئے ہیں اور تمہیں یاد کرتے ہیں مولوی رشید الدین خاں سے اجازت لے کر آقا (ویلڈر صاحب) کی ملاقات سے مستفید ہوا اور میں اپنے خیال میں خوب اچھلا کودا کیونکہ تمام چھوٹے بڑے انگریزوں کی زبانی میں نے سنا تھا کہ تیرا آقا (ویلڈر صاحب) پھر یہاں نہیں آئے گا، بلکہ اپنے ملک کو چلا جائے گا۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر تندرست ہو گیا اور شکایت جاتی رہی تو

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۳۹–۴۰ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ)

ابھی وطن کیسے جائے گا کیونکہ نہ بوڑھا ہوا نہ خود کاری کا خیال ہوا اور نہ نوکری میں کچھ سرمایہ جمع کیا۔ کہنے لگے کہ میرے پہنچنے سے پہلے کیوں وہاں سے چلے آئے اب میرے ساتھ پھر واپس چلو۔

میں نے کہا مدلین صاحب نے چار مہینہ کی رخصت براہ مہربانی میری درخواست پر دے دی ہے اگر اثنا رراہ سے واپس ہو جاؤں گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ان کے دل میں یہ بٹھادیں کہ اسکو رخصت کی ضرورت نہ تھی صرف بہانہ بنایا اور تمہاری حکومت اس کی نظروں میں ناپسندیدہ ہے۔ مدلین صاحب اگرچہ مجھے اچھا سمجھتا ہے لیکن دہلی کے لوگوں کی باتوں پر جو اس کے ساتھ ہیں زیادہ توجہ رکھتا ہے کچھ بعید نہیں کہ ایسا گمان کرے کیونکہ اتنی جلدی راستہ سے واپس ہونا لوگوں کے قول کا قرینہ ہو جائے گا مدلین صاحب نے اگرچہ بندہ کی مراعات جناب (ویلدر صاحب) کے برابر اور توقیر اس سے زیادہ کی ہے انگریزی خط بنام صاحب مجسٹریٹ اکبرآباد کو اس ناکارہ کی ملاقات کے لئے دیا تھا جو میں نے آقا کو دکھایا۔ فرمایا کہ ہر شخص اپنی مصلحت خوب سمجھتا ہے جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو کرو۔ رنجش اور میری ضرورت کے خیال سے اپنا حرج ضروری نہیں یہ کہہ کر ناگواری سے خاموش ہو گئے۔

مولوی عبدالقادر کا ویلدر صاحب کے ہمراہ اجمیر واپس جانا

میں نے کہا کہ میں آقا کی دل آزاری سے زیادہ کوئی حرج نہیں جانتا۔ یہ تذکرہ اس لیے تھا کہ مبادا میرے اس کرنے سے جناب ممدوح (مدلین) اور آقا (ویلدر) کی دل گرفتگی کی نوبت آجائے۔ فرمایا اس کا کچھ اندیشہ نہیں رہا کیونکہ جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) کے خط سے صاف ظاہر ہے کہ میرا اجمیر واپس آنا پسند نہیں ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ میں پابرکاب ہوں۔

جب ویلدر صاحب نے دیکھا کہ تیار ہو گیا کہنے لگے کہ میں نے سات دن سے اجمیر میں جو میں کہار کرایہ پر لئے ہیں۔ کیونکہ تم اس طرف سے خرچ کے زیر بار ہو گئے ہو پھر یہ بے حد زیر باری اٹھا کر کیا فائدہ سرکاری کام نہیں کہ خرچ کی مدد سرکار سے مل جائے اور تمہارے لیے بھلائی کا سبب بن جائے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے دلِ دیوانہ کا مطیع ہوں جہاں لے جائے گا چلا جاؤں گا اور فی البدیہہ میں نے کہا۔

باشیخ نہ در پئے شرب و بطحا رفتم ۔۔۔ نے در پئے اسقف بکلیسا رفتم
دل شاہ من ست و من پرستار ویم ۔۔۔ ہر جا کہ مرا گفت من آنجا رفتم

جے پور تک پچیس کہار ایک سو بیس روپیہ کی اُجرت پر رکھ لئے آغا نے بھی وہیں تک کرائے کئے۔

بتاریخ ۲۹ر شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۹ر جولائی ۱۸۲۱ء کو شوکت جنگ نوجوان نواب فرخ آباد کا جو دہلی کی سیر کو گئے تھے ناگہاں انتقال ہو گیا۔

۳۰ر شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۱۸۲۱ء کو گڑھی سرو میں تھوڑی دیر ہم نے آرام کیا۔ صبح کو پٹودی پہونچے جمعہ کے دن یکم ذی قعدہ مطابق ۱۱ر جولائی کو فیض طلب خاں کے خالی مکان میں اس مکان کے داروغہ کی اجازت سے ایک کمرہ مخصوص کرا لیا۔ آغا کے ہمراہ سوائے خدابخش کے اور بندہ کے ہمراہ سوائے پیر بخش کے کوئی نہ تھا، چونکہ کرسی اور انگریزی پلنگ ساتھ نہ تھا نہ وہاں میسر ہوا لہذا آغا نے تمام دن پالکی کے بستر پر بسر کیا۔ دوپہر کے کھانے میں کھچڑی تھی جو پیر بخش نے پکائی اور خدابخش سامنے لایا بندہ نے دربانی کی۔ یہاں تک کہ ایک دو خدمت گار آ گئے اس وقت بندہ نے کارواں سرائے جاکر جو کچھ سامنے آیا اس سے پیٹ بھر لیا۔

اگلے دن شاہجہان پور آئے اور پھر کوٹ پتلی میں اور آغا شاہ پور میں پانچویں دن جے پور پہونچے۔ آغا (ویلدر صاحب) اسٹوارٹ صاحب کے مکان پر ٹھہرے۔ راول بیر سیال ان سے ملنے آیا اور بندہ (مولوی عبدالقادر) شہر سے باہر کارواں سرائے میں رہا۔ حسب الحکم معز آباد میں اجمیر سے خیمہ پہونچ گیا تھا۔ چھٹے دن ہم وہاں پہونچ گئے۔ یہاں پر بہت سے آدمی اجمیر سے آغا سے ملنے آئے جے پور تک کہاروں کا کرایہ پورا ہو گیا۔ ان میں پانچ آدمی نوکری کا ارادہ رکھتے تھے ان کو نوکر رکھ لیا اور اجمیر تک پانچ آدمی اور میں نے اجرت پر لے لئے، جے دیو پسر جگ جیون کا اونٹ عاریتاً مانگ لیا۔ آدھے دن اونٹ پر اور آدھے دن پالکی میں معز آباد تک میں نے طے کیا اور معز آباد سے کلاں اس کے رتھ میں بیٹھ گیا۔ کشن گڑھ پہونچکر حکم چند کے رتھ میں اور پھر اس کی گھوڑی پر بیٹھا پنجشنبہ کی صبح ۷ر ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۸۲۱ء کو اجمیر پہونچ گیا۔

مولوی عبدالقادر کی ویلدر صاحب کے حضور میں حاضری!

اپنے مکان میں سوگیا ابھی نیند آنے ہی کو تھی کہ ایک شخص پہونچا کہ آقا تجھے بہت جلد دولت خانہ باغ میں بُلاتے ہیں۔ بھاگتا دوڑتا پہونچا ملاقات ہوئی فرمایا یہاں بہت کام ہے اور تمہیں نیند آئی ہے۔ اگرچہ وہاں کچھ کام نہ تھا نہ مجھ سے کچھ فرمایا، لیکن ان کا دل میرے ساتھ ایسی باتوں سے جن سے دوسروں پر بندہ کی فرماں برداری کا اظہار ہوتا ہو خوش ہوتا ہے۔ انہیں یقین تھا کہ بے رنجیدہ بندہ ایسی باتوں سے رنجیدہ نہیں ہوتا۔

۷ ذیقعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء مدلین صاحب چھاؤنی میں تشریف رکھتے تھے اگلے دن اجمیر تشریف لائے اور دفتر سپرد کردیا لیکن رسم سلام و کلام طرفین سے ادا نہیں ہوئی نہ ایک نے ہاتھ بڑھایا نہ دوسرے نے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ دوسرے روز آقا محکمہ کی کوٹھی میں جو عبداللہ پور میں تھی رونق افروز ہوئے اسی دن مجھ سے کپتان ہال صاحب نے پوچھا کہ کہاں سے واپس آگئے؟ میں نے کہا دہلی سے۔ انکاری نظر سے میری طرف دیکھا کیونکہ وہاں یاروں نے مشہور کردیا تھا کہ عبدالقادر پہاڑ جاکر ترغیب دے کر ویلدر صاحب کو یہاں واپس لایا ہے۔ گویا کپتان صاحب نے میری بات جھوٹ سمجھی لیکن یہ وجہ قیاس میں نہیں آتی۔ شاید میری کوتہ نظری ہے کہ میں نے ایسا سمجھا کیونکہ میں ابھی جے پور بھی نہیں پہونچا تھا کہ ویلدر صاحب کی تحریر پہاڑ سے اپنی روانگی کی کلارک صاحب کو اجمیر میں مل گئی تھی اور مدلین صاحب بھی اس روز مجھ سے منہ موڑ کر چلے گئے، اس کی وجہ یہی ہوگی کہ ویلدر صاحب نے اپنے خط میں کلارک صاحب کو لکھا تھا کہ عبدالقادر سے کہدو کہ جس روز تیری عرضی اپنے وطن کو ارادہ کی پہونچی اسی دن میں اجمیر کو روانہ ہوگیا

ان کے دل میں گزرا ہوگا کہ اس شخص نے کچھ ایسا لکھدیا ہوگا کہ ان کو واپس آنا لازمی ہوگیا اور پھر میرے واپس ہونے نے دل میں پختگی کردی۔

مدلین صاحب کی شان میں ایک فقیر کی گستاخی

اگلے دن مدلین صاحب اندرکوٹ جا رہے تھے اس مقام پہنچے جو ڈھائی دن کا جھونپڑا کے نام سے مشہور ہے یہ مقام فقیروں، بھنگ نوشوں اور شراب خواروں کا مسکن ہے ایک بیہودہ فقیر نے مدلین صاحب کو گستاخانہ منع کیا۔ انہوں نے اس کی شکایت کلارک صاحب سے کردی اس نے اس فقیر کو بلاکر بیس کوڑے پشت پر مارنے کی محکمہ میں سزا دے دی یہ بھی آئین نہ ہونے کا ایک فائدہ ہے۔ کیونکہ آئین کے بموجب ایسی ادب آموزی میں تامل ہوگا۔

شام کے وقت کلارک صاحب کے گھوڑے کی لات سے آقا (ویلدر صاحب) کے بائیں جانب لب و دنداں میں سخت چوٹ آگئی لیکن ایک ہفتہ میں فی الجملہ صحت پالی۔

مدلین صاحب پر تبصرہ

مدلین صاحب اُردو زبان میں بہت اچھی طرح باتیں کرتے تھے ہر ایک کے رتبہ کے مناسب الفاظ استعمال کرتے تھے اور مال و زمین کے دعوے کے فیصلہ پر جلد پہنچ جاتے تھے۔ مرتبہ اور معاش کی ترقی میں جہاں تک ممکن ہوتا کوشش کرتے تھے۔ ان کاموں میں ویلدر صاحب سے زیادہ مشاق تھے اور تحصیل وصول کے کام میں دونوں یکساں تھے۔ رعایا اور رئیسوں کی تالیف قلوب اور آبادی کی تدبیر اور سفارت کے کام کی انجام دہی میں چنداں دستگاہ نہیں رکھتے تھے جس کو اچھا سمجھتے اس کی تعریف اور سفارش میں کوتاہی نہ کرتے اور اس کی پرورش چاہتے تو فوراً سفارش لکھدیتے۔ حکام انکی سفارش کو کشادہ دلی سے قبول کرلیتے۔

مدلین صاحب کا مولوی عبدالقادر کی شکایت کرنا

بتاریخ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۲۰ھ مطابق ۲۹ جولائی کو جنرل صاحب بہادر (آکٹرلونی) نے مدلین صاحب کا انگریزی خط لفافہ میں اپنی تحریر کے ساتھ آقا کو بھیجا جس کا یہ مضمون یہ تھا کہ اس مدت میں میں نے جو کام بھی کیا اس میں ویلدر صاحب کی پیروی کو مدنظر رکھا اور صدر امین اور مفتی عدالت کی دلجوئیاں کیں۔ لیکن وہ ایسی تدبیریں کام میں لایا کہ میرے آدمیوں کو چند روزہ کارکن سمجھ کر کسی اُمید و بیم میں نہ رکھا۔ ویلدر صاحب کو اجمیر میں موجود سمجھتا رہا اور پھر

ویلدر صاحب کو ہمیشہ تحریریں بھیجتا رہا۔ نہ معلوم کیا لکھدیا کہ وہ (ویلدر صاحب) باوجودیکہ تمام سامان اور گھوڑے بیچ کر وطن کے ارادہ سے چلے گئے تھے ناگہاں واپس آگئے اور میں ہندوستان سے اپنا مال طلب کرنے میں زیربار ہوگیا۔ پھر ان ایام میں کہ برسات کا موسم سرپر ہے کوچ میں سراسر میرا نقصان ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں میں ہلکا ہوگیا اگر جناب انصاف نہ کریں تو میری تحریر صدر کو بھیجدیں۔

آقا (ویلدر صاحب) نے بندہ (مولوی عبدالقادر) کو بلایا اس وقت کلارک صاحب اور کپتان ہال صاحب موجود تھے۔ آقا نے تمام مدعا حرف بحرف کہہ سنایا اور فرمایا اس کا کیا جواب ہے میں نے کہا کہ وہ جواب نہیں چاہتے۔ اور ایسے دعوے کا جواب جس کی بنیاد وہم پر ہو کیا ہو سکتا ہے اور اگر ہے بھی تو زبان مبارک سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ فرمایئے کہ میں نے مدلین صاحب کی شکایت لکھی ہے یا ان کی اپنے حال پر بے انتہا مہربانی کا اظہار کیا ہے۔ مدلین صاحب نے جو صدر کو لکھنا تجویز کیا ہے اس سے بہتر کیا ہے جب فرمائیں یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔ آقا نے فرمایا ایسا سخت جواب تیرے حق میں بُرا ہے کہ میں نے کہا بہتر ہے۔ اس جھگڑے کے رفع ہونے تک۔ جو کچھ بندہ کہے بے کم و بیش لکھ لیں۔ اور برطرفی سے زیادہ دوسری کیا چیز ہے۔

مولوی عبدالقادر کی معزولی اور بحالی

ان دنوں بہت سے لوگ چاہ رہے ہیں کہ کوئی صدر میں وکالت پر چلا جائے میں اس برہی کو بھلائی کا سبب سمجھتا ہوں۔ نہ معلوم آقا نے کیا لکھدیا کہ وہاں سے جواب پہنچا کہ اس کو معزول کردیں اور صدر میں لکھدیا جائے کہ اس کی نوکری کی انگریزی سرکار میں ممانعت کا حکم جاری ہو جائے۔ آقا نے اس عبارت سے حکم لکھ کر بھیجدیا کہ اگرچہ تیرا کوئی قصور میرے نزدیک ثابت نہیں ہے لیکن جنرل (سرآکٹرلونی) کے حکم کی تعمیل میں میں نے معزول کیا؛ بندہ نے جواب میں لکھا کہ میری عرضی جنرل صاحب کے پاس بھیج دی جائے۔

میں نے عرضی میں لکھا کہ بندہ کی معزولی کا سبب جو کچھ دل نشین ہوا ہے صدر کو اس سے مطلع فرمائیں اور دستخط خاص سے بندہ کو مرحمت ہونا کہ اس کا جواب بھی جناب والا کے ملفوف خط کے ساتھ صدر میں پہنچ جائے اور ایک ہی مرتبہ حکم ہو جائے اور جواب بھیجدینے سے صاحبان صدر کو سبب دریافت کرنے کی حاجت نہ ہوگی جیسا کہ چور، رہزن اور ٹھگوں کی طرف سے بھی جاتا ہے۔ آقا نے اس عرضی کو اپنے خط

کے ساتھ بھیجدیا۔

بتاریخ ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۸ اگست ۱۸۲۳ء روز پنجشنبہ جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) نے آغا (ویلدر صاحب) کو لکھا کہ

"اگر تم کو اس پر اعتماد ہے اور اسے بے قصور سمجھتے ہو تو میرا روبکار اور معزولی کا حکم ضروری نہیں اور مدلین صاحب نے بحالت اختیار ماموری اجمیر جو کچھ صدر کو لکھا ہے اس تحریر سے مولوی عبدالقادر کی بھلائی اور نوکری کی عمدہ کارگزاری سرکار میں ثابت کی ہے اس لئے میں اس کو بدستور کام پر رکھتا ہوں"

میر امیر علی سندیلوی — اسی اثنا میں میر امیر علی باشندہ سندیلہ جو ایک مدت تک جنرل ارنل کے ہمراہ اور کچھ عرصہ تک جنرل سر ڈیوڈ آکٹرلونی صاحب کے ساتھ رہا تھا وہ سفارش سے کلارک صاحب کے ہمراہ اجمیر میں پہنچا۔ صاحب ممدوح (کلارک صاحب) اور ویلدر صاحب کی مہربانی سے چندے سر رشتہ دار قایم مقام رہ کر جیسلمیر کی وکالت اور خبریں لکھنے پر روانہ ہوگیا۔ اب اجمیر کی صدر امینی کا کام کررہا ہے اخبار نویسی کے زمانے تک وہ ہمیشہ اپنی تحریریں اپنے کو چھوٹے بھائی جیسا ظاہر کرتا تھا لیکن جس دن سے صدر امین ہوگیا ہے کبھی بھی کوئی تحریر اس کی نہیں ملی جس سے میری بزرگی کا اظہار ہوتا چونکہ میں شہری آدمی ہوں اور وہ قصبہ سندیلہ کے شرفا میں سے ہے غالباً وہاں کے لوگوں کی ایسی ہی راہ و روش ہوگی۔ خیر جہاں رہے خوش و خرم رہے کیونکہ اس زمانہ میں جب کوئی شریف آدمی روٹیوں کے سر ہو جائے تو شکر کا مقام ہے۔ نوشت و خواند تو کالج کے تعلیم یافتوں کے لئے مناسب ہے لیکن لائق منشی انجام کار کو اچھا جانتا ہے۔

منشی مظفر علی ساکن متھرا — ۳۰ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۹ اگست ۱۸۲۳ء بروز شنبہ منشی مظفر علی رخصت لیکر نیچ چلا گیا یہ شخص متھرا کا سید اور قاضی زادہ ہے فارسی کے علاوہ صاحبان انگریز اس کو انگریزی نوشت و خواند میں بھی ماہر سمجھتے ہیں۔ راستہ کے نقشہ کا کام جانتا ہے۔ ہندوستانی تربیت میں بھی اسکنر صاحب کے سواروں کے طرز پر قابو رکھتا ہے، گاف صاحب کا پرانا رفیق اور تمام اجمیر کا امین رہا، اب گاف صاحب کی مہربانی سے بھوپاور کے سواروں کا افسر ہے معیشت اور اعزاز دونوں جیسا کہ

چاہیئے رکھتا ہے اور ہر طرح ترقی کے لائق ہے۔ آقا کی خدمت اور دوسروں کا لحاظ پاس اس کی عادت ہے جو لوگ اس کے زیر فرمان رہے اس کے ثنا خواں ہیں۔

کرامت علی

۲۴ ذی الحجہ ۱۲۳۸ھ مطابق یکم ستمبر ۱۸۲۳ء کو کرامت علی جو مدتوں سے گودام کی داروغگی پر مامور تھا کے دماغ میں کیا سودا سمایا کہ سب کو چھوڑ کر لنگی اور کمبل پر اکتفا کر لیا اور اسی حالت میں شہر میں مجھ سے ملنے آیا۔ اس کے تغیر مزاج کو دیکھ کر مجھے بہت رنج ہوا۔ لیکن سچ بات ہے میں نے اس کو رنجیدہ نہیں کیا۔ ہندی میں شعر لکھتا ہے اگرچہ محاورہ داں نہیں ہے لیکن خوش گو اور پر گو ہو کلام اس کا رواں اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند لطائف الحیل سے میں نے چاہا کہ اصلی حالت پر آجائے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ؎

بہ بند عشرم گرداری ز مردم بچشم زدیو خواہش بیہودہ در اماں مانی

برآمدی توازیں گر بزور نادانی بہ چند روز بدیوان دیا دواں مانی

ہندو مسلم نزاع

دہم محرم ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۸۲۳ء موافق ۱۱ سدی بھادوں سمت ۱۸۸۰ کو ہندو چاہتے تھے کہ مورتیاں نکالیں اور پیکر پرست مسلمان حضرت حسین رضؓ کے روضہ کا نقشہ جس کو تعزیہ کہتے ہیں نکالنا چاہتے تھے۔ آقا (ویلڈر صاحب) نے ہر چند وقت اور راستے میں تبدیلی کی تجویز کی مگر اہل ہنود نے پسند نہ کی۔ مسلمانوں نے اپنا کام کر لیا۔ ہندو رنجیدہ ہو کر اور دوکانوں میں تالے ڈال کر شہر کے باہر جمع ہو گئے۔ اگلے دن بندہ (مولوی عبد القادر) نے جا کر گفتگو کی پھر ٹھکانے پر آگئے اور اس روز اپنی رسم ادا کی۔

نواب غلام حسین خاں شاہجہانپوری

بتاریخ ۱۷ محرم ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۸۲۳ء کو نواب غلام حسین خاں شاہجہانپوری سو روپئے قرض لے کر اندور کو روانہ ہو گئے۔ نواب صاحب رئیس زادے ہیں قلیل المعاش ہونے کے باوجود بیباجی میں گزر کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں فقیر محمد خاں گویا کے توسل سے معتمد الدولہ[1] تک پہونچے وہاں معاش کی صورت بھی ہو گئی۔ لیکن قرض بھول گئے۔ وہ ایک ایسے شخص ہیں

---

[1] سید محمد خاں عرف آغا میر معتمد الدولہ کے خطاب سے سرفراز تھے اودھ کی سیاست پر چھائے ہوئے تھے جزو کل کے مالک تھے ۸ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ ۱۸۳۲ء میں انتقال ہوا۔ ناسخ نے تاریخ کہی ہو سے وہ نواب منیف جنگ امروز ۔ کہ گزشت از دور زمانی ناگہاں ائے ۔ ہاتف سال التاریخ وفاتش ۔ دوشنبہ ہشتم ذی الحجہ اے نواب آہ

تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ اودھ جلد چہارم از حکیم نجم الغنی خاں رامپوری

کر دین سے واسطہ کچھ نہیں رکھتے اور دُنیا کو بھی چاہتے ہیں، چاہے چرب زبانی سے حاصل ہو۔ اور اس زمانہ کے امیرزادوں کی مصاحبت کا سلیقہ اچھی طرح حاصل ہے۔

حکیم کلدار علی خاں دھلوی

حکیم کلدار علی خاں باشندہ دہلی عرصۂ دراز تک مادھوجی سیندھیا کے ساتھ رہا سیندھیا نے اس کو تیمور شاہ کے پاس پشاور بھیجا تھا کچھ عرصہ سے اجمیر میں رہنے لگا باوجودیکہ اس کی عمر اٹھانوے سال کی تھی مگر بصارت کی یہ کیفیت تھی لکھنے پڑھنے میں عینک کا محتاج نہ تھا اور خوراک بھی مثل جوان کے کھاتا تھا، یاد کرکے روزانہ بیماروں کو دیکھنے کے لئے پیادہ پا جاتا تھا اور روزانہ آٹھ ورق کی لکھائی بھی کرتا تھا۔ خانگی زندگی میں بھی کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا تھا۔ اب انتقال ہو گیا۔

نواب شمشیر بہادر کا انتقال

نواب شمشیر بہادر نے ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ جناب آقا (ویلدر صاحب) نے تعزیتی خط اس کے بھائی ذوالفقار بہادر کے نام بھیجا ذوالفقار الدولہ اپنے بھائی کا جانشین ہوا ہے۔

فیض اللہ خاں بنگش

بتاریخ ۲۸ محرم ۱۲۳۹ھ مطابق ۵ اکتوبر ۱۸۲۳ء فیض اللہ خاں بنگش نے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا اس شخص نے نواب امیر خاں کے لشکر میں بہت کچھ سرو سامان جمع کر لیا تھا لیکن لوگوں کی لوٹ مار سے یہ مال فراہم نہیں ہوا۔ بلکہ زیادہ تر ریاست جے پور اور جودھ پور میں بہلارہ اور سانبھر کے ٹھیکہ میں اس کی حیثیت بن گئی۔ فیض اللہ خاں بنگش نے جے پور، کشن گڈھ اور اجمیر میں کئی جگہ کارواں سرائے بنوا دیں ان سراؤں سے مسافروں کو بہت آرام ملتا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ ایک قیمتی موتی خواجہ صاحب کے مزار کے حجرے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ رقم اس نے بیکار برباد کر دی نہ اس کے کام آئی نہ دوسرے فائدہ اُٹھا سکے اس کا سبب دین اسلام کے اصول سے ناواقفیت اور عوام کی تقلید ہے۔

مرزا غلام ناصر برادر مولوی عبدالقادر

بتاریخ ۱۹ صفر ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۸۲۳ء میرا بھائی غلام ناصر جو مجھ سے عمر میں ۱۳ سال چھوٹا ہے۔ وطن سے مجھے دیکھنے آیا۔ اس نے تمام علوم رسمیہ کی تحصیل کی ہے ریاضی اور فن طب سے بھی بے حد مناسبت رکھتا ہے اب ویلدر صاحب کی نوازش اور ٹامس ہربرٹ کی اعانت سے جبلپور کا صدر امین ہو گیا ہے۔ مرزا غلام ناصر حلیم، خوش خو، وجیہ، پرہیزگار اور

بے آزار ہے۔ مگر آرام دوست، کاہل اور اوقات کو بہت ضائع کرتا ہے دانش اور علم و ہنر کی ترقی میں کوشش کم کرتا ہے۔ طبع موزوں رکھتا ہے لیکن سب چیزیں سرسری کرتا ہے رنج گوارا نہیں کرتا۔ طب سے مناسبت اور مشق حاصل کرلی ہے۔ فصد کھولنے میں اتنی ہی مہارت رکھتا ہے جتنی کہ اس کام کے مشاقوں کو ہوتی ہے۔[۱]

سالم سنگھ مہتہ مختار ریاست جیسلمیر کا زخمی ہونا

۸ ربیع الاول ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۲۳ء کو خبر ملی کہ سالم سنگھ مہتہ کو راجہ جیسلمیر کے دری خانہ کے سامنے ایک راجپوت نے بے گفت و شنید کاری زخم پہنچایا سالم سنگھ ریاست جیسلمیر کا مختار تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ راجہ خود سر ہو جائے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ راجہ کے اشارہ سے ایسا ہوا ہے۔ انہی دنوں میں میلہ پشکر کی تقریب میں کاب صاحب اودے پور سے آیا اور ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۸۲۳ء کو اودے پور کو واپس ہو گیا اور میر جلال الدین اس کی مشایعت میں گیا۔

جان رسل کلارک کی انگلستان کو روانگی

اب جارج رسل کلارک کی فرنگستان کو روانگی کا حال لکھتا ہوں جب ضعفِ جگر ان کے مزاج پر غالب ہو گیا اور ڈاکٹروں نے وطن چلے جانے کے علاوہ کوئی اور علاج نہ بتایا تو ناچار بتاریخ ۲۵ محرم ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۸۲۳ء کرشن گڑھ کو چل دیے چونکہ مجھ پر بے انتہا مہربانی کرتے تھے میں وہاں تک گیا اور رخصت کر کے واپس آیا۔ صاحب ممدوح ذہن متوسط رکھتے تھے مگر بالادست صاحب سے موافقت کا سلیقہ خوب رکھتے تھے کام میں مستعد، محنت کش اور بلا کسی کی وساطت کے رعایا کا حال دریافت کرنے کے خواہاں تھے ہنگامہ

---

[۱] مرزا غلام ناصر محمد ناصر کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے۔ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں بمقام بریلی فوت ہوئے۔ تذکرہ کاملان رام پور نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال رام پور میں ہوا۔ ہماری معلومات مرزا نصیر الدین کے خود نوشت حالات "وقائع نصیر خانی" سے ماخوذ ہیں۔ مرزا غلام ناصر کو شاعری کا بھی شوق تھا۔ مرزا نصیر الدین نے ایک رباعی نقل کی ہے۔

پیش تو بہ ہر شہ سوائے نبود	چوں من بزمانہ خاکسارے نبود
خواہم کہ رکاب تو ببوسد خاکم	بر خاطر شہ اگر غبارے نبود

یہ رباعی انہوں نے نواب یوسف علی والیِ رام پور کی مدح میں کہی ہے۔ دیکھیے (۱) وقائع نصیر خانی ۳۵۴-۳۶

(۲) تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۳۸۴-۳۸۵

اور نزاعی معاملات کا فیصلہ خوب کرتے تھے۔ سزا سخت تجویز کرتے تھے۔ رعایا کی تالیف قلوب اور دلجوئی میں بھی لگے رہتے، مہربانی، سفارش۔ رنجش اور شکایت کا بھی سیاست میں لحاظ رکھتے۔ بشیری کماّ کو اجمیر میں پابہ زنجیر اور قید کر دیا اور ناگپور میں اس کو کوتوال کا عہدہ دلا دیا۔

لین دین اور زمین کے معاملات پر جلدی نہیں پہنچتے تھے اور نہ ان کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ رفیق پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ آمدنی سے زیادہ خرچ ان کا شیوہ رہا۔ باوجودیکہ کلکتہ سے اتنا قرض اپنے اوپر کر لے گئے کہ ریزیڈنسی کی دو سالہ تنخواہ بھی اس کی ادائگی کو کافی نہیں ہوئی تاہم فضول خرچی سے ہاتھ نہیں رُکتا تھا۔ بندہ (مولوی عبدالقادر) کے حال پر بے حد نوازش رکھتے تھے حتیٰ کہ بمبئی سے خط بھیجا فرنگستان سے بھی پرسان رہے۔ ناگپور میں مجھے دور سے ہی دیکھ کر لطف سے پیش آئے اور خیریت پوچھی خدا ان کو ان کے خوشامد پیشہ ملازم کے فریب سے علیحدہ کر دے۔

تفضل حسین خاں وکیل نواب امیر خاں

دہم ربیع الاول ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۴ر نومبر ۱۸۲۳ء روز جمعہ تفضل حسین خاں پسر محفوظ علیخاں برکت علی خاں کا بھانجہ جو کہ امیر خاں کی وکالت میں جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) کے پاس رہتا ہے آیا۔ ذہن روشن اور طبع رسا رکھتا ہے اور اس کے زور میں ہر جگہ ایک راستہ نکال لیتا ہے۔ تحریر و تقریر اور سخن فہمی کا ملکہ رکھتا ہے۔ عاقبت اندیش نہیں ہے کیونکہ جو کچھ پاتا ہے اس سے زیادہ خرچ کر دیتا ہے انجام نہیں دیکھتا دوسرے کے لئے بھلا اور اپنے لیئے بُرا ہے کینہ۔ رشک۔ فریب اور مردم آزاری سے بے حد پرہیز کرتا ہے۔ ایک عرصے سے نہیں معلوم کہاں ہے۔

ڈاکٹر کپ صاحب

بتاریخ ۴ر ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ مطابق ۸ر دسمبر ۱۸۲۳ء کپتان ٹمالی صاحب کے مکان پر میں نے جنرل ٹملہ صاحب اور ڈاکٹر کپ صاحب کو دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح رفیق پروری اور ملازم نوازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ علی العموم سفارشی خط ہر کسی کیلئے نوکروں اور حاضر باشوں کے کہنے پر لکھدیتے اور جو خوبیاں سفارشی سے سُنتے مکتوب الیہ کو اس طرح لکھدیتے کیونکہ آزمودہ کار ہیں۔

احمد بخش خیر آبادی

۱۱ر ربیع الاول ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۸۲۳ء کو احمد بخش خیر آبادی اخبار نویس کشن گڑھ منجانب سرکار، اجمیر پہونچا۔ آدمی سادہ اور خوش نویس ہے۔ اخباری کام کے لئے مناسب ہے۔

کوتوالی منصب کو جانتا ہے۔ وہ راجہ سے اور راجہ اس سے ہمیشہ رنجیدہ رہتا ہے۔

کپتان صاحب کا اپنے ملازم کو ٹونک سے بلوانا

انہی دنوں میں کپتان ترلالی صاحب کا تیرہ سالہ نوکر آقا کی روزانہ کی خفگی کو برداشت نہ کرتے ہوئے بھاگ کر ٹونک دارالحکومت نواب امیر خاں میں پہونچ گیا۔ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اس پر بہت کم خفگی ہوتی تھی۔ چونکہ ٹونک میں سرکاری دخل نہیں ہے اور ایسے کاموں کے لئے رزیڈنٹ کی تحریر کی ضرورت نہ تھی۔ صاحب ممدوح نے فرمایا کہ اس کے آئے بغیر میرے کام کا حرج ہے اس کو وہاں سے بلاؤ۔ میں نے کہا دوستانہ طور سے لکھ سکتا ہوں لیکن جناب وعدہ کریں کہ آنے کے بعد اس کو رنجیدہ نہ کریں گے اور اگر کوئی قصور ہو جائے تو عدالت کے سپرد کرینگے یا اس کا نام کاٹ کر چھوڑ دیں گے ورنہ مجھے معاف رکھیں اور جیسی اس کو تکلیف ہوگی ویسی مجھے ہوگی۔

چنانچہ جس طرح میں نے چاہا انہوں نے وعدہ کر لیا۔

تفضل حسین خاں کو میں نے خط اور زاد راہ اپنے پاس سے دے کر اُس لڑکے کو بلالیا اور اپنے ساتھ لے جا کر اور وعدہ یاد دلا کر پہنچا دیا۔ چند روز رکھ کر رخصت کر دیا۔ کیونکہ ایفاء وعدہ اس نا مدار کے مزاج پر ناگوار تھا اور اس کے خلاف کرنا عیب سمجھا۔

ہنری رچرڈ فرانسس مور

بتاریخ ۲۹ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ مطابق دوم جنوری ۱۸۲۴ء بروز جمعہ کو ہنری رچرڈ فرانسس مور صاحب جو راجپوتانہ اور مالوہ کا اسسٹنٹ رزیڈنٹ تھا، فرانسس مور کے دادا کی بہن لارڈ ہیسٹنگز کو منسوب تھی۔ اجمیر کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ کی قایم مقامی پر پہونچا بندہ اس کی ملاقات میں کامیاب ہوا۔ چونکہ اس وقت وہ ہندی اور فارسی کم جانتا تھا روزانہ مجھے بلاتا اور جو چاہتا پوچھتا۔ گفتار و کردار سے شرافت اور ریاست ظاہر تھی۔ ایچ پیچ اور جالنہ کو جیسا کہ اس ملک کے بہت سے لوگوں کی عادت ہے پسند نہیں کرتا تھا۔ اور کسی سے خلاف اُمید کچھ دیکھ کر بہت جلد رنجیدہ ہوتا تھا

خدمت۔ بھلائی۔ خودسری اور حسن سلوک اس کی عادات تھی اور اگر کوئی ہم چشم کسی بالادست سے کبھی سے پیش آئے تو زمانہ سازی اور درگزر نہیں کرتا اور اس کی بھی برداشت نہیں رکھتا کہ کسی زیردست کو ستائے۔ اس کو معلوم ہو جائے کہ کوئی ملازم حریص ہے اور لوگوں کا مال کھاتا ہے۔ تو وہ ایسے ملازم کا مُنہ

دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ ایسے ہی اگر کسی کو دیکھے کہ اپنے مرتبہ سے زیادہ اعزاز چاہتا ہے تو اس کو سب سے کم سمجھتا اور ان باتوں میں حمایت۔ سفارش وغیرہ کو بالائے طاق رکھ دیتا اگرچہ ان تیز فہم اور زود رس نہیں تھا اور اپنی سمجھ پر نازاں بھی نہیں تھا۔ جو شخص چالاک اور حرص کا بندہ نہیں ہوتا اسکی پرستش کرتا۔ بالادستوں اور دوسروں سے زمانہ سازی نہیں برتتا اگرچہ ترقی رتبہ کے لئے اس زمانے میں یہ چیز ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود رائے اور خودسر نہیں تھا۔ بے بہانہ حکم منظور کر لیتا تھا۔

سگن چند دہلوی بتاریخ ۱۲ر جمادی الاول ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۸۲۴ء کو سگن چند نے آقا سے ملاقات کی۔ اس کے بزرگ دہلی میں کاغذ فروشی کی دوکان کرتے تھے۔ اس کا باپ جنرل پیرون صاحب کا خزانچی تھا اس نے بہت روپیہ پیدا کیا تھا۔ صاحب ممدوح (پیرون) اچانک اس ملک سے چلا گیا اور شاہجہان آباد انگریزی حکومت میں آگیا۔ جنرل سر ڈیوڈ اکٹر لونی صاحب جو اس وقت کرنیل تھے دہلی کا انتظام ان کے سپرد ہوا۔ یہ شخص حسن سلیقہ اور حاضر باشوں کی دلجوئی سے صاحب ممدوح (سر اکٹر لونی) کا مورد الطاف ہو گیا۔ رفتہ رفتہ جنرل صاحب کے زیر حکم تمام خزانوں کا خزانچی ہو گیا۔

صاحبان عالی شان اس کے گھر جاتے تھے اور اس کے گماشتے ولیم فریزر صاحب کی بیٹھک کے علاوہ بیٹھے رہتے تھے اور وہ ہر موسم کا خشک و تر میوہ، مٹھائی، گلاب، کیوڑہ اور جو کچھ ملتا سرکار انگریزی کے متوسلوں کو بھیجتا تھا۔ ہولی کے موقع پر محفل رقص و سرود میں سب کو اپنے یہاں مدعو کرتا۔ اس کی قوم اگروال تھی لیکن اس نے جینیوں کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ ہندوؤں کے دیوتا برھما کالی، سورج، رام اور کرشن سے کچھ سروکار نہیں رکھتا تھا۔ اس نے شہر میں ایک مندر بنوایا تھا۔ اتفاق سے اس مندر پر ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا جو چارلس تھیوفلس مٹکاف کی حُسن تدبیر اور پلٹن کے زور سے رفع ہوا۔ چند خون گرفتہ لوگ مارے گئے۔ زیادہ فساد کا اندیشہ تھا اتنے ہی پر خیر گزری اور شر قلیل خیر کثیر کا باعث ہو گیا۔

بود اُمید بہی تا بمر ہم زنگار پزشک نیک نداند بریدن انگشت
بیم مردن بیار دست را بّرد درستی ہمہ تن تا بیا ورد درشت

مگو کہ گشت بگو داد جان جہانے را — اگر ستمگر بیباک را کہ داد و رگشت

اسٹور صاحب بتاریخ ۲۰ رجمادی الاول ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۲ رجنوری ۱۸۲۴ء اسٹور صاحب تشریف لائے وہ نیک خو، تیز ہوش، فرمان بالادست پر سلامتی سے چلنے والا، ہم چشموں کی دلجوئی اور معاہدہ کے ساتھ مدارات پیشہ اور زبردست کو تسلی دینے والا تھا اس کے ہمراہ میر یار علی تھا۔ یہ شخص جے پور کا دفتر دیکھنے کے لئے تجویز ہوا جہاں چالیس لاکھ سے زیادہ جمعبندی کا معاملہ تھا۔ اس کے بعد اگرچہ اس کا اجرا ملتوی رہا لیکن جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) کی علو ہمت نے اس کو بدستور بحال رکھا۔ یہ شخص ہشیار، کارگزار اور کم گو جو کچھ دل میں رکھتا تھا بہت کم زبان پر لاتا تھا۔

منشی زین العابدین خاں منشی زین العابدین خاں خواجہ فرید الدین مخاطب بہ دبیر الدولہ کا فرزند ہے[1]۔ جو جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) کا مشیر خاص تھا۔ زین العابدین امیروں کی خدمت کا خاص سلیقہ رکھتا تھا اور جس سے چاہتا تھا بڑی خوبی سے تعلقات پیدا کر لیتا تھا۔ اسی وجہ سے جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) نے اس جوان (منشی زین العابدین) کو اسٹور صاحب کا منشی کر دیا تھا۔ مرد خوش رو، با ادب، بزم میں صاحب سلیقہ، زباں داں، حفظ مراتب سے خبردار اور نوشت و خواند میں ماہر ۔ جو کوئی اس کے ساتھ مروت سے پیش آتا اور اس کے باپ کے رتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتا ؤ کرتا تو وہ ایسے شخص سے ہمیشہ خوش رہتا تھا۔

ڈکسن صاحب بتاریخ ۲۲ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۵ رجنوری ۱۸۲۴ء ڈکسن صاحب نے جو اجمیر کے توپ خانے کے انچارج تھے سیسہ کی کان کے متعلق بعض امور دریافت کرنے کے لئے بندہ (مولوی عبد القادر) کو بلایا۔ بعض چیزیں دریافت کیں میں جوابات دے کر واپس آگیا۔ ڈکسن تیز فہم، نیک خو، پاک دل اور بے آزار تھا سب لوگوں کے ساتھ بسر کر سکتا تھا۔ لپیٹ اور جھگڑے کی باتوں سے بہت بچتا اور کج روی سے کنارہ کش تھا۔ رات دن لوگوں سے اپنا کام لیتا تھا۔ لیکن بہت میل جول نہیں رکھتا۔

---

[1] منشی زین العابدین خاں نواب فرید الدولہ بہادر کے فرزند اصغر تھے سر سید احمد خاں بہادر کے ماموں تھے ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو سیرت فریدیہ از سر سید احمد خاں بہادر مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۶ء ص ۲۰-۲۱

ویلڈر صاحب کی جودھپور روانگی

بتاریخ ۳ رجمادی الآخر ۱۲۳۹ھ مطابق ۴ فروری ۱۸۲۴ء ماروارڑ کے خارج کردہ سرداروں کی سفارش کے لئے ویلڈر صاحب بہادر کو جودھپور جانے کا حکم صدر سے تجویز ہوا۔ چونکہ محرر صاحب نے ابھی تک اس ضلع کے امور سے آگاہی حاصل نہیں کی تھی اس لئے صدر امینی اور محکمہ میں صاحب ممدوح کی کچہری کے وقت تک حاضر باشی چھوٹے (اسسٹنٹ رزیڈنٹ) اور بڑے صاحب (رزیڈنٹ) کی تجویز سے بندہ (مولوی عبدالقادر) کے متعلق ہوئی۔

رات کے وقت منشی کرم احمد رخصت کے لئے اجمیر آیا پھر نصیر آباد کو واپس ہو گیا۔

۵ رجمادی الآخر ۱۲۳۹ھ مطابق ۶ فروری ۱۸۲۴ء روز جمعہ کو ویلڈر صاحب نے جودھپور کی طرف روانگی فرمائی۔ منشی رحمت اللہ عرف مرزا جان اور بہاری لال سررشتہ دار ہمرکاب ہوئے۔ منشی رحمت اللہ پسر مولوی برکت اللہ (برادر رشید الدین خاں) دہلی کے باشندہ ہیں ان کے بزرگ خطۂ دلپذیر کشمیر کے رہنے والے تھے۔ اب ایک زمانہ سے شاہجہاں آباد میں رہتے ہیں۔

مولوی فضل امام خیرآبادی کی رشوت کی وجہ سے برطرفی

مولوی برکت اللہ دہلوی شاہجہاں آباد کے صدر دفتر کے محافظ تھے چونکہ گودن صاحب بہادر کے وارد ہوتے ہی رشوت کی بنا پر مولوی فضل امام (خیرآبادی) ملازمت سے معطل ہو گئے، حالانکہ اس زمرہ میں یہی بزرگ اس مرض میں مبتلا نہ تھے (بلکہ دوسرے لوگ بھی رشوت لیتے تھے) مٹکاف صاحب نے یہ کام مولوی برکت اللہ کے سپرد کیا اور اس نے ایک زمانہ تک اس عہدہ کو نیک نامی سے انجام دیا۔ مولوی برکت اللہ کو عارضہ فالج نے بیکار کر دیا۔ رزیڈنٹ صاحب کی مہربانی سے گھر بیٹھے پنشن پانے لگا۔

منشی رحمت اللہ پسر مولوی برکت اللہ دہلوی

مولوی برکت اللہ کے لڑکے رحمت اللہ نے کتب مروجہ کی تحصیل مولوی فضل امام خیرآبادی سے کی پھر کچھ واقفیت حاصل کر کے محرروں میں نوکر ہو گیا۔ منشی رحمت اللہ کا مولوی صدر الدین سے یگانگت کا تعلق تھا انہوں نے ہنری مڈلین کے ذریعے سے جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) سے سفارش کی مڈلین صاحب مولوی صدر الدین پر بہت مہربان تھے سفارش منظور ہو گئی اور رحمت اللہ کا اجمیر کی منشی گری کے عہدہ پر تقرر ہو گیا۔ ویلڈر صاحب نے

منظور کرلیا۔ جب ہی سے رحمت اللہ اس عہدہ پر قایم ہوگیا اور وہ دہلی میں رہا یہاں تک کہ مدلین صاحب بہادر اجمیر پہونچ گئے۔

منشی رحمت اللہ کی علالت اور موت!

بتاریخ ۶ ار جمادی الاول ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۷ ار جنوری ۱۸۲۵ء کو ویلدر صاحب کی ساگر کو روانگی اور مدلین صاحب کے تقرر کے بعد منشی رحمت اللہ اجمیر آیا۔ اس کو منہ سے خون آتا تھا اور کھانسی اور بلغم کی شدت تھی اس نوجوان کو یہ گمان تھا کہ سرد چیزیں مجھے فائدہ کرتی ہیں نارنگیاں ہر جگہ سے منگا کر کھاتا تھا۔

اگرچہ ایک دو مرتبہ میں نے منع کیا سعادت مندی کے طریقہ پر ہاں ہاں کردی لیکن چونکہ سفارت کا منشی تھا اور دو امیر کبیر مدلین صاحب و جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) کا پسندیدہ تھا میری بات اس کے دلنشین نہ ہوئی۔ وہ پہلے کے مقابلہ میں اس وقت اپنی عقل پر زیادہ نازاں تھا۔

ٹھنڈی چیز سے سردست تسکین کا سبب میرے خیال میں یہ ہے کہ زخم کی نوبت قصبۃ الریہ سے پھیپھڑے تک پہونچ گئی تھی، حوالیِ قلب پر پھیپھڑے کے زخم سے گرمی بڑھ جاتی تھی ٹھنڈک سے راحت ملتی تھی خون بھی اسی بنا پر زیادہ آتا تھا کہ پہلے زخم قصبۃ الریہ میں تھا۔ روز بروز زیادتی ہوتی رہی طبیبوں نے غلطی کرکے اس کو دماغ کی بیماری سمجھا۔ اور علاج دوسرا کیا یہاں تک کہ قصبہ سے ریہ تک سب مجروح ہوگیا۔

۱۱ ار شوال ۱۲۴۰ھ مطابق یکم جولائی ۱۸۲۵ء کو اجمیر میں عزیز و اقارب اور اپنے پرائے سے دور منشی رحمت اللہ نے عین عالم شباب میں اس عالمِ فانی سے ملک جاودانی کی راہ لی۔ باوجود نوجوانی کے آوارگی نہ تھی صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ میں نے نہیں سُنا کہ اس عرصہ میں کسی سے رشوت لی ہو!

بتاریخ ۲۷ ار جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۸ ار فروری ۱۸۲۶ء کو میں میر نظام الدین ممنون کی ملاقات سے مستفید ہوا یہ بزرگوار میرزا قمر الدین منت کے فرزند ہیں۔

مرزا قمر الدین منت

میرزا قمر الدین منت جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے عزیزوں میں سے تھے۔ اور یگانۂ آفاق جناب مولوی فخر الدین اورنگ آبادی مولداً دہلوی مرقداً طاب ثراہ

کے مرید ہوئے اور ایک عالم کے مرشد ہو گئے۔ مولوی فخرالدین انسانیت اور اخلاق میں آپ اپنی مثال تھے۔ قمرالدین منت[۱] نے کچھ عرصہ کے بعد لکھنؤ میں نواب حسن رضا خاں[۲] اور حیدر بیگ[۳] خاں کا تقرر حاصل کر لیا تھا اپنے کو اثنا عشری ظاہر کیا اور اس راہ (مذہب اہل سنت) سے پھر گیا۔ حیدر بیگ خاں کی رفاقت میں کلکتہ آیا اور ختم ہو گیا۔ فارسی شعر بھی لکھتا تھا۔ اس کا ایک مطلع ؎

چو دید از دور آں گلگوں قبا را گلستاں گفت منت مر خدا را

ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے۔

---

[۱] میر قمرالدین منت دلی کے رہنے والے تھے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی مشورۂ سخن میر نورالدین نوید اور میر شمس الدین فقیر سے کرتے تھے۔ بہت پر گو شاعر تھے تقریباً ڈیڑھ لاکھ اشعار کا کلیات یادگار چھوڑا۔ متعدد مثنویاں تصنیف کیں جن میں سے ایک شکرستان ہے جو شیخ سعدی کی گلستاں کے جواب میں لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

دریں عمر دہ مثنوی گفتہ ام به آئین طرز نوی گفتہ ام

چو اشعار من در عدد می رسد شمار قصائد بعید می رسد

بود شعر من در غزل سی ہزار زیانصد رباعی گرفتم شمار

۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں لکھنؤ پہونچے مسٹر جانسٹن کے ساتھ کلکتہ گئے مارکوئس آف ہیسٹنگز نے ان کو ملک الشعراء کا خطاب دیا اکثر قصیدے ہیسٹنگز کی مدح میں لکھے ہیں۔ سنہ ۱۷۸۰ء میں ایک خاص سفارت پر گورنر جنرل نے ان کو حیدرآباد بھیجا۔ حضور نظام کی مدح میں انہوں نے قصیدہ پیش کیا۔ اور انعام و اکرام پایا حیدرآباد سے عظیم آباد مہاراجہ تکٹ رائے کی مصاحبت میں رہے پھر کلکتہ پہنچے جہاں ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۴ء میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۱۳۲-۱۹

[۲] حسن رضا خاں بن مرزا علی رضا، سلطنت اودھ کے قدیمی افسر باورچی خانہ، توشہ خانہ اور دیوان خانہ تھے نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں بیس برس سے زیادہ نیابت کا کام انجام دیا علم سے محروم مگر عقل کے پتلے اور ذہن رسا کے مالک تھے شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں بہت کوشش کرتے تھے۔ ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں فوت ہوئے۔ تفصیل کیلئے دیکھیے (۱) تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۱۳۰-۱۳۲

(۲) تاریخ اودھ جلد چہارم صفحہ ۶۳-۶۴

[۳] حیدر بیگ خاں کابل کے باشندے اور حنفی مذہب تھے۔ صفدر جنگ کی وزارت کے زمانے میں ہندوستان آئے اور صفدر جنگ کی سرکار میں نوکر ہو گئے پھر سلطان پور، ردولی، دریاباد۔ کوڑہ اور سرکار الہ آباد کے فوجدار رہے۔ حیدر بیگ خاں نہایت لائق دانشمند اور سیاق و سباق میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۵ء میں آصف الدولہ کی سرکار سے رزیڈنٹ کے ذریعہ خلعت نیابت ملا۔ حکومت اودھ کا کام بڑی مستعدی سے انجام دیا۔ ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء میں فوت ہوئے۔

دیکھئے تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۱۲، ۱۳، ۲۹

میر نظام الدین ممنون میر نظام الدین ممنوؔن بھی قید سے آزاد ہے۔ زندگی کے آرام کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ مرد سنجیدہ جہاں دیدہ۔ فہمیدہ اور زمانہ گرم و سرد چکھے ہوئے ہے اس کی تحریر و تقریر مربوط ہے۔ اور تحصیل و تشخیص، وکالت و مصاحبت کے لائق ہے۔ لکھنؤ کے کہنہ مشق اُردو شعراء میں اس کا شمار ہے اس کی ایک غزل کا مطلع ؎[1]

لیتی ہے فیض گل سے صبا اور صبا سے ہم ۔۔۔ لے عطر اسکے تن سے تبا اور قبا سے ہم

زبانوں پر ہے، یہ غزل جس التزام سے کہی ہے خوب کہی ہے۔

نظام الدین ممنون جنرل سر ڈیوڈ اکٹرلونی صاحب کی سفارش سے مدت تک کوٹ قاسم ضرب خاص حضور والا کی تحصیل کا کام کرتا رہا۔ آخر لوگوں کی کوشش سے اس خدمت سے کنارہ کش ہو گیا اور پرگنہ نمرہ کی پایکاری جس کا انتظام کپتان ہال صاحب کے متعلق ہے حاصل کر لی۔

ایک بات میں نے اس سے سنی تھی جو میں نہیں سمجھا اس نے کہا کہ

"ایک دن حکیم نور الدین خاں مختار حضور والا کا وکیل جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) کے پاس شاہجہاں آباد میں آیا اس کی آمد کے متعلق سپہ سالار نے مطلع کیا۔ سپہ سالار کو فرمایا آئیے آئیے۔ اس کے روبرو پہونچتے ہی صاحب ممدوح نے اس (حکیم نور الدین خاں) کو برا بھلا کہا اور مارنے کے ارادہ سے کھڑے ہو گئے وہ بھاگ کر باہر نکل گیا"

اس روایت کے صدق و کذب سے قطع نظر کرتے ہوئے میں نہیں سمجھا کہ یہ بات جنرل صاحب (سر آکٹرلونی)

---

[1] میر نظام الدین ممنون خلف میر قمر الدین منت، ان کے آباو اجداد سونی پت کے رہنے والے تھے مگر ان کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ اکبر شاہ ثانی نے ان کو فخر الشعراء کا خطاب عطا کیا اور اکثر لوگ ان کے سلسلہ تلمذ میں داخل ہوئے۔ کچھ دنوں اجمیر میں صدر الصدور رہے ۱۲۶۰ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔ اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے مفتی صدر الدین آزردہ وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان کا دیوان کمیاب ہے۔

قطعہ تاریخ وفات میر نظام الدین ممنون

میر ممنون از جہاں بگزشت و نزد خالے ۔۔۔ زندگی را از ممات او بود حسکم ممات

سر بجیب فکر بردم گفت ناگاہ پیر عقل ۔۔۔ شاعر شیریں زبان ہند تاریخ وفات

۱۲۶۰/۱۲۲۲ھ

ملاحظہ ہو (۱) تاریخ ادب اُردو رام بابو سکسینہ صفحہ ۲۱۱ (۲) آثار الصنادید باب چہارم صفحہ ۱۱۵-۱۱۶

کی تعریف میں کہی یا مذمت ہیں۔ تعجب کی یہ بات ہے کہ نظام الدین صاحب ممدوح (سر آکٹرلونی) کا ممنون ہے اس جیسے دانشمند شخص (آکٹرلونی) کی ایسی خفیف حرکت کی ستائش بھی تعجب خیز ہے یا یہ کہ ویلدر صاحب کے گوش گذار ہو جائے کیونکہ ان کے (ویلدر) اور جنرل صاحب کے درمیان رنجش ہے بظاہر مقصد تھا کہ ان کی رسائی ہو جائے۔ یہ اس بزرگ نژاد (نظام الدین) کی شرافت سے بعید ہے۔

میجر ہاٹن صاحب سے مولوی عبدالقادر کا رنجیدہ ہونا

اگلے دن میجر ہاٹن اجمیر آیا اس نے اور بندہ (مولوی عبدالقادر) کے مکان کے قریب خیمہ لگایا۔ اس خیال سے کہ پیشتر جودھپور کے سفر میں اس سے تعارف ہو چکا تھا اور ویلدر صاحب سے بھی دوستانہ ربط رکھتا تھا۔ میں نے اطلاع کی پہلی سی رسم میں فرق دیکھ کر واپس آگیا۔

شام کے وقت ایک صاحب نے آکر کہا کہ صاحب (ہاٹن) نے تجھے یاد فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ سفر کے سبب صاحب کے خیمہ میں نشست کی جگہ نہیں اور مجھ میں کھڑے رہنے کی طاقت نہیں۔ وہ شخص پھر آیا اور اس نے کہا کہ ہاٹن صاحب کہتے ہیں کہ بعض نقشوں کا کام مولوی عبدالقادر سے دریافت کرنا ہے، میں ویلدر صاحب کے ذریعہ سے اس کو بلا لوں گا۔ میں نے کہا کہ سرکار مجھے صدر امینی اور افتار کی تنخواہ دیتی ہے اس کی انجام دہی میرے ذمہ ہے۔ دوسرا کام خواہ ویلدر صاحب کہیں یا کوئی اور اس کا کرنا نہ کرنا میرے اختیار میں ہے۔

پھر صاحب ممدوح (میجر ہاٹن) نے مور صاحب کے سامنے کہا کہ فلاں (مولوی عبدالقادر) کو اس کے اس رویہ سے جو سفر جودھپور میں میں نے دیکھا ہے خلاف پاتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس قدر زود رنج ہے۔

میجر ہاٹن میجر ہاٹن صاحب خندہ پیشانی، خوش خلق، بذلہ سنج اور لطیفہ گو ہے۔ تصویر بنانے میں ایسی چابک دستی دکھاتا ہے کہ جادو نگاری کہہ سکتے ہیں۔

جودھپور کے پہلے سفر میں راجہ مان سنگھ ویلدر صاحب کے خیمہ میں آیا۔ تادم رخصت ممدوح (میجر ہاٹن) بھی سب صاحبوں کے ساتھ محفل میں شامل رہا۔ اس کے رخصت ہوتے ہی

یہ اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ جب تک سواری شہر میں کہ ڈیڑھ کوس کا فاصلہ ہے پہنچی میجر ہاٹن نے پوری کماری کی ایسی تصویر کھینچ دی کہ ابھی سیاہ قلم (خاکہ) ہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بغیر دریافت کئے ہوئے ایک دوسرے کو پہچان لیا جاتا تھا۔ اگلے دن صاحب ممدوح (میجر ہاٹن) نے روانگی کر دی۔

میر نجف علی

جیسلمیر کے سفر کے وقت اس کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص میر نجف علی تھا وہ اس (میجر ہاٹن) سے جدا ہو کر اجمیر کی کارواں سرائے میں رہ گیا وہ خود کو خواجہ میر درد کا نواسہ بتاتا ہے۔ میں نے اس کو دیکھا ہے نہایت چالاک شخص ہے۔ اوباش وضع ہے۔ درویشانہ لباس پہنتا ہے، خرچ امیرانہ ہے۔ امراء کی مصاحبت حاصل کر لی ہے۔ اہل اسلام میں گویا کرشن وقت ہے۔ دوبارہ اسی ہیئت سے فرخ آباد میں سنہ ۱۲۴۴ھ (۹۱-۱۸۲۸ء) میں سربازار اس کی زیارت ہوئی۔

بتاریخ ۱۳ر رجب مطابق ۱۵ر مارچ کو ویلڈر صاحب اجمیر میں رونق افروز ہوئے اور ۱۹ر رجب مطابق ۲۱ر مارچ کو بیاس صورت رام وکیل سرکار جودھپور کے سامنے سرداران مارواڑ کے وکیلوں سے کہا گیا کہ وہاں کے والی نے تمہارے موکلوں کے قصور کی معافی کا وعدہ کیا ہے۔

زور آور مل سیٹھ اودے پوری

۲۴ر رجب سنہ ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۶ر مارچ سنہ ۱۸۲۴ء کو زور آور مل سیٹھ اودے پور سے آیا اور چلا گیا یہ شخص باوجودیکہ دوکانداری کرتا ہے مگر راجاؤں سے زیادہ ہمت رکھتا ہے اور اس کام کا سلیقہ بھی اس میں ہے۔ جیسلمیر کے راول اور اودے پور کے رانا کے ساتھ اس کے خاص تعلقات ہیں۔

کپتان ٹاڈ صاحب کے حضور میں بھی اعتبار حاصل کر لیا تھا۔ اب میں نے سنا ہے کہ سرکار اودے پور میں بڑے بڑے امور میں پورا دخل رکھتا ہے۔

سراوگیوں کا مذہبی گرو ہون کیرت بھٹارک

۲۸ر رجب سنہ ۱۲۳۹ھ مطابق ۳ر مارچ سنہ ۱۸۲۴ء کو ہون کیرت بھٹارک اس دنیا سے گزر گیا۔

جاننا چاہیئے کہ سراوگیوں میں رسم ہے کہ کسی مفلس بچے کو اس کی قوم سے خرید لیتے ہیں اور اس کو مذہبی تعلیم دلاتے ہیں۔ جب اس نے علم حاصل کر لیا اور عورت کی طرف رغبت نہ کی تو اس کو مذہبی گرو بنا لیتے ہیں اور بھٹارک کہتے ہیں۔

بھتارک کا کام دوسروں کو تعلیم دینا اور پند و نصیحت کرنا ہوتا ہے روزانہ اس قوم کا ایک شخص بھتارک کی مع اسکے شاگردوں کے دعوت کرتا ہے لیکن اس کو تنہا ایک گوشہ میں بٹھا دیتے ہیں اور اس مقام پر پردہ ڈالتے ہیں کانسے کے برتنوں پر لکڑیاں مارتے ہیں تاکہ گھنٹے بجیں یا اور کسی دوسرے بھوکے کی آواز اس کے کان میں نہ پہنچے ورنہ وہ دوسرے کا رنج معلوم کرکے نہ کھائے گا۔ میزبان کے گھر کی جوان، خوبصورت، اور تندرست عورت جو ہر طرح صحت مند ہو عمدہ لباس پہن کر اس پردہ میں جاتی ہے اور اپنے ہاتھ سے اس کو کھانا کھلاتی ہے وہ کھالیتا ہے۔ شکم سیر ہوکر پانی بھی وہیں پیتا ہے پھر روٹی پانی کی طرف رغبت نہیں کرتا، اس امتحان کو اس کی پارسائی سمجھ رکھا ہے۔ اس کے پہلے کہ وہ اس مرتبہ پر پہنچے اس کو وہ چیزیں کھلاتے ہیں جو قوت باہ کو نقصان دیں برسات کے دنوں میں برہنہ مادر زاد کھڑا ہوکر وعظ کہتا ہے تاکہ اپنی پوری بیکاری سب کو دکھلائے۔

جب بوڑھا لاغر اور ناتواں بھتارک مرگیا تو دوسرا بھتارک اس کا جانشین ہوا۔ اس کی عمر بیس سال سے کم ہوگی۔ خوبصورت توانا اور اچھے بدن کا ہے۔ خطاب دھرم بھوگن پایا ہے اگر جگہ نہ ملے، خواہش کے بھوت کو تابع رکھے اور نمایاں کام کرے تو کامیاب ہوا۔

اگرچہ یہ طریقہ عقل کا پسندیدہ نہیں بلکہ زیادہ تر فساد کا اندیشہ ہے۔ اسی بنا پر شریعت میں عورت اور غیر شخص کا تنہائی میں رہنا جائز نہیں ہے۔

نومی عبدالقادر کا تبصرہ ایسے شخص کی پارسائی نہ قیاس سے بعید ہے نہ خوف خدا کی دلیل ہے۔ کیونکہ اکثر مخلوق عادت اور خیال کی پابند ہے۔ مثلاً کوئی شخص شراب پیتا ہو اور شراب کی صراحی اس کو ایسی جگہ مل جائے کہ کوئی وہاں دوسرا موجود نہ ہو تو ہرگز وہ شخص شراب کی طرف توجہ نہ کرے گا اور زمانہ دراز تک اسی طرح رہے گا۔

ممکن ہے عورت کسی کو پارسا نہ رہنے دے مگر، جو شخص مے نوش ہے اگرچہ وہ مسلمان ہو مگر شراب سے احتراز نہیں کرے گا لیکن سود کے کباب نہ کھائے گا۔ اگرچہ مذہب کی رو سے دونوں چیزیں حرام ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ بلکہ فساد اور رسوائی شراب میں زیادہ ہے اور سور میں کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی بدخصلت لڑکوں پر فریفتہ ہو تو وہ عورت سے پرہیز کرے گا اور بچوں سے اختلاط رکھے گا

اکثر لوگ جو ورزش کرتے ہیں اور تن پروری اور جسم کی خوش اسلوبی پر غیر معمولی توجہ دیتے ہیں وہ ابتدائے جوانی میں باوجود بدنی طاقت کے غیر عورت تو درکنار اپنی پری پیکر خاتون سے بھی علیحدہ رہتے ہیں۔ قلندر لوگ جو مذہب سے چنداں واسطہ نہیں رکھتے بیہودہ سری اور تن آسانی ان کا مشغلہ ہے اگر ان کو شراب نہ ملے تو خود کو درِ مے خانہ کی خاک بنا لیتے ہیں۔ ہاں تنہائی میں حورصفت عورت بھی مل جائے تو اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

نمائش۔ جاہ اور دوسروں پر تفوق کی آرزو میں لوگ ایسا کر گزرتے ہیں اور ان ضروریات کے تارک ہو جاتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ سروری اور پیشوائی کی خواہش کی بنا پر وہ لوگ ایسا کرنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہوں صبح سے شام تک نہ کھانا کچھ دُشوار نہیں حالانکہ دس بارہ روز بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک کھانا چھوڑا جا سکتا ہے۔

قوم اوسوال اور سراوگی کے بہت سے دوکانداروں کو میں نے دیکھا ہے کہ برسات کے موسم میں ایسا (ترک طعام) کرتے ہیں۔ میں پہلے رمضان کے روزوں کو کارِ نمایاں سمجھتا تھا اس کے بعد یہ خیال جاتا رہا اور میں سمجھا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں بہت آسان ہے کیونکہ خوراک کی ضروری مقدار یہ ہو کہ جزو بدن ہو جائے۔ اور جو کچھ باہر نکل جاتا ہے فضلہ ہے۔ فضلہ زیادہ ہوتا ہے اور جزو بدن کم ہوتا ہے اور اضطراب جو ایک دو روز معلوم ہوتا ہے عادت اور خیال کی بنا پر ہے۔ کہ بتدریج ختم ہو جاتا ہے لیکن نیت جب تک درست نہ ہو اس وقت تک اصل مدعا کہ صفائیِ قلب ہے حاصل نہ ہو گا۔ جو شخص پاک دل اور عقلمند ہے اس پر یہ کام آسان ہے۔

مولوی عبدالقادر کا زراعت کا حال معلوم کرنا

بتاریخ ۲۹ رجب ۱۲۳۹ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۸۲۴ء کو بندہ (مولوی عبدالقادر) گرد و پیش کے مواضع کی زراعت کا حال معلوم کرنے کے لئے گیا کہ جمع کی ادائیگی کی کیا حالت ہے۔ پہلے سری نگر گیا وہاں کی کتاب پر معائنہ بھی اور حساب کی رو سے نشان کر دیا اور آخر میں ہر گاؤں کا خلاصۂ رقم تحصیل لکھ دیا۔

بتاریخ ۶ شعبان مطابق ۰ ؍ اپریل کو اس نواح کے دیہات دیکھتا ہوا اجمیر پہنچ گیا۔ اور کاشتکاروں کی واویلا کا راز میں نے ظاہر کر دیا۔ صورت یہ تھی کہ ہر گاؤں کے مالدار لوگ گائے بھینس بہت رکھتے ہیں گھی اور بیلوں کی فروخت پر اپنی اوقات بسر کرتے ہیں اور تھوڑی سی کھیتی کر لیتے ہیں، آرام سے زندگی گزر جاتی ہے اور (تمام رقم مطلوبہ) کاشتکاروں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور کاشتکار لوگ اتنی ہی زمین میں جو ان کے حصہ کی ہے زراعت کرتے ہیں وہ بھی ناداری کی وجہ سے بہت مشکل سے انجام کو پہنچاتے ہیں لہذا جو کچھ مالداروں کے ذمہ واجب الادا ہوتا ہے وہ ناداروں پر پڑتا ہے اسی وجہ سے واویلا ہوتا ہے اور جو کوئی دیکھنے جاتا ہے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مالدار باوجودیکہ قلیل زراعت رکھتے ہیں لیکن سرکاری رقم ادا کر دیتے ہیں اور دوسروں کے برابر ہیں وہ مظلوم نما ظالم اس حیلہ سے اپنا بار دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔

دوسری آفت "خرچ دیہہ" ہے کہ صاحب حیثیت اپنا خرچ سارے گاؤں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور بعض مقامات مثلاً کھوران اور سری نگر میں پتھر کی کان ہے جو کوئی وہاں سے پتھر نکالتا ہے اہلِ زراعت اس سے زر تمغائی وصول کرتے ہیں اور کاشت کم کرتے ہیں اس کی تدبیر یہ ہے کہ

چونکہ وہ لوگ ٹھیکہ دار ہیں اس لئے سرکار کو ان کی پیداوار ہونے نہ ہونے سے کیا واسطہ۔ جب سرکار اضافہ نہیں لیتی تو نقصان کیوں مجرا دے۔

جائداد ثابت کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی بیل گاؤں سے باہر جاتا ہے تو چپراسی جس کو ضلع دار بھی کہتے فروخت کنندہ کا نام اور خریدار سے اس کی قیمت دریافت کر کے لکھ لیتا ہے۔ اسی طرح گھی کی کیفیت درج کرتا ہے اور ہر ایک کے حصّہ کی زمین پر جمع تقسیم کر دیتا ہے پھر کل تمغائی رقم سرکار میں جمع کرتا ہے اور واجب کی ادائیگی کے بعد جو باقی بچتا ہے گاؤں والوں کو واپس دیدیتا ہے پٹواری کو تاکید تھی کہ گاؤں کا ہفت روزہ خرچ تفصیل وار لکھ کر باج گیر چپراسی کے پاس جو گاؤں کے قریب رہتا ہے پہنچا دے اور وہ سرکار میں بھیجدے تاکہ کھیتی کٹتے وقت مالدار لوگ خرچ خاص کو مشترک نہ کر سکیں اور اگر ہفت روز میں کچھ خرچ نہ ہو تو رعایا پر کچھ نہیں پڑتا۔ اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ سارا گاؤں اس خرچ سے بچ جاتا ہے جو گاؤں کے سربرآوردہ لوگ سرکاری عملہ پر خرچ کرتے ہیں یہ سب آقا کی تحریر و تقریر سے ہوا۔ لیکن آقا (دلیدر صاحب) کی فکر جیسی کہ دوسرے کاموں میں پہنچی ہے تشخیص و تحصیل کے کام میں نہیں پہنچی وہ اکثر ان لوگوں کے قول پر زیادہ اعتماد کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

۹ شعبان مطابق ۱۰ اپریل کو میں پہکر کی جانب گیا، اگلے دن اجمیر، اس کے بعد گنگوانہ۔ پھر تا دلی۔ پھر بیر میں آیا۔ ۱۳ شعبان مطابق ۱۴ اپریل کو کان پورہ اور رام پورہ دیکھ کر اجمیر پہنچ گیا۔

اوپی پرشاد

۲۷ شعبان م ۲۸ اپریل کو اوپی پرشاد جو جے پور کی خبروں کے کام پر متعین تھا اجمیر پہنچا۔ اس کی لیاقت اور ہوشمندی اس کے بشرے اور گفتگو سے ظاہر تھی وہ دیوان ٹیک چند کا نواسا ہے۔ رزیڈنسی کے افسران اس کے حال پر نوازش فرماتے ہیں۔

صورت رام بیاس وکیل راجہ مان سنگھ

بتاریخ ۱۵ شوال مطابق ۱۳ جون، جودھ پور سے مہاراجہ مان سنگھ کا خط اس مضمون کا آیا کہ صورت رام بیاس کی بجائے بیاس شبہ کرن کا تقرر کیا جاتا ہے ۱۸ شوال مطابق ۱۰ جون کو صورت رام بیاس نے رخصت حاصل کی۔

صورت رام بیاس فتح رام کا نواسا اور بیاس بشن رام کا بھتیجا ہے دونوں سرکاروں کے درمیان عہد نامہ

اس کی وساطت سے ہوا۔ پہلی مرتبہ جب ویلڈر صاحب جودھپور گئے تو صورت رام کم عمر تھا۔ سوال جواب میں آسانی ہوتی تھی نہایت عقلمند تھا آخر صاحب اجمیر کی خدمت میں حاضر باشی پر مقرر رہا۔ معقول جواب و سوال کرتا تھا۔ اس کا مرتبہ راجہ کے نزدیک بڑھ گیا صورت رام چچا کے مرنے کے بعد فتح رام بیاس کی اولاد میں راجہ کے نزدیک سب سے زیادہ معتمد ہو گیا۔ بدنہادوں نے راجہ پر ظاہر کیا کہ یہ شخص سرداران مارواڑ سے مل گیا ہے لہذا اس کو معزول کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے نہ توان پہ الزام لگایا اور نہ ان کو نکالنے کی تدابیر کیں۔

مہاراجہ مان سنگھ اگرچہ بہادر، امیر اور تیز فہم تھا مگر نہ اتنا کہ اپنی فراست کی بنا پر خوشامدیوں کے چکر میں نہ آئے راجہ نے اس کو معزول کر دیا۔

بیاس شبھ کرن بظاہر بوڑھا اور بہ باطن بچہ، دستور سرکار سے ناواقف، دیر فہم اور پریشان گفتار تھا۔ جودھپور کی تحریر کے بغیر کوئی معاملہ اس کی زبانی طے نہیں ہوتا تھا۔ مگر حلیم مسکین اور جلد رنجیدہ ہونے والا اور جلد خوش ہونے والا تھا۔

جیسلمیر میں ایک ناگوار واقعہ

۲۴ر ذی الحجہ مطابق ۱۲ر اگست کو منشی امیر علی نے جیسلمیر کی خبروں میں لکھا کہ راول کے ایک کارندے نے بھاگ کر ٹھاکر برج راج کے گھر میں پناہ لی ہے۔ راول چاہتا ہے کہ اس کو پکڑ لائے، راجپوت چاہتے ہیں کہ اس کو نہ دیں اور جنگ کریں بلکہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ بشن سنگھ پسر سالم سنگھ کو جو قلعہ میں قید ہے راول کی قید سے چڑھائی کر کے چھڑا لائیں۔ اگلے دن راول کا خط بھی اس مضمون کا پہونچا کہ انگریزی سرکار اس کو مدد دے ہمارے خداوند نعمت (ویلڈر صاحب) نے اس میں تامل کیا اور جنرل صاحب (سر آکٹرلونی) اور صاحبان کلکتہ کو اطلاع بھیجدی کہ اتنی جلد وہاں نہیں پہونچا جاسکتا۔

مولوی عبدالقادر کی جیسلمیر روانگی

۲۱ر ماہ مطابق ۲۴ر اگست کو آقا (دملر) نے بندہ سے فرمایا کہ آج ہی تمہیں چاہیے کہ جیسلمیر کو روانہ ہو جاؤ اور جس قدر جلد تم سے ہو سکے خود کو وہاں پہونچاؤ۔ گیارہ سوار، چودہ پیادے، ایک چوبدار اور دو شتر سوار ساتھ کر دیئے۔ شام کو روانہ ہو کر میں تھانولہ پہونچ گیا اور اگلے دن میرٹھ پہونچا۔ اجمیر کے نو ملازم کہار وہاں سے واپس

ہو گئے۔ قدیم ملازم رہ گئے۔ میں نے وہاں سے پانچ کہار اور نوکر رکھے۔

یکم محرم ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۰ / اگست کو میں پرسولا پہونچا۔ دوسرے دن رسترا میں اور پھر جر میں پھر پانچلا میں اور وہاں سے لورنہ میں اور وہاں سے مرلہ پہونچا۔ یہاں پر پانی کی قلت سے تکلیف اٹھانی پڑی۔

مرلہ میں سرخ پتھر کی چھلی ہوئی ہنومان کی مورتی دیکھی جس کے ناخن جانور کے ناخن کے مشابہ تھے۔ صبح کو بھکران پہنچا اور شہر سے باہر قیام کیا۔

بھکرن کا ٹھاکر سالم سنگھ، پردھان یعنی راجہ کا وزیر تھا جب سالم سنگھ مرگیا تو اس کا بھتیجا بہوت سنگھ جانشین ہوا۔ کہ سالم سنگھ نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اپنا جانشین بنالیا تھا وہ وہاں رہتا تھا مہاراجہ جودھپور نے ابھی تک اس کو بحالی کی سند نہیں دی تھی، سردار بھکرن، راجہ اجیت سنگھ کی اولاد کا سلسلہ اس طرح سے ہے، سالم سنگھ سر سوائی سنگھ پسر سیل سنگھ پسر دیبی سنگھ۔ پسر اجیت سنگھ سردار بھکرن۔

اجیت سنگھ کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے دیبی سنگھ اپنے رشتہ دار کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ چونکہ ہندوؤں کے مذہب میں متبنیٰ صلبی بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو صلبی بیٹے کی ہوتی ہے یہی کیفیت دیبی سنگھ کی ہوئی۔ اب ریاست میں کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔

بھکرن سے باہر ایک بہت بڑا تالاب ہے اور اس کے گرد شہر پناہ ہے جو جنگ کے وقت راجہ کی فوج کے سدِراہ ہو سکتی ہے، شہر پناہ کے اندر کسی قدر زمین اونچی ہے۔

میں بھکرن سے موضع لانبی پہنچا جو جیسلمیر کے علاقہ میں ہے تقریباً بارہ کوس فاصلہ ہوگا۔ درمیان میں ایک جگہ (چھ کوس) پر پانی ہے۔ ان مقامات کو میں نے رات میں طے کیا تھا کیونکہ ریت اور گرمی کی وجہ سے دن میں چلنا دشوار تھا۔ ایک جگہ چاند کی روشنی میں دور سے تالاب کا کنارہ نظر آرہا تھا لوگ بھاگ کر وہاں پہونچے، اس حوض کو خشک پایا اور ناامید واپس آگئے۔

مولوی عبدالقادر کا سانپ کے کاٹے ہوئے پر منتر پڑھنا اور اسکا اچھا ہونا

اثناءِ راہ میں کہار کے پیر میں سانپ نے کاٹ لیا۔ گیان سنگھ سرکاری چوبدار نے جو نہایت سادہ لوح ہے بہ آواز بلند مجھ سے کہا کہ فلاں کہار کو

سانپ نے کاٹ لیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کہار نے یہ سنتے ہی ہاتھ پیر چھوڑ دیئے۔ میں پالکی سے نکلا اس کی پگڑی اس کی پنڈلی پر لپٹوائی اور کہا کہ خوب زور سے کھینچیں میں منتر پڑھتا ہوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر میں نے کہا کہ وہ پالکی اٹھائے اور دوسروں کے ساتھ چلے تاکہ میں دوسرا منتر بیٹھ کر پورا کروں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چند قدم چل کر کہنے لگا کہ میرا پیر سوج گیا اور اس سے پانی نکل آیا اب میں چل نہیں سکتا۔ میں نے کہا اب اگر چاہے تو اونٹ پر بیٹھ جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور سلامت رہا۔

سانپ پکڑنے یا مارگزیدہ پر منتر پڑھنے کی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ افسوں گر اور سانپ پکڑنے والے تین چیزوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ایک سانپوں کی شناخت، کیونکہ ہر سانپ قاتل نہیں؛ اسی پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو قاتل نہ ہو، اور اگر زہریلے پر ہاتھ پڑے گا جان کا نقصان ہوگا، دوسرے سانپ کے کاٹے کے وہم کا علاج منتر سے کرتے ہیں۔ تاکہ خوف کے غلبہ کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائے۔ تیسرے بہت پھرتی سے کام لیتے ہیں کہ اس کی دُم ہاتھ آجائے دُم کو مضبوط پکڑ لیتے ہیں اور اس کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ اس کا منہ پاخانہ کے مقام قریب سے نصف لمبائی کے ہوتا ہے اوپر نہ آئے۔ نیز لوہے کا کڑا بار بار اس کے منہ کے قریب لے جاتے ہیں اور جب وہ اس پر منہ مارتا ہے فوراً ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اسی طرح چند بار کرتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ اس کا آبِ دہن نکل گیا تب اس کا منہ پکڑ لیتے ہیں اور لوہے کی سیخ اس کے منہ میں ڈال کر دونوں طرف پھراتے ہیں تاکہ وہ دونوں چھالے جو منہ کے اندر دونوں طرف ہوتے ہیں نہ رہیں ان دونوں چھالوں کے اندر جو جمع شدہ پانی ہوتا ہے وہ زہر کی خاصیت رکھتا ہے۔ سانپ کاٹ کر یہی پانی گرا دیتا ہے جس سے مارگزیدہ مرجاتا ہے۔

غالباً وہ سانپ جس نے کہار کو کاٹا تھا زہر قاتل نہ رکھتا تھا، منتر کے گمان سے کہار کا خوف جاتا رہا۔ اور سخت باندھنے سے جو تھوڑا سا زہر تھا وہ سارے بدن میں پھیل نہ سکا اس کے بعد دو مرتبہ اور بھی یہی واقعہ جبل پور میں پیش آیا ایک دفعہ فقیر اخدمت گار پر اور دوبارہ خوشحالی کہار پر اور دونوں اچھے ہوگئے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ بانسری کی آواز سے منتر کے ذریعہ سانپ کو بلاتے ہیں وہ منتر والے کا سدھا ہوا سانپ ہے نہ کہ دوسرا، چالاکی اور تیز دستی سے بے وقوفوں کو اس ترکیب سے فریب دیتے ہیں

اس علاقہ میں نہ کنواں ہے نہ کوئی چھوٹا بڑا حوض۔ ایک کوس کے فاصلے پر ایک بہت گہرا کنواں ہے جس میں سے بیلوں کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے۔

مولوی عبد القادر کا جیسلمیر پہنچنا اور منشی امیر علی اخبار نویس کا ملاقات کرنا

اس منزل میں موہچند پروہت پر ادر سار دھول سی، راول کا وکیل استقبال کیلئے آیا منشی امیر علی اخبار نویس نے بھی ہرکارہ بھیجا۔ دوسرے دن میں بھوجک پہونچا ۱۱ر محرم ۱۲۴۲ھ مطابق ۵ر ستمبر ۱۸۲۶ء روز یکشنبہ کو جیسلمیر پہونچ گیا ایک جگہ ٹھیرا۔ منشی امیر علی ملاقات کے لئے آیا۔

میگھ راج بسا برہمن بھی جو اس وقت رئیس کا مصاحب تھا آیا۔ سوال وجواب ہوئے۔ میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ پہلی ملاقات دربار عام میں ہوتا کہ میں یہ معلوم کرلوں کہ کون لوگ زیر فرمان نہیں اور کون حاضر نہیں اگر راول نے ایسا عام دربار نہ کیا تو میں یسے سمجھوں گا کہ رئیس رنجیدہ ہے یا متوسلوں نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ دو تین مرتبہ اس کی آمد و رفت ہوئی بالآخر اگلے دن جیسا میں چاہتا تھا قرار پا گیا۔ مگر میں نے عام طور سے سنا کہ آج شب کو بھوج راج چاہتا ہے کہ شہر کے باہر چلا جائے۔ راجہ کے لوگ اس کے سامنے پہونچیں گے خون خرابہ کا اندیشہ ہے۔

جیسلمیر کے مہاجنوں کی مولوی عبد القادر سے ملاقات اور انکے ذریعہ بھوج راج کو ہموار کرنا!

میں سخت حیران تھا کہ اس تھوڑے سے وقت میں کیا تدبیر کی جائے کہ وہاں کے مہاجن لوگ جو میرے تجارتی تعلق رکھتے تھے مجھ سے ملنے آ گئے اور خود بخود یہ تذکرہ کیا۔ میں نے کہا کہ میرے پہونچ جانے کے بعد سخت نامناسب ہے کہ آج شب کو بھوج راج ایسا ارادہ کریں۔ کہنے لگے کہ اگر راجہ کے لوگ آکر چاہیں کہ کارکن کو پناہ دے سے نکال لے جائیں تو کیا کیا جائے۔ میں نے کہا مجھے اطلاع کریں اس وقت جو کچھ مناسب ہوگا کہہ دوں گا قبل از مرگ واویلا سے کیا فائدہ۔

غروب آفتاب کے بعد بھوج راج کی طرف سے ایک شخص نے آکر کہا کہ ٹھاکر صاحب تمہارے مشورہ پر کام کریں گے۔ لیکن یہ دریافت کیا ہے کہ کل کو اگر راول جیو یاد فرمائیں تو میں کیا کروں۔ میں نے کہا بے اندیشہ چلے جائیں اسی وقت میں بھی وہاں پہونچوں گا۔

دربار عام کا انعقاد اور مولوی عبدالقادر کی شرکت

اگلے دن خام کو میں گیا، بھوج راج اور میں قلعہ کے پہلے دروازہ میں داخل ہوئے۔ تعظیم و تعارف کی رسم عمل میں آئی۔ گل شیر خاں اور دودا خاں قندھاری جو پرانے سرکاری ملازم ہیں اور قلعہ کے دروازہ پر ان کا مقام ہے اس بدنظمی میں خود بخود چلے گئے تھے پھر واپس آگئے ان سے بھی میں نے سلام وکلام کیا پھر میں دری خانہ پہونچا اور راجہ کے قریب جاکر مراسم آداب ادا کر کے بیٹھ گیا۔ ولیدر صاحب کی طرف سے میں نے مزاج پرسی کی راجہ نے فرمایا کہ میں اس وقت بہت خوش دل ہوں کہ شفیق معتمد کے فرستادہ کو میں نے دیکھا۔

راجہ نے کہا کہ یہ مختصر سا مقام ہے شاہان دہلی نے بھی ہمیشہ پرورش کی نظر رکھی ہے۔ اور اب انگریزی سرکار خود کو ان ہی میں سے سمجھتی ہے اس کو بھی ایسا ہی چاہیئے۔ میں نے کہا صاحبان عالی شان کا دستور یہی ہے کہ دوستوں کے نفع میں حصہ نہیں بانٹتے۔ البتہ نقصان دور کرنے کی ضرور کوشش کرتے ہیں۔ ہماری سرکار معاہد رئیس کو پہچانتی ہے۔ دیوان بخشی اور مصاحب سے سروکار نہیں رکھتی۔ اور جس کسی کی پاسداری کرتی ہے وہ رئیس کی پاسداری کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اگر ریاست کا کوئی متوسل ہماری سرکار میں جائے گا تو معاہد (رئیس) کی مرضی کے خلاف ریذیڈنٹ یا اس کے جانشین سے اس کی ملاقات بھی دشوار ہے۔

یہ بات اس لئے کہی تھی کہ متوسلان ریاست سمجھ رہے تھے کہ انگریزی سرکار سالم سنگھ متوفی کی اولاد کی حمایت کرے گی۔ اور راجہ کو ان کی برطرفی اور برقراری کا اختیار نہیں ہے۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ خود پسند حرام خوروں نے سالم سنگھ کو لکھ بھیجا تھا کہ دہلی سے کلکتہ تک سب صاحبان عالیشان تیرے حامی ہیں۔ اس کا لڑکا بشن سنگھ بھی کہ رئیس نے اس کو بجائے باپ کے مقرر کیا تھا۔ یہی خیال سر میں رکھتا تھا رئیس نے مجبوراً اس کو قید کر دیا۔ اسکی بیوی اور سری کشن اس کا پیش دست۔ بھوج راج کے گھر جا بیٹھا راول محاسبہ چاہتا تھا اسلئے وہ حاضر نہیں ہوتا تھا اس گفتگو سے جو میں نے دربار عام میں کی وہ داہمہ دلوں سے نکل گیا۔

جب میں اٹھا اور رخصت چاہی میگھ راج مشایعت کے لئے باہر آیا۔ میں نے کہا کہ عرض

کردیا جائے کہ بھوج راج کی تسلی صلاح دولت ہے اور میں یہاں کھڑا ہوں وہ جاکر واپس آیا بھوج راج بھی خوش خوش پہونچا اور کہا کہ راول جیو اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے۔

راول جیو کی مشورہ طلبی: اگلے دن پھر راول جیو نے دریافت فرمایا کہ سری کشن کو کیونکر قبضہ میں لاؤں اور رقم اس سے لوں۔ میں نے عرض کیا کہ بھوج راج سے فرمائیں کہ آپ کے سپرد کردے اور محاسبہ بھی اگر چاہیں وہیں ہو جائے جو کچھ اس کی طرف نکلے اس سے لے کر سرکار میں پہونچا دیں۔ راول جیو نے یوں ہی کہا آخر اس نے کہا کہ جو کچھ راول صاحب فرمائیں میں ادا کردوں خانہ زاد موروثی کو حساب کی طاقت نہیں اگلے دن بیس ہزار روپیہ اس کی طرف نکلا۔ اس کے اگلے دن دس ہزار روپیہ کا رقعہ داخل کر دیا اور باقی کا ایک مہینے کا وعدہ بھوج راج کی کفالت سے کرلیا۔

بشن سنگھ کی بیوی اپنے گھر آگئی اور سری کشن کو بھوج راج اپنے ساتھ لے گیا راول جیو کے حضور میں اس کے قصور کی معافی چاہی اور رئیس نے اس کی سرتابیوں سے درگزر کرکے عطار خلعت سے سرفراز کیا۔ اگلے دن میں رخصت ہو کر شب کے وقت روانہ ہوگیا۔

ایک دلچسپ لطیفہ صبح ۱۰ ماہ مطابق ۳ دسمبر کو چاندہن پہنچا اور میگھ راج ایک ہزار روپیہ بندہ (مولوی عبدالقادر) کے پاس لایا کہ یہ دعوت کا خرچ ہے میں نے کہا کہ مہینہ بھر میں مجھے دو سو پچاس روپے ملتے ہیں ایک دن کی دعوت کا خرچ ایک ہزار روپئے کیسے ہو سکتے ہیں۔ مجھے معاف رکھیں اگر چاہیں تو ہنڈی کرکے ویلڈر صاحب کے پاس بھیجدیں۔ کیونکہ جو خلعت مرحمت ہوا ہے وہ بھی سرکار میں چلا جائے گا یہ سُن کر رقم واپس لے گیا۔

جنرل صاحب کا مکدّر ہونا! جنرل صاحب (سر آکٹر لونی) نے صدر کو لکھا کہ ویلڈر صاحب نے مجھسے بلا پوچھے خود رائی سے یہ کام کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا نتیجہ سرکار کی خفت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ایسے شخص (مولوی عبدالقادر) کے جانے سے ہرگز ہنگامہ رفع نہ ہوگا۔ بلکہ متوسلان ریاست راجہ کو محتاج اعانت سرکار سمجھ کر زیادہ خود سری کریں گے اور سرکاری فرستادہ کے سامنے کشت و خون ہوا تو اور بھی برا ہوگا اور سرکار کی سُبکی ہوگی تدارک ناممکن ہے اگر ہوا تو بہت دُشوار ہے۔ پانی دستیاب نہ ہونے کی

وجہ سے فوج کا وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔

ولیدر صاحب کا مولوی عبدالقادر کی خدمت کو سراہنا

اسی اثنا میں ویلدر صاحب کی تحریر راول جیسلمیر کے خط کے ساتھ صاحبان صدر کے سامنے کلکتہ پہونچی خط کا مضمون یہ تھا کہ یہاں جیسلمیر میں تابعان ریاست نے راہ اطاعت چھوڑ کر خودسری کے راستہ پر قدم رکھ لیا تھا اس دولتِ خداداد کے فرستادہ (مولوی عبدالقادر) کی خوش گفتاری نے جادو کا کام کیا دربار خانہ میں اور یگانہ و بیگانہ کے سامنے اس کی گفتگو نے دلوں پر ایسا اثر کیا جس کا خلاصہ مطالب عہدنامہ کی توضیح کے سوا کچھ نہ تھا۔ خودسروں نے خود پسندی کو دل سے نکال دیا اور خلوصِ دل کے ساتھ سرکار کے خیر خواہ ہو گئے۔ مولوی عبدالقادر نے عہدنامہ کے مطالب کی توضیح بہت اچھے انداز میں کی۔ مخلص (ویلدر صاحب) کو یقین ہے کہ آئندہ اس ریاست جیسلمیر کے امور داخلی کے انتظام میں سرکار کمپنی کو اعانت و امداد کی ضرورت نہ پڑے گی۔

آقا (ویلدر صاحب) کی تحریر کا منشا یہ تھا کہ فلاں شخص (مولوی عبدالقادر) نے اس دشوار کام میں بجد مشقت برداشت کی باوجودیکہ صدرامینی اور افتا کا عہدہ رکھتا ہے مگر سرکار کی وفاداری میں سر پہ پیر رکھ کر بھاگا اور اس کی تدبیر کامیاب ہوئی۔

اس کے بعد صدر (کلکتہ) سے ایسی تحریر موصول ہوئی جس میں ویلدر صاحب کی رائے کو پسند کیا گیا تھا اور تحریر جنرل صاحب (سر اکٹرلونی) کو بھیجدی گئی۔ اس تحریر سے بہی خواہ خوش ہوئے اور بداندیشوں کو بلا وجہ غصہ ہوا۔

دوسرے دن لاٹھی اور اس کے بعد بھکرن اور پھر دیچھو پھر چندار یا پہونچے اور صبح کو جودھپور میں بشن ناتھ وکیل کے مکان پر قیام کیا۔

ایک کنوئیں کا قضیہ

چندار یا میں جہاں کے جاگیردار بھاٹی قوم کے راجپوت ہیں ریت کی کثرت کی وجہ سے پانی نایاب ہے میں نے ایک نیا کنواں دیکھا جس کا پانی شیریں تھا اور مقدار میں بھی کافی تھا۔ لیکن ایک دوسرا راجپوت جس کا گاؤں اس سے بہت قریب ہے زبردستی کوئیں کو بند کرنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ پانی ہماری پوشیدہ نہر کا ہے جو برسات میں جاری رہتی ہے اور اس کے

بعد ریت میں چھپ جاتی ہے۔ یہاں چونکہ نشیب ہے اس لئے پانی جمع ہو گیا ہے دونوں گاؤں کشت و خون کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو تم اپنی سرحد میں پانی کو روک لو تاکہ پانی یہاں نہ آسکے ورنہ تین روز میں یہ جھگڑا ختم کر لو۔

میری بات دونوں کے دل نشین ہو گئی اور میں جودھپور روانہ ہو گیا۔

مولوی عبد القادر کی راجہ جودھپور سے ملاقات

۲۲ محرم ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو حسب طلب مہاراجہ جودھپور میں ان کی ملازمت میں حاضر ہوا۔ ہر طرح کی باتیں ہوئیں۔ کنوئیں کا ذکر بھی آیا۔ فرمایا رفع نزاع کی صورت کیا ہے؟ میں نے کہا اگر مہاراجہ دونوں کو لکھدیں کہ یہ کنواں خداداد ہے یہ ہمارے قبضہ میں رہے گا۔ دونوں مان لیں گے اور نزاع جاتا رہے گا۔

جنگ برما اور ہندوستانیوں کا نقطۂ نظر

اس کے بعد راجہ نے کہا کہ مشرقی سرحد پر برما میں انگریزوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ نادان سمجھتے ہیں کہ برما کے انگریزی لشکر پر فتح پانے میں ہی ہندوستانیوں کی بھلائی ہے اور روزانہ شہرت دیتے ہیں کہ برما کی فوج سے انگریزی فوج کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر بالغرض برما کی فتح ہو جائے تو کیا بھروسہ ہے کہ برما والے انگریزی طریقہ کے مطابق ملک و آئین ہمارے ہی ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ میں (راجہ جودھپور) نے کوتوال کو حکم دیا ہے کہ جو کوئی برما کے لشکر کی فتح کی خبر کہے اس کو سزا دینی چاہیئے اور گیارہ دام کا نمک اس کو کھلائیں تاکہ تمام دن اس کا منہ تلخ رہے۔

دوسرے دن دعوت کے نام سے تین سو روپیہ سرکار جودھپور سے بیاس اودے کرن لایا۔ میں نے کہا میری تنخواہ دو سو پچاس روپیہ ہے میری ایک دن کی خوراک اگر تین سو روپے ہو تو ہر مہینے آٹھ ہزار سات سو پچاس روپیہ مجھ پر قرض ہو جائیں۔ اگر کھانے کی قسم سے کوئی چیز ہوتی تو مضائقہ نہ تھا پھر جب حسب طلب مہاراجہ سے ملاقات ہوئی تو تنہائی میں جا کر عذر کر دیا اس نے قبول فرما لیا۔

۲۹ محرم ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء تک مہاراجہ نے رخصت نہیں دی روزانہ تنہا بلا کر جو چاہتے دریافت کرتے ایک روز کہا کہ میں نے نواب گورنر جنرل بہادر کے لحاظ سے خود سروں کو معاف کر دیا۔ لیکن انگریزی حکام یہ نہیں جانتے کہ میں نے ان کو بے قصور نکالا تھا۔ یا یہ لوگ بطور وراثت زمین کا استحقاق رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے ذکر ہیں ان کے بزرگوں نے جب کبھی کجروی کی ہے ہمارے بزرگوں نے ان کو نکال دیا۔ اس معاملہ میں یہاں کے واقف کاروں سے گفتگو کر لینی چاہیئے۔ میں نے کہا اس سے کیا حاصل۔ راجہ نے۔ فرمایا کہ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کی جو خطائیں میں جانتا ہوں خلقت پر آشکارا ہیں یا نہیں میں نے کہا بہتر۔

جودھپور راج کے بعض جاگیرداروں کی خودسری

راجہ نے فرمایا جانتے ہو کہ آسوپ کے جاگیردار کنی رام کو مہاراجہ بخت سنگھ نے رام سنگھ سے سازش کرنے کے شبہ میں خارج کر دیا تھا۔ پھر باباجی بھیم سنگھ نے کیسر سنگھ کو آسوپ سے نکال دیا۔ دھیرج ل بھنڈاری کے ساتھ فوج گئی اور وہ محاصرہ کے دوران میں اپنی موت مر گیا۔ اس کے قلعہ کو خاک برابر کر دیا۔ باپ کے مرنے کے بعد سلطان سنگھ کی نوعمری اور بیکسی پر نظر کر کے پھر جاگیر کی سند مرحمت ہوئی۔ جاگیردار آہوہ اور سنبھو سنگھ سردار نیماج کو بھی نکال دیا۔ عتاب اس بنا پر ہوا کہ ان لوگوں نے بھادوں سمت ۱۸۵۹ میں رات کے وقت لوگوں کو سکھا کر جودھراج دیوان سرکار کو مروا دیا۔ جس وقت یہ پردہ فاش ہوا۔ ہر ایک اپنے کرتوت کی سزا کو پہونچا۔

مہاراجہ مان سنگھ کے عہد میں ان لوگوں سے چند گناہ ظاہر ہوئے۔ اول یہ کہ جس وقت جے پور کی فوج نے دھونکل سنگھ کی حمایت میں جودھپور کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ تو راس جاگیردار مخالف کے لشکر میں شامل ہو گیا اور بشن سنگھ جاگیردار نے اپنے بھائی چنداول کو غنیم کے ہمراہی میں چھوڑ دیا۔ خود ترک لباس کر کے درویشوں کے حلقہ میں آگیا اور دو طرفہ دونوں لشکروں میں بسر کرنے لگا۔ اور آسوپ۔ نیماج اور آہوہ کے سردار مہاراجہ سے کہہ رہے تھے کہ قلعہ کو چھوڑ کر جالور کا راستہ لیں کیونکہ حریف کے لشکر سے مقابلہ دشوار ہے یہ ماجرا پھاگن سمت ۱۸۶۳ کا تھا۔

دوسرے مہاراجہ کے مرشد دیوناتھ اور دیوان اندراج کے قتل پر امیر خاں کو ورغلایا اور اپنی دستخطی تحریر دے دی جس وقت یہ واقعہ پیش آیا (قاتل قلعہ ہی میں تھے ہر چند مہاراج نے ان (قاتلوں) کے قتل کے لیئے فرمایا لیکن عمل نہ کیا اور جبراً مہاراج سے اجازت لے کر بغیر کسی نقصان کے ان کو نکل جانے دیا یہ حادثہ ۸ سدی آسوج سمت ۱۸۷۲ کو رونما ہوا۔

نو لاکھ روپئے نصف لکھی چند نے اور نصف سری کرشن نے اس خونریزی کے صلہ میں امیر خاں کو پہنچائے

اور دونوں نے راجپوتوں کے مشورہ سے دیوانی کر دی۔ جب مہاراج نے فتح راج پسر اندراج کو دیوانی سونپی اور گلراج (برادر مقتول) کو بھتیجے کا نائب مختار بنایا تو روہٹ آہوہ۔ تیملج اور آسوپ کے جاگیردار جودھپور سے روٹھ کر چلے گئے۔ تیماج میں مشورہ ہوا آسوپ کا جاگیردار تیماج میں رہا اور دوسرے اپنی جگہ چلے گئے پھر وال سنگھ بھائی اور نتھہ راج قلعہ دار کے ذریعہ کنور چھتر سنگھ کو باپ کا جانشین بنانے کے لئے راضی کر لیا اور ان کے مشورہ سے قلعہ دار گلراج کو قید کر دیا ایک فرمان کے بموجب کنور دوست محمد نے چھتر سنگھ کے باپ کو ختم کر دیا اس کے قتل کے بعد یہ لوگ جودھپور میں آئے دوسرے راجپوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر راجہ کے پاس پہونچے اور کنور کی ولیعہدی کے لئے اصرار کیا۔ راجہ نے مصلحت وقت دیکھ کر ان کی بات منظور کر لی۔ اور یہ معاملہ ۳ رسدی بیساکھ سمت ۱۸۷۴ کو پورا ہوا۔

جب مہاراجہ نے سری کشن اور سورج ل وشنو چند کو قید کیا تو سلطان سنگھ نے کہا کہ ہمارے مشورہ کئے بغیر کیوں کیا۔ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ پرتاب سنگھ جاگیردار تھا کنور کے تسلط کے زمانہ میں رات کے وقت ناشائستہ ارادہ سے مہاراجہ کی آرام گاہ میں پہونچ گیا لیکن قابو نہ پا کر واپس ہوا۔

اس گفتگو کو سن کر میں نے کہا کہ جو سزا مہاراج نے انہیں دی انگریزی سرکار نے اس کا سبب نہیں پوچھا اور نہ اس کو بجا سمجھا۔ جاگیرداروں کی نالش بھی دستخط واجب العرض کی رعایت کی وجہ سے نہیں سنی۔ لیکن چونکہ مدت دراز سے یہ طریقہ رہا کہ ان لوگوں نے کبھی اپنے جرم کی سزا پائی اور کبھی محفوظ رہے یا رئیس نے معاف کر دیا۔ اسی سرکار کے علوفہ خوار اور اسی ملک کی زمین پر قابض رہے یہ طریقہ اس وقت تک جاری تھا جب انگریزی سرکار سے عہد و پیمان ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان لوگوں کا ہمیشہ کے لئے اخراج کبھی نہیں ہوا۔

یہ لوگ جو کچھ پہلے خود سری کر چکے ہیں وہ کر چکے آئندہ انگریزی سرکار کی حمایت کی وجہ سے خود سری نہیں کریں گے۔ ویلڈر صاحب کے پہونچنے کے بعد مہاراجہ صاحب (جودھپور) امور ریاست کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر چند انگریزی سرکار کی طرف سے کہا گیا کہ مہاراجہ صاحب اگر مجمع میں مناسب سمجھیں تو گستاخوں کی خطائیں تنہائی میں ظاہر کر دیں۔ شاید ویلڈر صاحب کو یوں جواب دے دیا گیا اور انہوں نے اسی کے مطابق صدر کو لکھ دیا۔ اس کے بعد نام کا اقتدار مہاراج کو حاصل ہوا کیونکہ جرنل

صاحب نے لکھا تھا کہ مدد کے لئے اگر فوج چاہیں بلا خرچ پہونچ جائے گی۔ سلطان سنگھ کو اضافہ جاگیر سے عزت بخشی گئی اور اس کی دادی کی تعزیت میں مہاراجہ اس کے گھر تشریف لے گئے حالانکہ ریاست کا دستور نہیں ہے اور اس کو رقم دی۔ اس عرصہ میں کوئی تازہ گستاخی ان لوگوں کی نہیں سنی گئی۔

انگریزی سرکار نے ان ہی وجوہ کی بنا پر بہتر یہی سمجھا کہ ایک مرتبہ ان لوگوں کو اور معافی دیدی جائے۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آئندہ بھی ان کو گستاخی کا موقع دیا جائے۔ اور درد سری مول لی جائے۔

اب وہ بار بار کہتے ہیں کہ اگر سرکار ہماری سفارش نہیں کرتی ہے تو ہمیں اجازت دے کہ ہم ریاست سے نبٹ لیں. سرکار کو اس میں تامل ہے کیونکہ اگر وہ درمیان سے ہٹ جاوے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر وہی دن پیش آجائے کہ شہر کے لوگوں کو بالائے قلعہ جانے اور بالائے قلعہ والوں کو شہر میں آنے کی طاقت نہ رہے۔ اگرچہ یہ جواب راجہ کو پسند نہ آیا مگر اس میں گرفت کی گنجائش نہ دیکھی اسلئے خاموشی اختیار کی۔

مولوی عبدالقادر کا ایک ہندی کتبہ کی نقل لینا

یکم صفر سنہ ۱۲۳۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۲۲ء روز شنبہ میں سلپور آیا اگلے دن بیاور پہونچا۔ وہاں سے پروندہ میں آکر گاؤں سے باہر ہندوؤں کے تعمیر کردہ دو گنبدوں کے قریب قیام کیا۔

وہاں ایک پتھر پر اس ملک کی زبان اور رسم خط میں یہ مدعا لکھا تھا کہ سمت ۱۸۰۴ سدہ ۵ رکو سری جیت سنگھ........ اجمیر میں مرا اور پہکر میں بتاریخ ۶ بر ہسپت (پنجشنبہ) کو جلا۔ اور اس کی دو عورتیں چتا میں جل گئیں۔ اور ایک پروہت عورت بھی جل گئی پروہت موروثی برہمن کو کہتے ہیں اور پروہت عورت کا راجپوت کے ساتھ جلنا مذہب ہنود میں ناجائز ہے نامروج. چونکہ یہ عجوبہ تھا میں نے اس کی نقل لے لی اور وہاں سے میرٹھ پہونچ گیا دوسرے دن گوبند گڑھ اور رات کے وقت اجمیر میں داخل ہوا۔

اجمیر میں غلہ کی گرانی اور مخلوق کا داویلا

پنجشنبہ ۷ صفر مطابق ۳۰ ستمبر سنہ ۱۸۲۲ء کو خداوند نعمت (ویلڈر) کی ملاقات سے مستفید ہوا۔ اس عرصہ میں اجمیر میں غلہ کی گرانی یہاں تک نوبت پہونچی کہ لوگ داویلا

اور الغیاث کرنے لگے۔ آقا نے سرحد سے باہر غلہ جانے کی ممانعت کر دی اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ وہاں سرکاری علاقہ اتنی وسعت نہیں رکھتا تھا کہ اگر غلہ باہر نہ جائے تو ارزانی ہو جائے۔

غلہ فروش جو غلہ کے انبار رکھتے تھے دکانیں بند کرکے بیٹھ رہے تھے مناسب نرخ رکھنے کی تاکید فرمائی وہ بھی مفید نہ ہوئی۔

سرکاری عملہ کے لوگوں نے نجابت غلہ فروش کو خداوند نعمت (ویلڈر صاحب) کے سامنے پیش کیا کہ اس کو اجازت دی جائے کہ نصیرآباد کے نرخ سے آدھ سیر کم فروخت کرے اور شہر میں جو کوئی خریدے اس سے خریدے۔ یہ التماس منظور ہو گئی۔

دوسری مصیبت یہ پیدا ہو گئی کہ نصیرآباد اور شہر کے غلہ فروش آپس میں مل گئے۔ روزانہ تھوڑا تھوڑا چھاؤنی کا نرخ کم کرتے رہے۔ شہر کے لوگ بھی واویلا کرنے لگے کہ نجابت کے ہاتھ سے ہم پر ظلم ہو رہا ہے کیونکہ وہ چھاؤنی کے باٹوں سے غلہ بیچتا ہے، یہ باٹ اجمیر کے باٹوں سے کم ہیں۔ اسی دن میں نے یہ ماجرا سُنا لیکن اس بارے میں ویلڈر صاحب نے مجھ سے کچھ نہیں کہا صرف جیلمیر اور جودھپور کا تذکرہ رہا۔

مولوی عبدالقادر کا حسنِ انتظام اور غلہ کی فراہمی

اگلے دن مجھے بُلا کر ویلڈر صاحب نے فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ تیری تدبیر سے یہ ہنگامہ رفع ہو جائے گا اسی لئے میں نے تجھے جودھپور سے جلدی طلب کیا ہے ورنہ وہاں بھی سرکاری کام تھا لیکن تیرا آنا نہ آنا برابر ہے کیونکہ میرے دروازہ پر وہی شور و فغاں ہے۔

میں نے کہا کہ کل تو میں آیا ہوں ابھی تک شہر اور بازار دیکھا نہیں نہ اس بارے میں کچھ حکم ہوا۔ اگر خود بخود دخل در معقولات کرتا تو وہ لوگ جو پہلے سے انتظام کر رہے تھے بندہ کی شکایت کرتے۔ صاحب نے فرمایا اب سب ہار گئے سب نے کہا تھا کہ فلاں (مولوی عبدالقادر) کے آنے تک جو کچھ ہم جانتے ہیں کریں گے۔ اس کے بعد وہ جانے۔ یہ فرما کر شہر جانے کی تاکید فرمائی۔

میں (مولوی عبدالقادر) نے شہر میں اعلان کرایا کہ سرکار نرخ سے کوئی واسطہ نہ رکھےگی خرید و فروخت والوں کو اختیار ہے کہ جس نرخ سے چاہیں خرید و فروخت کریں مگر جس کے پاس غلہ ہو دکان بند نہ کرے بلکہ غلہ

کا ڈھیر لگا کر فروخت کرے۔ دوسرے یہ کہ جو غلہ سر۔ گدھے۔ بیل۔ بھینسے اور گاڑیوں میں آئے سوداگروں میں سے کوئی شہر سے باہر جا کر نہ خریدے بلکہ دوسرے لوگ خریدیں اور ان میں سے بھی پہلے وہ غریب لیں جو ایک دو روپیہ سے زیادہ خریدنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس کے بعد مالدار اور جو کچھ سب سے بچ رہے میں لوں گا اور اسی نرخ سے میں بیچوں گا۔ جس سے خریدا ہے۔

اور جو کوئی دوکان پر ڈھیر لگا کر غلہ بیچنا نہیں چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس میں اس کا نقصان ہے وہ سرکار میں درخواست لکھ کر دیدے کیونکہ سرکار کسی کے نقصان کی روادار نہیں ہے۔ اس کی دکان پر سرکاری قفل ڈال دیا جائے گا۔ جب تک تمام سوداگر یہ ثابت نہ کردیں کہ غلہ فروخت کرنے میں نفع ہے اس وقت تک کوئی اس سے خریداری نہ کرے۔

جونہی یہ منادی ان کے کانوں میں پڑی ایک دم میرے پاس آئے کہ جو نرخ کہو آج سے فصل بیع تک وہی نرخ رہے گا۔ میں نے کہا یہ ضروری نہیں جو کچھ میں نے کہا ہے اسی پر عمل کرنا کافی ہے۔ اگلے دن جتنا غلہ باہر سے آیا حسب تجویز لوگوں نے خریدا دوکاندار ایک دانہ بھی نہ خرید سکے۔ تیسرے دن سب راہِ راست پر آگئے اور وہ شور و غوغا نہ رہا نہ خریداروں کا ہنگامہ نہ بیچنے والوں کی کشیدگی۔ مگر بخابت غلہ فروش کو جو نفع کی اُمید تھی وہ پوری نہ ہوئی۔

باب دہم

راول جے پور اور راجہ کی والدہ میں نزاع اور انگریزوں کی ثالثی

۱۲ صفر ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۲۴ء کو نصیر آباد سے فوج حسب طلب میجر صاحب جے پور کو روانہ ہوئی اُس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ کی ماں چاہتی تھی کہ راول بیریسال ریاست کے کام سے دستکش ہو جائے۔ راجہ کی مہر اسکے سپرد کر دے۔ اس کو یہ خیال تھا کہ اس کے تقرر کے کاغذات پر جنرل سر ڈیوڈ آکٹرلونی کے دستخط ہیں۔ صاحبان صدر کی بغیر اجازت اس عہدہ سے اس کو معزول نہیں کیا جا سکتا. وہ جنرل صاحب کو اپنا حامی سمجھ رہا تھا اس نے راجہ کی ماں کے فرمان کی تعمیل نہ کی اور وہ جنگ کے لیے مستعد ہو گیا اور فوج چاہتی تھی کہ راجہ کی ماں کے حکم سے راول کے مکان پر جا کر اس کو اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ میجر صاحب، جنرل صاحب کے دستخط کی وجہ سے مانع ہوئے کہ ریاست کے لوگ راول سے نہ لڑیں میجر صاحب نے راول کو اس کے مکان سے جو شہر میں تھا لاکر اپنے پاس باغ میں رکھا، یا تو فوج کو اس لئے بلایا تھا کہ راول کو ہنگامہ کر کے نہ ستایا جائے، اور یہ بات بغیر فوج کے بھی حاصل تھی. کیونکہ راول کو میجر صاحب کے کہنے کے مطابق باغ تک سلامت چھوڑ دیا گیا۔ یہ فاصلہ دو کوس سے زیادہ ہے۔ راول کو بدستور کام پر چھوڑ دیا جائے اس کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی کیونکہ اس کے اخراج کے علاوہ جودھا رام کو جنرل صاحب کے حکم سے میجر اسٹوارٹ صاحب نے نکال دیا تھا جنرل صاحب کے سامنے اسے واپس لے آئے۔ اس کی وجہ کسی پر بہت کم ظاہر ہے اور سچ یہ ہے کہ اکثر رزیڈنسی کے وقائع کو بشری فکر نہیں پہنچتی گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار فرشتہ رزیڈنٹ کے کان میں جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے اور پھر وہی مضمون صاحبان صدر کے دل میں القا ہو جاتا ہے اور

یہ صفائی قلب صاحبان رزیڈنٹ و ایجنٹ اور انجام کار دہلی، جبلپور، الموڑہ اور اجمیر کے انگریزی حکام کے لئے مخصوص ہے۔

راجہ جگت سنگھ کے مرنے کے بعد ناظر نے اہل الرائے حضرات اور راجہ کے بھائیوں سے مشورہ کئے بغیر خفیہ طور سے ایک شخص کو مسند پر بٹھا دیا اور جنرل صاحب کو لکھ دیا کہ تخت نشینی ہو گئی یہ تحریر جنرل صاحب کے خط کے ساتھ گورنر جنرل مارکوئس ہیسٹنگز کے پاس پہونچی لوگوں نے چاہا کہ ناظر کو نکال دیں اور نئے راجہ کو مسند سے علیحدہ کر دیں۔ نصیر آباد سے فوج اور دہلی سے جنرل صاحب پہونچ گئے۔ اس کے بعد ان کا چاہا ہو گیا۔ فوج اپنی جگہ اور سپہ سالار دہلی واپس ہو گئے۔ دوبارہ جودھارام خارج اور لاپتہ صرف راول کے کہنے پر مالک راج کی مرضی کے خلاف تاراج ہو گیا۔ ان لوگوں کو راول کے معزول کرنے کا اختیار نہ رہا۔ اسی لئے کہ وقار باقی رہے فوج اور توپ خانہ روانہ ہوا اس کے بعد راول خارج اور جودھارام برقرار رہا۔ فوج نصیر آباد کو واپس ہو گئی اور جنرل صاحب اکبر آباد کو عازم ہوئے۔

ریاست کوٹہ میں اسی قسم کا واقعہ

اسی طرح کوٹہ کے عہد نامہ میں پایکار کا نام راجہ کے نام کے ساتھ شامل ہوتا رہا اور سرکار میں اتنا لکھدیا گیا کہ اس کے خاندان میں نیابت مستقل طور سے رہے گی۔ یہاں تک کہ مختار کی حمایت میں انگریزی فوج نے راجہ کے بھائی کو مار ڈالا اور راجہ کو نکال دیا اور دوسرے راجاؤں کو لکھدیا گیا کہ اس کے ساتھ پہلی جیسی تعظیم کی راہ و رسم عمل میں لائیں۔ جس وقت مختار مہربان ہو گیا راجہ مسند پر بیٹھا۔

الور میں راجہ کی تخت نشینی پر انگریزوں کی من مانی

الور میں بختاور سنگھ کی موت کے بعد دو راجہ سرکار نے منظور کیئے ایک وارث اور دوسرا ہر مذہب کے بموجب بیگانہ، کیونکہ مذہبی طور سے ناجائز اولاد مذہبی زبان کے بموجب باپ کی جگہ نہیں پاتی اس افسانہ کو کہ دراز ہے چھوڑتا ہوں اور اپنے کام میں لگتا ہوں۔

جودھپور میں ایک نیا قصہ

انہی دنوں بیاس صورت رام کے توسط سے جودھپور کے راجہ کی طرف سے استفسار رہا کہ عطار سند سے پہلے فرماں بر داری آزمانے کے لیئے میں چاہتا ہوں کہ اسود کے باڑہ کو علیحدہ کروادوں اور مدعا یہ تھا کہ اگر وہاں کے لوگ منع کریں گے تو

کہا جائیگا کہ عہدنامہ کے خلاف کیا اور اگر اجازت دیں گے تو فوج جائے گی اس صورت میں وہاں کا سردار یقیناً عذر کرے گا اس طرح لوگوں کی سرتابی کا بہانہ کر کے ان کو مارواڑ میں جگہ دینا ملتوی کر دیا جائے گا۔

آقا نے یہ ماجرا بھیج کر جواب لکھا کہ دونوں سرکاروں کے عہدنامہ کی رو سے اس قسم کے استفسار کی ضرورت نہیں ہے مگر دوستانہ جواب یہ ہے کہ جاگیر کے واگزاشت کرنے اور ان کو شرف باریابی بخشنے سے پہلے ساکنان آھو یہ کس طرح سمجھ لیں کہ مہاراجہ ہم پر مہربان ہے اور ہم مامون ہیں اور وہ حصار کے ہونے نہ ہونے کو کچھ اہمیت نہ دیں۔

مہاراجہ بھی اس قلعہ کو اپنا سمجھتے ہیں لہذا وہ کیونکر اس کی مسماری کا حکم دیں گے ورنہ وہ لوگ عفو قصور کو محض مدارات اور صاحبان صدر کا پاس سمجھیں گے اور مہاراجہ سے مطمئن نہ ہوں گے مہربانی اور بخشش روزی کو (روزگار کی سہولت) کو دام فریب پر محمول کریں گے۔ قلوب کی صفائی ابھی تک ہے یا نہیں مہاراجہ اور ٹھاکروں پر یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی اور سرکار انگریزی کے حکام آثار صفائی بغیر دیکھے کیونکر اس سوال کا جواب "ہے یا نہیں" سے دیں۔

یہاں سے جواب پہنچنے کے بعد مہاراجہ نے ٹھاکروں کے نام دستخطی خطوط لکھے اور وہ اپنے وکیل کی معرفت ویلڈر صاحب کے پاس بھیج دیئے۔ صاحب نے وہ خط مہاراجہ کے وکیل کے سامنے ٹھاکروں کے وکلار کو دے دیئے۔ یہ خطوط ان کو بہ اطمینان اپنے والی کی خدمت میں رجوع کرنے کے متعلق لکھے گئے تھے۔ اور گیان سنگھ چوبدار کو ہمراہ کر دیا گیا۔

خطوط کا مضمون بہ اختلاف عبارت یہ تھا کہ جب کبھی ندامت کی نشانی ان کی پیشانی سے واضح ہوئی ارکان دولت انگریزی نے دوستانہ سفارش حالی خدمت ولی نعمت رئیسان مارواڑ سے کر دی کہ گستاخوں کے دفتروں کو معافی کے پانی سے دھودیں اور مہاراجہ بہادر نے بھی سزائے جرم نامناسب درگزر کر کے ان کی معاش اور بہبود کو مدنظر فرمایا اس خداوندی کا شکر اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ تہ دل سے اطاعت گزار اور فرماں بردار رہیں تاکہ دونوں سرکاریں مطمئن رہیں اور مہاراجہ صاحب کی خوشنودی کو اپنے تمام مقاصد پر مقدم رکھیں اور مزید توفیق شامل حال رہے۔

اکٹرلونی کا اجمیر سے فوج طلب کرنا

اسی اثنا میں جنرل سر ڈیوڈ اکٹرلونی بہادر نے ویلدر صاحب کو لکھا کہ ایک ہزار پانسو سوار بموجب عہدنامہ جودھپور سے اجمیر بھیجنے چاہئیں۔ ویلدر صاحب نے حسب الحکم صاحب بالادست جودھپور کو لکھا۔

ویلدر صاحب نے یکم ربیع الاول سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۸۲۴ء کو اجمیر کی موجودات کی اور جنرل صاحب کو لکھا کہ حسب الحکم، میں کاربند ہوا۔ اس وقت فوج والیِ اودھ سے لڑنے گئی ہے[1] اور کوتہ اندیشوں کے دل میں طرح طرح کے خیالات ہیں اگر اس گروہ کو نصیر آباد میں سرکاری فوج کے بجائے رکھا جائے مبادا کہ ملک میں سرکار کا ضعف ظاہر ہو .... ناچار اسی مارواڑ کی جمعیت پر اس وقت بھروسہ کیا جائے گا اور چونکہ ان دنوں لشکرِ جرار اس علاقہ میں نہیں ہے اور اگر کوتہ اندیشوں نے بھی سرتابی کی جو ایسے وقت میں بعید القیاس نہیں ہے تو تدارک دشوار ہو جائے گا۔ یہاں کے سوار اس قابل نہیں کہ سرکاری افسران اُن سے کام لے سکیں اس کے لئے برسوں تربیت کی ضرورت ہے۔ اس لئے معدودے کے بعد اکثر سرحد پر بھیج دیئے گئے ہیں تاکہ اس نواح میں گھاس کی قلت سے گھوڑوں کو تکلیف نہ پہنچے اور تھوڑے سے جن کو گھوڑوں کی گھاس اس سرزمین میں مل جاتی ہے رکھ لیا گیا ہے۔ صاحبانِ صدر سے استصواب کیا گیا ہے اور حکم ثانی کا انتظار ہے۔

جے پور کے مندر میں گنگا رام کی پوشیدگی

اس کے بعد ۹ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱ر نومبر سنہ ۱۸۲۴ء کو حسب طلب دو سو سوار پشکر کے میلہ کی حفاظت کے لئے مارواڑ سے پہنچے۔ وہاں پر ظاہر ہوا کہ مہارانی جے پور دختر راجہ مان سنگھ کے نو تعمیر بُت خانہ کے ایک برج میں ایک شخص گنگا رام چھپا رہتا ہے۔ اور اپنے کو ناگپور کے سابق راجہ مودھو جی ہوسلہ کا رفیق بتاتا ہے۔

آخر بندہ (مولوی عبدالقادر) وہاں گیا اور اس کو آقا کے پاس لایا۔ آقا (ویلدر صاحب) اس کو اجمیر لے آئے اور جنرل صاحب کو لکھا وہاں سے دہلی پہونچنے کا حکم ملا چنانچہ ویسا ہی کیا اور گنگا رام کو دہلی بھیج دیا۔

انگریزی سفیر کے حکم سے بلونت سنگھ راجہ نینوا کا قتل

بتاریخ ۱۵ ربیع الاول مطابق ۸ر نومبر سنہ ۱۸۲۴ء کو مشہور ہوا کہ راجہ بلونت سنگھ راجہ نینوا معہ دونوں لڑکوں کے انگریزی فوج کے ہاتھوں کال صاحب سفیر کوٹہ

---

[1] سنہ ۱۸۲۴ء میں والیِ اودھ و سرکار کمپنی بہادر سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی مولف کو تسامح ہوا ہے ۔ کرم خوردہ۔

کے حکم سے قتل ہوئے۔

بتاریخ ۲ ربیع الآخر سنہ ۱۲۳۷ھ مطابق ۲۴ نومبر سنہ ۱۸۲۱ء صاحب سفیر کوٹہ نے بلونت سنگھ مہاراجہ نینوا کے مارے جانے کا اشتہار بھیجا کیونکہ سفیر مہاراج رام سنگھ راجہ بوندی سے بدخواہی کا ارادہ رکھتا تھا۔ اشتہار کے ساتھ اپنے خط بنام مہاراجہ رام سنگھ کی نقل، مقتول کی تعزیت اور اس کے قتل پر اظہار افسوس کہ ایسا ارادہ نہ تھا بھیجا۔ صاحب ممدوح (سفیر کوٹہ) چاہتا تھا کہ اس کے اشتہار او خط کی نقلیں ویلڈر صاحب کشن گڑھ جودھ پور اور جیسلمیر بھیجدیں چونکہ اشتہار کا مضمون منشا رخط کے خلاف تھا اس لیئے ویلڈر صاحب نے اس کو ویسے ہی دفتر میں چھوڑ دیا۔

خط کا منشا یہ تھا کہ اس کا قتل راجہ بوندی پر ناگوار ہے۔ اور اشتہار کا یہ تھا کہ راجہ کی مرضی سے ایسا ہوا۔ لوگوں میں عام شہرت ہے کہ رام کشن قوم اہیر کو کہ راجہ رام کشن، جس کو وہاں کی زبان میں دودھا بھائی کہتے ہیں راجہ کی والدہ کی غیر معمولی مہربانی سے سرکار بوندی میں مدار المہام ہو گیا اور راجہ بجز نام کے رئیس کوٹہ کی طرح امور ریاست میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔ بلونت سنگھ مقتول کا راجہ بوندی سے قریب کا رشتہ تھا وہ اس کا اتنا اختیار اپنے خاندان کے لئے عار شمار کرتا تھا چونکہ مہاراجہ کشور سنگھ کے ہنگامہ میں اس خون گرفتہ کا دل کشور سنگھ کی طرف تھا۔

رانا ظالم سنگھ جھالا کا لڑکا اس سے کینہ رکھتا تھا کال صاحب کے سامنے اس کی شکایت کرتا تھا اور رام کشن کی سفارش کرتا تھا اور رام کشن نے بھی خود خوشامد میں صاحب کی نظروں میں لے جیسا وہ نہ تھا ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ صاحب ممدوح نے صدر کو لکھا کہ سرکار بوندی سے اس کو راج حدش کا خطاب عطا ہوا ہے صدر سے بھی ایسا خطاب جاری ہو جائے صدر سکریٹریٹ کے دفتر) سے جہاں ہمیشہ صاحبان علاقہ رزیڈنسی کی تحریر رئیس اور متوسلان ریاست ہند کی بھلائی برائی میں پورا اثر رکھتی ہے جاری ہو گئی۔

اس کے بعد ناظم اجمیر اور جے پور وغیرہ کو لکھا گیا کہ اس خطاب کے رواج کے متعلق جودھپور کشن گڈھ، جیسلمیر اور جے پور کو ایما کریں۔ ویلڈر صاحب نے پہلو تہی کی کہ ہم لوگ دوسرے ملک کے ہیں۔ اس ملک کے باشندگان کی رسوم تعظیم و تکریم میں بجا بالغیب دخل دینا مناسب نہیں ہے۔

نقشہ راجستھان

پیمانہ ایک انچ برابر ۱۱۰ میل
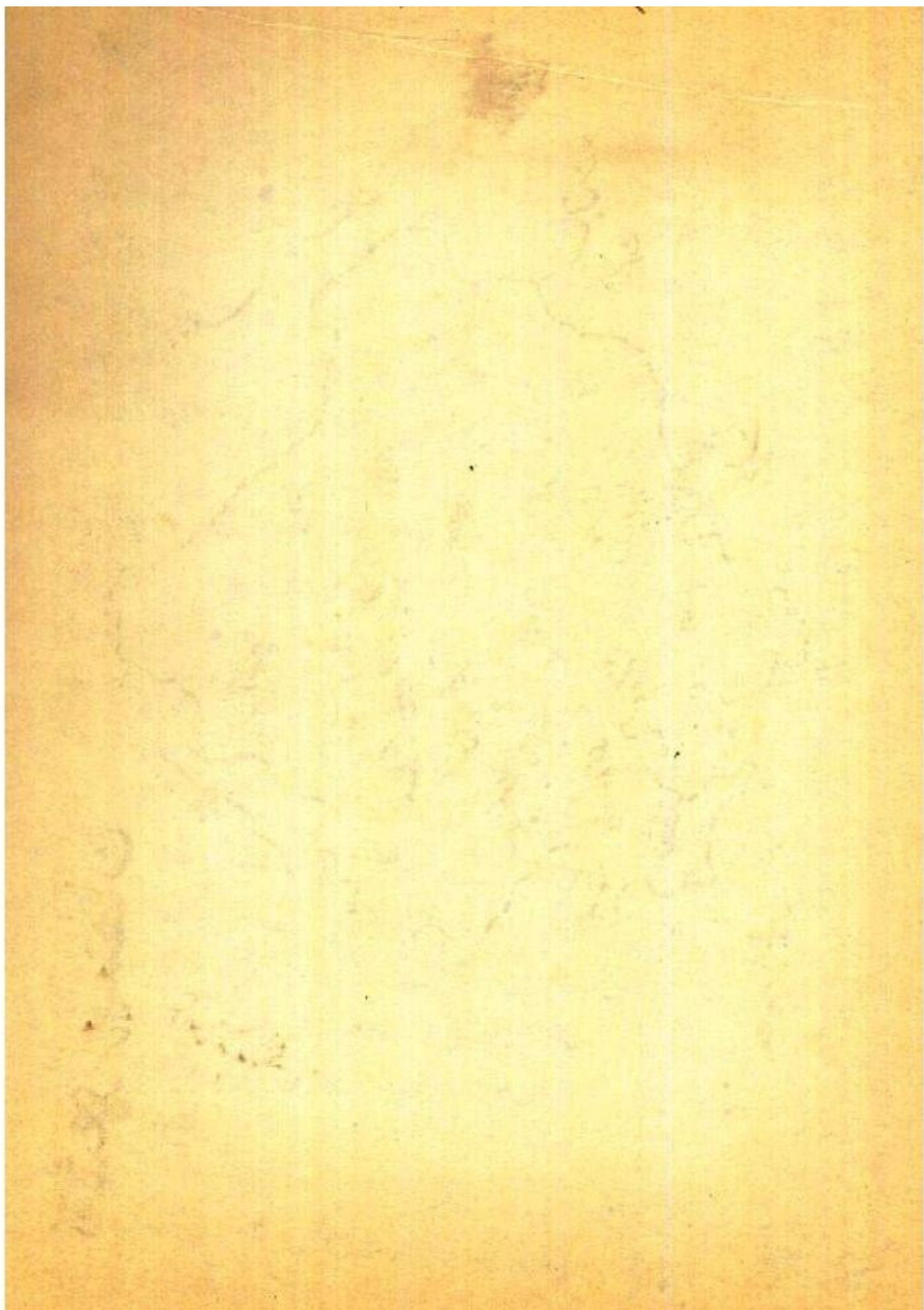
اس ملک کے لوگ بہت سے فرنگی ٹوپ پہننے والوں کو جو متوسل سرکار ہیں شرافتِ خاندانی میں بھی ایک سمجھتے ہیں جب عہدہ میں برابر ہو جائیں۔ اور بسا اوقات ایسا نہیں بھی ہوتا ہے۔ لہذا ایں بیجا تحکم مناسب نہیں ہے۔

بلونت سنگھ راجہ بونذی کو دیکھنے آرہا تھا رام کشن نے دل میں سوچا کہ شاید کچھ ارادہ بد رکھتا ہے اس نے خوش عقیدہ صاحب سے کہا کہ اس کا ارادہ اچھا نہیں ہے کوئی مفسدہ نہ کرے۔ آج اس ملک میں یہ وبا عام ہے۔ صاحب نے اس کے قول کی تصدیق کر کے ایک کم مرتبہ پیادہ کو اس کے پاس بھیجا کہ اس کو پیام پہنچائے کہ بہتری اس کی اس میں ہے کہ خود کو پیادہ کے ہاتھ سپرد کر دے اور اس کے تابعدار ہو کر صاحب ذی جاہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ اس نے بہت معذرت کی مگر منظور نہ ہوئی۔ آخر کار صاحب نے نہایت عجلت کے ساتھ ایک فوجی ٹکڑے کو جو جے پور کو جا رہا تھا حکم دیا کہ ہنگامہ کارزار گرم ہے بلونت معہ دونوں فرزندوں کے اس معرکہ میں نابود ہو گیا۔ لوگ اس میں اختلاف رکھتے ہیں کہ معرکہ میں یہ تینوں زخمی بچ گئے یا کشتہ ہو گئے اور اشتہار کی عبارت سے بھی اس کے فرزندوں کی موت کی بابت شک کا اظہار تھا۔

انہی دنوں زور آور مل سیٹھ نے اودے پور سے اجمیر آکر ویلڈر صاحب سے ملاقات حاصل کی یہ شخص اپنے کام کے اعتبار سے تجارت پیشہ یعنی صراف ہے مگر سرکاری کارپردازی کا حوصلہ اور انگریزوں کے دربار کی لیاقت خوب رکھتا ہے۔

ویلڈر صاحب کا والیِ جودھپور کے سلسلے میں صدر کو خط لکھنا

انہی دنوں ویلڈر صاحب بہادر نے صدر کو لکھا تھا کہ اگر نواب گورنر جنرل بہادر کی تحریر پُرتاثیر اس مضمون کی والیِ جودھپور کے نام صادر ہو جائے تو مناسب ہے اور اس سے راجہ کو اطمینان ہو گا۔ جب کبھی مہاراجہ صاحب بہادر نے سابق قصوروں کی بنا پر سرداران مارواڑ کو ہر طرح کی گوشمالی دے کر دستور سلف اور مقتضائے انتظام ریاست کے بموجب اس ملک سے نکال دیا۔ تو سرداران مارواڑ کی نالش اور واویلا پر سرکار انگریزی کے ارکان نے کان نہ لگائے اور انہیں صاف جواب دے دیا کہ اپنے ولی نعمت کی طرف رجوع کریں اور اس سرکار سے ایسے کاموں کے تعلق کا گمان بھی نہ رکھیں۔ اس کے بعد عرصہ دراز گزر گیا ان لوگوں کی جان پر بن آئی

ہڈیاں ٹوٹنے لگیں چونکہ موروثی نمک خواروں کو بہر حال روٹی کا ٹکڑا دینا تمام ریاستوں کا شیوہ ہے اس لحاظ سے کہ مبادا مہاراجہ صاحب بہادر کو فرطِ غضب سے آئینِ سابق فراموش ہو گیا ہو یا بے سفارش کے یاد فرمائی اُن کی خیرہ سری کا موجب تصور کر لیں اس بارے میں دوستانہ استصواب کے ذریعہ جو مناسب تھا نامہ و پیام سے گوش گزار کیا۔ عاقبت اندیش مہاراجہ نے اس تجویز کو پسند کر کے پھٹے ہوئے کو سیا اور ٹوٹے ہوئے کو باندھا اور آزردہ کو خوش دل کیا۔ دونوں سرکاروں کے اتفاق رائے سے اس شخص کو بہت مسرت ہوئی جو مخلص تھا، اور آئندہ یقین ہے کہ اس ریاست کی تابعداری سے خواہ یہ تباہی دیکھنے والے ہوں خواہ دوسرے سایہ پرور ہوں گریز نہ کریں گے اور مہاراجہ کے ہر طرح کے اختیارات پر نظر رکھتے ہوئے عہد نامہ کے مطابق زندگی گزاریں گے۔"

اگرچہ طویل مدت کے باعث اس خود فراموش (مولوی عبد القادر) کو یاد نہیں ہے کہ عبارت بعینہٖ یہی تھی یا دوسری مگر یقین ہے کہ اس میں یہ تصریح نہ تھی کہ اس مرتبہ ہم نے سفارش کی ہے آئندہ عہد نامے کے بموجب کسی کے بارے میں سفارش نہ کی جائے گی جو فارسی خط صدر سے آیا، صاف اسی طرح تھا ویلدر صاحب نے جب اس کی نقل پڑھی حیران رہ گئے کہ اگر اس کو راجہ کے پاس بھیجوں تو اس دستاویز سے ان سب کا پہنچا، سفارشیوں کا اخراج اور قتل و غارت ہو جائیگا اور اگر صدر کو دوں مبادا منشیانِ عطارد رقم جن کے قلم کی زبان ان کاموں میں ترجمانِ قضا ہے رنجیدہ ہو جائیں۔

ویلدر صاحب کا جبلپور کا ایجنٹ اور کمشنر مقرر ہونا

ویلدر صاحب اسی فکر میں تھے کہ ۱۳ ربیع الآخر ۱۲۴۰ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۸۲۴ء کو صدر کا حکم پہنچا کہ ان کو جبل پور کا ایجنٹ اور کمشنر مقرر کیا گیا۔ ویلدر صاحب نے نوشتہ[1] کو اپنے خط کے ساتھ وہاں کے وکیل بیاس شبہ کرن کے حوالہ کیا اور وہاں کا کام صدر کے حکم کے مطابق ہنری رچرڈ فرانس مور صاحب کے سپرد کر کے خود بتاریخ ۲۵ ربیع الآخر ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۸۲۴ء کو براہ نصیر آباد و رام سر منزلِ مقصود (جبل پور) کو روانہ ہو گئے

---

[1] نوشتہ سے وہ تحریر مراد ہے جس کا اوپر ذکر ہے۔

اور بندہ (مولوی عبدالقادر) بوندی کی سرحد تک پا بہ رکاب گیا اور موضع بلہمہ سے رخصت ہوا۔
ہفتم جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۹ ر دسمبر سنہ ۱۸۲۴ء کو میں اجمیر پہنچا۔ مور صاحب کی خدمت میں روزانہ صبح کو حسب طلب جاتا تھا اور وہاں سے آکر صدر امینی کا کام انجام دیتا تھا۔ اسی اثنا میں بتاریخ ۱۴ ر جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۵ ر جنوری سنہ ۱۸۲۵ء کو صدر کا نوشتہ بنام جنرل ہیر آکٹر لونی صاحب پہنچا جس میں ویلدر صاحب کی رائے کی تحسین کی گئی تھی جنرل صاحب کی تجویز کو نامنظور کیا گیا تھا جو انہوں نے سواران مارواڑ کے مقدمہ میں تحریر فرمائی تھی۔
۱۹ ر جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۰ ر جنوری سنہ ۱۸۲۵ء کو صدر کا حکم صاحبان لاحق کو عملہ پولیس وغیرہ کے بارے میں ویلدر صاحب کے طرز بندوبست کے اتباع کا پہنچا۔
۳۰ ر جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۱ ر جنوری سنہ ۱۸۲۵ء کو لسنگٹن صاحب جو حاکمان صدر کی پیشگاہ سے اجمیر کے اسسٹنٹ تجویز ہوئے تھے اکبر آباد تک پہونچے انہوں نے مور صاحب کو ایک تحریر میں اشارہ فرمایا کہ درد چشم کی وجہ سے اجمیر آنے کا ارادہ میں نے ملتوی کر دیا۔
۲ ر جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۲ ر جنوری سنہ ۱۸۲۵ء کو صدر کے اہل قلم کی تحریر پہنچی کہ اس ملک میں سایہ دار درختوں کی قلت ہے اور مقیم و مسافر کو ان کی ضرورت رہتی ہے لہذا جو شخص افتادہ زمین میں نئے باغات لگائے گا اس کو محصول معاف کر دیا جائے گا۔ معافی کے بارہ میں ویلدر صاحب کی یہ مستحسن تجویز صدر سے منظور ہوئی اور اس کا اشتہار دے دیا گیا۔

مولوی عبدالقادر کا رخصت پر جانا

۵ ر جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۵ ر جنوری سنہ ۱۸۲۵ء کو رخصت لے کر میں (مولوی عبدالقادر) نے وطن کا رخ کیا اور ۱۶ ر جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۵ ر فروری سنہ ۱۸۲۵ء کو جے پور میں حکیم محمد واصل خاں کی وجہ سے مقام کیا اور مولوی صدرالدین آزردہ کو دیکھا اور سنا کہ راول بیریسال اور سرکار جے پور کے معاملے میں میجر ریپر کو مشورہ دینے کی غرض سے ریزیڈنٹ راجپوتانہ و مالوہ نے مولوی صدرالدین کو لکھا ہے اگرچہ ریزیڈنٹ کو اس نوع کے اختیارات ہیں۔ لیکن ہندوستانیوں کے نزدیک ریزیڈنٹ کے اس طرز عمل سے میجر ریپر صاحب ہلکے ٹھہرتے ہیں۔
۲۵ ر جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۴ ر فروری سنہ ۱۸۲۵ء کو دہلی پہنچا اور ۱۹ ر فروری سنہ ۱۸۲۵ء تک

وہاں رہا۔

احمد بخش رسالدار دہلی سے مراد نگر احمد بخش پسر شیخ نور بخش رسالدار اسکنر صاحب کو دیکھا۔ اگرچہ شیخ ممدوح باپ دادا کے زمانہ سے ہندوستانی سپاہ کے زمرہ میں ہر سرکار میں ممتاز اور صاحب اعتبار رہا ہے۔ لیکن مالدار ہونے کے باوجود تقویٰ و عبادت اور اخلاق حسنہ سے متصف ہے۔ اس کا لڑکا جو اُس وقت بیس سال سے زیادہ عمر کا ہوگا تعلیم یافتہ، حلیم اور سعادت مند ہے، لڑکے سے اس کا باپ اور احباب خوش اور مطمئن ہیں۔ اور بائیسویں رجب ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء کو میرٹھ پہونچا۔

مولوی محمد سعید رامپوری مولوی محمد سعید جن کے دادا ملا مغل[1] کا ذکر علماء رامپور میں موجود ہے اور مولوی محمد سعید[2] خاندانی بزرگی کے علاوہ تیز فہم، خوش بیان اور دشوار پسند طبیعت کے مالک ہیں اور کپتان ترتر میکن صاحب کو شاہنامہ کی تصحیح میں مدد دی اور صاحب ان کے بہت مدح خواں ہیں اور اب ۱۲۳۱ھ میں فلد صاحب کی عدالت میں فتح پور میں ملازم ہیں۔

مولوی عبدالقادر کا فتحپور ہسوہ پہونچنا! ایک روز فتحپور میں ٹھہرا اور مفتی محمد قلی سے ملاقات کی جو امانت اور راست بازی میں معروف اور مذہب اثنا عشری میں مشہور تھے اگرچہ خطابت اور تقریر سے ایسے بزرگوار کے علم کی تہ تک مجھ جیسا ہیچمدان کیونکر پہونچ سکتا تھا، مگر میں نے ان کو تیز فکر اور خوش تقریر پایا۔

ورود رام پور ساتویں رجب ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۶ر فروری ۱۸۲۵ء کو رام پور پہونچ گیا پیشوایان دین[3] اور امرائے عظام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ اس کے بعد

---

[1] ملا مغل محدث ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۹ء سے قبل انتقال کر چکے تھے ان کے حالات کے لئے دیکھئے علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۶۹

[2] مولوی محمد سعید خاں، اخون خیلوں کے محلہ میں رام پور میں رہتے تھے رام پور ہی میں پیدا ہوئے علوم معقول و منقول میں دستگاہ کامل رکھتے تھے عربی کے بڑے فاضل تھے حافظ قرآن ہونے کے علاوہ تمام فنون درسیہ سے مناسبت رکھتے تھے کلکتہ جاکر انگریزی زبان میں کمال حاصل کیا مفتی شرف الدین رام پوری کے داماد برٹش گورنمنٹ میں منصف تھے بحالت ملازمت برٹش گورنمنٹ فتح پور ہسوہ میں انتقال ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے مولوی امان علی ابن حکیم شیر علی ان کے شاگرد تھے۔

ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۱ (۲) تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۵۵

(۳) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۷۶

میں نے اجمیر اور دہلی کو نہیں دیکھا لہٰذا وہاں کے جو امور باقی رہ گئے تھے ان کی نقل اس وقت کتاب حافظہ سے ان اوراق پر کرتا ہوں۔

مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی

دہلی میں مولوی محمد اسمٰعیل خلف مولوی عبد الغنی خلف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حسن بیان۔ قوت استنباط اور تیزی ذہن میں اس زمانہ میں اپنے دادا اور چچاؤں کی یادگار تھے[۱] مخلوق کو ان بدعات سے روکنے پر جو مستحبات بلکہ واجبات میں مخلوط ہو گئی ہیں ہمت باندھ رکھی تھی۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں اور دوسرے دنوں میں اس قسم کے مجمعوں میں بیان کرتے تھے۔ عوام ان کے وعظ و پند سے بہت نفع اٹھاتے تھے اور جو لوگ بدعات پر عمل کرتے ہیں اور آباؤ اسلاف کو انبیاء و رسل کے مسنونات کا ناسخ سمجھتے ہیں اگرچہ اس کلمہ کے تلفظ سے باز رہتے ہیں لیکن بدعت شکن پر طعن کرتے ہیں کہ اس کی بات اسلاف کے خلاف ہے۔ ذرا سوچنا چاہیئے کہ جب کوئی بانیٔ شریعت کی مخالفت پر ملامت کرے تو کیا اس بنا پر کہ بعض خرقہ پوشوں اور اصحاب دستار کی راہ و رسم کے خلاف ہے مواخذہ اور سرزنش کا مستحق ہو جائے گا۔ اور جن مشائخ و علمائے سنن انبیاء و اسلاف و صلحا کے مقابلہ میں بدعات جاری کی ہیں ان سے قیامت میں بازپرس کیوں نہ ہوگی۔ وہ زمانہ نبوت کے قرب و بعد کی وجہ سے بدعت اسلام کی رو سے سنت نہیں ہو جاتی۔

دہلی کی قدیم عمارات

دہلی کی پرانی عمارتوں کی تعمیر کا حال جو کچھ یاد ہے لکھتا ہوں اور جو کچھ مجھے یاد نہیں ہے وہ دوسرے کے لیئے چھوڑتا ہوں۔ دہلی کو راجہ انگپال تنور نے سمت ۴۳۳ میں آباد کیا۔

قلعہ پتھورا

قلعہ پتھورا پرتھی راج تنور کی سمت ۲۰ کی یادگار ہے[۲]۔

---

[۱] شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ سید احمد شہید کے ساتھ سکھوں سے جہاد کیا اور بالاکوٹ کے میدان میں ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں شہید ہوگئے۔ شاہ صاحب کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول مرتبہ محمد ایوب قادری صفحہ ۲۵ حاشیہ ۲۵

[۲] یہ قلعہ بہت قدیم ہے شاہجہان آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر قطب صاحب کی لاٹ کے پاس واقع ہے بقول سرسید احمد خاں بہادر سمت ۱۱۴۳ میں تعمیر ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

آثار الصنادید باب اول صفحہ ۸۲ صفحہ ۸۳

کیلوکھری	کیلوکھری کی ۶۸۶ھ میں سلطان معز الدین کیقباد نے بنیاد ڈالی۱
لال کوٹھی اور سبز کوٹھی	لال کوٹھی جلال الدین کی، اور سبز کوٹھی علاؤالدین کی یادگار ہے۔
تغلق آباد	تغلق آباد غیاث الدین نے ۷۲۵ھ ہجری میں آباد کیا۲ اور
ہزار ستون	غیاث الدین کے لڑکے سلطان معز الدین نے ہزار ستون کی تعمیر کرائی۳
فیروز آباد و مبارک آباد	فیروز آباد ۷۵۵ھ میں فیروز شاہ نے اور مبارک آباد، مبارک شاہ نے بسایا۴

۱ جب سلطان معزالدین کیقباد بادشاہ ہوا تو اس نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا۔ اور کیلوکھری اس کا نام رکھا۔ اس قلعہ کا اب نشان نہیں ہے لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرہ کے پاس ایک موضع کیلوکھری موجود ہے۔ حضرت امیر خسرو نے قران السعدین میں اس قلعہ کی تعریف کی ہے ملاحظہ ہو آثار الصنادید باب چہارم صفحہ ۵

۲ تغلق آباد کا شہر اور قلعہ غیاث الدین تغلق کے بیٹے ملک تغلق نے بنایا ہے اس قلعہ کی تیاری ۷۲۱ھ میں شروع ہوئی اور بہت جلد تیار ہوگیا یہ قلعہ بہت بڑا نہیں ہے۔ مغرب کی طرف قلعہ بنایا گیا تھا۔ بعد میں اطراف مشرق، شمال اور جنوب میں تغلق آباد کا شہر آباد ہوا تھا۔ شہر کی فصیل ...... اس خوبصورتی سے ملاکر بنائی گئی ہے کہ یہ سارا شہر اور قلعہ ایک قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ قلعہ شاہجہان آباد سے چھ کوس کے فاصلہ پہ ہے۔ سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں کہ اب (۱۸۴۶ء) میں قلعہ بالکل خراب اور ویران ہے مگر قلعہ کی فصیل اکثر جگہ سے قائم ہے۔ اور اندر کے مکان بالکل ٹوٹ گئے ہیں۔ گڑھوں اور پتھروں کے ڈھیر کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتا پچاس ساٹھ برس سے اس قلعہ میں گوجر آباد ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار الصنادید باب اول صفحہ ۲۸، ۲۹، ۳۰

۳ ہزار ستون کی عمارت ۷۲۵ھ میں شروع ہوئی اور ۷۲۸ھ میں تعمیر مکمل ہوئی کسی شاعر نے اس کی تاریخ "دخلوہا" کہی ہے۔ کسی زمانہ میں یہ عمارت نہایت نفیس تھی ہزار ستون سنگ خارا کے اس میں لگے تھے مگر اب (۱۸۴۶ء) میں یہ عمارت بالکل خراب ہوگئی ہے۔ ٹوٹی پھوٹی چاردیواری اور ایک آدھ دروازہ باقی ہے۔ ملاحظہ ہو آثار الصنادید باب اول صفحہ ۱۵

۴ فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۵ھ / ۱۳۵۴ء میں فیروز آباد کے نام سے دہلی سے متصل ایک نیا دیسی شہر آباد کیا جو نہایت شاندار تھا مدرسے، حمام، سرائیں، حویلیاں اور محلات تعمیر ہوئے۔ ایک محل کوشک فیروز شاہ یا فیروز شاہ کے کوٹلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ عمارت اب بالکل ختم ہوگئی ہے صرف کوٹلہ کی فصیل کہیں کہیں باقی

اندرپت (دین پناہ) ہمایوں نے ۹۳۵ھ میں اندرپت کی مرمت کرا کر اس کا نام "دین پناہ" رکھا۔

قلعہ سلیم گڑھ قلعہ سلیم گڑھ سلیم شاہ نے ۹۵۳ھ ہجری میں بنوایا ہے[۵۲]

جامع مسجد دہلی شاہ جہاں نے ۱۰۴۸ھ میں شاہجہاں آباد اور ۱۰۶۰ھ میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی ہے[۵۳]

باغ شاہ نظام الدین شاہ نظام الدین نے اپنے زمانے میں بیرونِ شہر دوسری پرانی عمارتوں کو تڑوا کر ایک باغ تعمیر کرایا جس کی ہندوستان بھر میں نظیر نہیں تھی۔ چونکہ اس کی بنیاد ظلم پر تھی انگریزی بندوبست میں جو ظلم پر ظلم کا مصداق ہے خاک برابر ہو گیا۔ اب اس کا کوئی نشان نہیں رہا ہے[۵۴]

(بقیہ سلسلہ صفحہ گزشتہ) رہ گئی ہے۔ مبارک آباد کو خضر خان کے بیٹے سلطان مبارک شاہ نے ۸۲۴ھ میں بسایا اور ایک قلعہ تعمیر کرایا مبارک آباد نام رکھا۔ یہ قلعہ صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے "آثار الصنادید باب اول ص ۵۲، ۸۶۔

(۲) باب چہارم صفحہ ۶ - ۷　　(۳) واقعات دار الحکومت دہلی ص ۵۹ - ۶۱

(۴) یادگار دہلی صفحہ ۱۸۶ - ۱۸۷

[۵۱] نصیر الدین ہمایوں بادشاہ نے ۹۳۰ھ میں اس قلعہ کو از سر نو تعمیر کرایا اور دین پناہ کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھیے آثار الصنادید باب چہارم ص ۴

[۵۲] سلیم گڑھ کا قلعہ سلیم شاہ ابن شیر شاہ نے چار لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کرایا۔ یہ قلعہ دریا کے کنارے لال قلعے کے سامنے موجود ہے اب سلیم گڑھ کے بجائے نورگڑھ کہلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو آثار الصنادید باب چہارم ص ۴ (۲) واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۱۵۹ - ۱۶۱

[۵۳] دہلی کی جامع مسجد کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو (۱) آثار الصنادید باب سوم ص ۶ - ۱۱　(۲) یادگار دہلی ص ۳۲ - ۴۰

(۳) واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۰۱ - ۱۱۳

(۴) لسٹ آف محمڈن اینڈ ہندو مونیومنٹس جلد اول ص ۱۳۲ - ۱۳۸

معلوم ہوا ہے کہ ہمارے مخلص دوست سید یوسف بخاری دہلوی نے جامع مسجد دہلی کی ایک مفصل اور مستند تاریخ مرتب کی ہے اس سلسلہ میں بہت سا ایسا مواد ان کے پیش نظر رہا ہے جس تک کسی اور کی رسائی ناممکن تھی۔ سید یوسف بخاری کا خاندان اور جامع مسجد دہلی لازم و ملزوم ہیں خدا کرے یوسف بخاری صاحب کی یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو سکے شاہ عالم کے زمانہ میں شاہ نظام الدین خانساماں کو توال شہر تھا اس کا ظلم و جور مشہور تھا ایک شخص کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر کچلوا دیا۔ ملاحظہ ہو

باغ بیگم ثمرو

بیگم ثمرو نے شہر میں ایک باغ بنوایا ہے جو نئی عمارتوں میں ممتاز ہے[1] سندھ کے حالات علحدہ ہیں اور میں نے سندھ کے علاقہ کو دیکھا بھی نہیں ہے بلکہ محض لوگوں سے سنا ہے اس لئے سندھ کے بیان کو چھوڑتا ہوں اور اپنی سرگزشت لکھتا ہوں:۔

مولوی عبدالقادر کی دہلی سے روانگی

۳ رجب سنہ ۱۲۵۸ھ کو میں شاہجہان پور پہونچا اور وہاں سے اگلے دن گجرولہ اثنائے راہ میں نواب احمد علی خاں بہادر کے خانساماں احمد علی کو دیکھا۔

خانساماں احمد علی

خانساماں احمد علی ایلیٹ صاحب کے پاس وکالت میں تھا اس کا دادا انور محمد نواب امین الدولہ کے ہمراہ دہلی سے سنبھل آکر میاں سرائے میں نواب ممدوح کے خدمت گاروں میں رہا۔ نواب کا کام درہم برہم ہونے کے بعد نظام علی خاں پسر نواب فیض اللہ خاں کی سرکار میں نوکر ہو گیا اور اس کا لڑکا ممّو خانساماں ہو گیا۔

ممّو نے زمانۂ دراز تک اس سرکار میں بسر کی اس کے بعد بغیر کسی مواخذہ و مطالبہ کے وہاں سے رخصت ہو کر نواب احمد علی خاں کی سرکار میں خانسامانی کے رتبہ پر پہونچا۔ یگانہ و بیگانہ کے بارے میں بغیر کسی غرض کے رئیس کے حضور میں عرض و سفارش کرتا تھا۔ جب تک رہا آقا اور دوسرے لوگ خوشدل رہے اور وہ بھی اپنی حیثیت سے باہر قدم نہیں بڑھاتا تھا۔ خوشامدیوں کے فریب میں کم آتا تھا اور اپنی حیثیت کو فراموش نہیں کرتا تھا۔

احمد علی بھی مسکین متحمل اور قوی الحافظہ ہے۔ توشہ خانہ کی چیزوں کو نوکِ زبان پر رکھتا ہے محنتی بھی ہے۔ آرام بہت کم کرتا ہے۔ اتنے بلند مرتبہ پر پہونچ گیا کہ تمام کارگزار اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں گویا فخرِ اسلاف ہو گیا مگر بیہودہ گویوں کی ستائش کا خواہاں رہتا ہے۔ حرص پرست بزرگ زادے اس کو لغزش میں لے آتے ہیں مگر پھر بھی غنیمت ہے۔

مولوی عبدالقادر کا رامپور پہونچنا

میں وہاں (گجرولہ) سے امروہہ اور اگلے دن مرادآباد پہونچا اس کے بعد رام پور اپنے مکان پر آگیا۔ بہنوں، بھائیوں، بھتیجوں، لڑکوں، لڑکیوں اور دوسرے عزیزوں

[1] بیگم ثمرو کے لئے ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادرخانی) جلد اول ص ۱۹۵ - ۱۹۸

نے ایک مدت کے بعد مجھے دیکھا تو پھولے نہیں سمائے۔

از بہر تہنیت کہ بدر از دحام شد ماہِ رجب نمونہ عید صیام شد

جناب مولانا جمال الدین، مولوی رستم علی اور مولوی شرف الدین صاحب کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کی۔ بتاریخ ۲۴ رجب ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء کو رجھیڑہ کے پل پر عنایت اللہ خاں بہادر سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور شام کو مرادآباد پہونچ گیا۔

وہاں جعفر علی خاں بہادر کو جو دہلی سے آیا تھا دیکھا۔ بتاریخ ۲۶ رجب ۱۲۴۰ھ کو فورٹ صاحب کلکٹر مرادآباد کے پاس پہونچا۔ کلکٹر صاحب بہادر کو خوش خلق، بے آزار اور مجبور بصورت مختار پایا۔

دوسرے روز رام پور کو واپس ہو گیا اور عنایت اللہ خاں ۳۰ رجب ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء کو نواب کے لشکر میں تشریف فرما ہوئے اور دسویں شعبان ۱۲۴۰ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۸۲۵ء کو ویلڈ صاحب کے دو پروانے متضمن بہ حسنِ طلب ساگر سے پہونچے جواب میں عرضی لکھ کر چند روزہ مہلت چاہی۔

مولوی عبدالقادر کی مرادآباد کے جج سے ملاقات

۲۶ رجب ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۲۵ء کو مرادآباد کے جج صاحب سے ملاقات کی۔ وہ چوری، رہزنی کے بندوبست اور ملک کی آبادانی میں کارہائے نمایاں کرتا ہے۔ یگانہ و بیگانہ کے ساتھ چاپلوسی اور بوقت ضرورت ہمت سے کام لیتا ہے اور اپنے پرانے ملازم کا بے حد لحاظ رکھتا ہے۔ اور کسی دوسرے کے دست گرفتہ کارگزاروں کی طرف سے محض کسی کی شکایت کی بنا پر بدظن نہیں ہوتا۔ اس نے رجھیڑہ کا پل اور منصوری کا پل بنوایا اور نیا معتدل گزر جاری کیا۔

محمد الدین احمد خاں[1] تھوڑی سی کاوش سے بری کر دیا۔ یہ بات ہندوستانیوں اور انگریزوں کے دل پر نقش ہے۔

قاضی محمد بخش جس کے اسلاف امتیاز و اعزاز کے مالک تھے اور وہ خود بھی ذی وجاہت اور

---

[1] نواب محمد الدین خاں، نواب عظمت اللہ خاں فاروقی حاکم مرادآباد کی اولاد میں تھے ان کے نامور فرزند نواب مجدالدین عرف مجو خاں تھے جنہوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مرادآباد میں قومی حکومت قائم کی۔ دیکھیے اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۸۹

صاحب افتا تھا اسکے ساتھ خشونت کے ساتھ پیش آنا اس (جج مراد آباد) کے لئے مناسب نہ تھا۱؎
اپنے پرانے ملازموں کو دونوں عدالتوں میں قایم رکھنا، مال کی تحصیل، عملہ پیشیں کا عزل، ورتولد فرزند کی محفل تہنیت میں اعزہ کے ساتھ برادرانہ سلوک اس نواح میں اس کی یادگار ہیں۔ اس سے پیشتر انگریزی حکام میں ان اوصاف کا کوئی حاکم نہیں آیا اور اب بھی نہیں ہے کہ ۱۸۳۱ء سے آئندہ کا حال معلوم نہیں۔ بایں ہمہ عام لوگ تو درکنار اس کے رفیقوں کے سوا خواص بھی اس کی مراجعت کے خواہاں نہیں ہیں۔

ویلڈر صاحب کا مولوی عبد القادر کو طلب کرنا

۱۴ رمضان ۱۲۳۷ھ مطابق ۴ مئی ۱۸۲۲ء کو میرے پاس جبلپور سے ویلڈر صاحب کی تحریر اس مضمون کی پہنچی کہ یہاں روزمرہ کا کام بہت ہے اور ملوتی صاحب کے زمانے کے پڑے ہوئے کام شمار سے زیادہ ہیں۔ اور کارگزار کم اور وہ بھی حرص کی پابندی سے کالعدم۔ تم سے جتنی جلد ہوسکے خود کو مع اپنے چھوٹے بھائی مولوی غلام ناصر کے یہاں پہنچاؤ اور مجھے مصیبت سے چھڑاؤ۔ تمہاری تنخواہ اجمیر میں افتا اور صدر امینی کے کام کی دو سو پچاس روپیہ ماہوار تھی وہ بدستور رہے گی اور تمہارے بھائی کو سو روپیہ ماہوار ملے گا وہ سررشتہ دار سے مختار کر دیا جائے گا۔
اسی عرصہ میں مور صاحب نے اشارہ فرمایا کہ ہنری مدلین صاحب کی تحریر سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ اگر تیری جگہ خالی رہے تو اس تنخواہ سے اپنے کسی رفیق کی پرورش کرے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے استعفا لکھ کر اجمیر بھیجدیا۔

مولوی عبد القادر کی جبل پور روانگی

۹ رمضان ۱۲۳۷ھ اور ۳۰ مئی ۱۸۲۲ء کو میر گنج آیا۔ چونکہ سخت گرمی تھی اور سفر میں افطار جائز ہے۔ بھائی (غلام ناصر) اور بڑے لڑکے عبد الہادی نے زحمت اٹھائی۔ تو روزہ ترک کر دیا۔

مرزا ببر جنگ بریلوی

۹ مئی ۱۸۲۲ء کو بریلی پہونچا اور مولوی عبد اللہ سے ان کے دولت خانہ پر ملاقات کی دوسرے دن قیام کیا اور مرزا ببر جنگ فرزند مرزا شہامت بیگ میری ملاقات

۱؎ قاضی محمد بخش مراد آبادی اس زمانے کے نامور اور سربر آوردہ شخص تھے ان کے دو فرزند قاضی محمد حسین اور قاضی محمد عباس تھے۔ قاضی محمد حسین کے صاحبزادے قاضی تجمل حسین تھے اور قاضی محمد عباس کے صاحبزادے قاضی محمد امداد حسین تھے قاضی امداد حسین کے کتب خانہ میں بہت سی نادر و نایاب کتابیں تھیں۔ جلالطبع خبر تا نیو نفیر خانی۔

کو آیا۔ مرزا ببر جنگ بستر صاحب کے زمانہ میں آنرول صاحب کے وقت تک عدالت فوجداری کا ناظر رہا تھا وہ ہمیں کھانا کھلانے کے لئے اپنے گھر لے گیا۔ مرزا تیز ہوش اور چالاک ہے ضلع گوہانہ اور اجمیر میں عرصۂ دراز تک پولیس کا کام انجام دیتا رہا ہے۔

۲۲ رمضان ۱۲۲۵ھ کو فرید پور اور ۲۳ رمضان کو کٹرہ اور ۲۴ رمضان کو جلال آباد اور ۲۵ رمضان کو امرت پور اور ۲۶ رمضان کو فرخ آباد پہونچا۔

میں ایک رقم کی ہنڈی پردھیان کی دوکان سے فرخ آباد کے ایک ساہوکار کے نام لیکر گیا تھا مگر اس ساہوکار نے ہنڈی نہیں دی اس لئے طلائی زیور کی تلوار اکیاسی روپیہ میں فروخت کی اور محمد قلی خاں کی خاطر سے فتح گڑھ کیمپ میں حکیم مہدی علی خاں[1] کے مکان میں قیام کیا۔ اس کا بھانجہ ابوطالب خاں[2] مجھ سے ملنے آیا۔ کیونکہ ایک دفعہ اس سے پیشتر شاہ عبدالعزیز کی مجلس میں دہلی میں اس نے مجھے دیکھا تھا۔

محمد قلی خاں

محمد قلی خاں کا باپ نواب نجف خاں کے عہد میں ایران سے ہندوستان آیا تھا اس کی قوم جوان شیر ہے۔ ایک زمانہ تک محمد قلی خاں نجف خاں کے لشکر میں اور پھر سرکار اودھ میں اعزاز و امتیاز کے ساتھ رہا جب نواب سعادت علی خاں بہادر نے ......[3] انگریزی سرکار کے سپرد کیا تو خان ممدوح کو بستر صاحب نے تحصیل خراج کے کام پر دوسرے پایکاروں کی طرح کمیشن پر مقرر کیا۔

اس کے بعد جب بجائے کمیشن کے عوض بیش قرار مشاہرہ مقرر ہوا۔ مشاہرہ پر کام انجام دیتا رہا آخر میں قلتِ مشاہرہ، کثرت کشمکش اور دوسری کے خیال سے نوکری سے کنارہ کش ہوگیا اور سو روپے کی تنخواہ

---

[1] حکیم مہدی علی خاں وزیر حکومت اودھ المتوفی ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء

[2] مرزا ابوطالب خاں اصفہانی ابن حاجی محمد بیگ اودھ کی حکومت میں نہایت ممتاز رہا۔ آخر میں وہاں کی سیاست اور سازشوں کا شکار ہو امرشد آباد کلکتہ پہونچا۔ ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء میں یورپ، افریقہ وغیرہ کے سفر پر روانہ ہوا۔ ابوطالب خاں نے اپنا سفرنامہ فارسی زبان میں مسیر طالبی فی بلاد افرنجی کے نام سے مرتب کیا ہے اس کا اردو ترجمہ مرزا الٰہی رضا المتخلص بہ محزون ابن مرزا محمد تقی ابن مرزا عبدالہادی بن مولوی عبدالقادر نے کیا ہے۔ یہ سفرنامہ دو جلدوں میں ۱۹۰۴ء میں برکاس پریس مراد آباد میں طبع ہوا ہے۔ (محمد ایوب قادری)

[3] کرم خوردہ۔

سرکار بجلا دی میں خدمت سابق کو انجام دیتا رہا۔ کبھی مراد آباد اور کبھی لکھنؤ اور کبھی فرخ آباد میں رہتا تھا اور انگریزی ملازمت میں نیک نام رہا حریص نہ تھا اور نہ دوسروں کے مال پر نظر رکھتا تھا۔ جو کچھ ملتا خرچ کر دیتا کچھ تو دو بھانجوں کی پرورش میں لگاتا رہا ایک کا نام علی محمد خاں تھا جس کا لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ دوسرا حسن رضا خاں ہے جو اب صحت و عافیت کے ساتھ نواح اکبر آباد میں ہے اور کچھ پرانے دوستوں کی مراعات میں اور کچھ فقراء و مساکین کے نفقہ میں اور کچھ لہو و لعب اور عشرہ محرم کی آرائش میں خرچ کرتا بڑھاپے میں البتہ عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کی دریا دلی کے مقابلہ میں سو روپیہ کفایت نہیں کرتے تھے۔ مراد آباد میں محمد علی خاں کا انتقال ہوا۔ اور اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ میں دفن ہوا۔ اس کا حشر اس کے دوستوں کے ساتھ ہو[1]۔

۲ر شوال ۱۲۴۰ھ کو میں کالپی پہونچا۔ بار برداری کی غرض سے ایک دن میں وہاں ٹھیرا اگلے دن جلال پور میں پھر آٹھ۔ پھر جبیت پور پھر چھتر پور پھر دیورا میں جو پرتاب سنگھ راجہ چھتر پور کا علاقہ ہے، راستہ بھول کر پہونچ گیا۔ رات کا وقت سلیا میں جو لوہاروں کا گاؤں ہے بسر کیا پھر نندیا دیو میں جو بجے بہادر راجہ چرکھاری سے متعلق ہے اور پھر پٹہ سیل پہونچا، منشی وارث علی اور ناظر عید اور بابو کھانڈے خراج گیر مجھے دیکھنے آئے۔

وہاں سے وہ پھرا بہانہ اور پھر جبرا اور اس کے بعد کنٹگی پہونچا۔ وہاں سے مجھے کہار جیلپور لے گئے جو جبلپور سے آکر میرا انتظار کر رہے تھے۔ بھائی غلام ناصر اور برخوردار عبدالہادی اور تمام سامان کنٹگی میں چھوڑا یہ لوگ اگلے دن پہنچ گئے۔

والد صاحب سے ملاقات

والد صاحب کا مزاج درد سر کے عارضہ سے بے حد بد مزہ تھا، تیسرے دن جب یہ شکایت جاتی رہی تو مجھے بلایا ہر قسم کی باتیں ہوئیں، دو سو پچاس روپیہ میرا مشاہرہ مقرر ہوا اور مختار و صدر امینی کا عہدہ سپرد ہوا۔ بھائی کا مشاہرہ سو روپے اور سر رشتہ کا کام۔ اور سو روپیہ ماہانہ بہاری لال کے مقرر ہوئے اور ایجنسی کے منشی کا کام اس کو مقرر ہوا۔

---

[1] محلہ چوکی حسن خاں (مراد آباد) میں محمد علی خاں کا تعمیر کردہ عالی شان امام باڑہ ابھی تک موجود ہے۔ (محمد ایوب قادری)

ملونی صاحب اس علاقہ میں اس کے پہلے ملونی صاحب ایجنٹی کا کام کرتے تھے۔ مرد نیک، پاک دل اور سادہ تھے، نوجوانی اور نو مشقی ہی میں کار خراج، بلج گیری اور عدالت و سفارت سب کام ان کے متعلق ہو گئے۔ ملونی صاحب نے اجارہ کی جمعبندی تشخیص کے لئے چارلس تھیوفلس مٹکاف صاحب بہادر سے ایک کارکن طلب کیا۔ مٹکاف صاحب باوجودیکہ طویل مدت سے ہندوستان میں مقیم ہیں لیکن صرف ان لوگوں سے واقف ہیں جن سے معاہدے ہوئے ہیں یا ان کے وکیلوں اور اپنے شاگرد پیشہ لوگوں کو جانتے ہیں باقی اس ملک کے لوگوں سے واقفیت نہیں ہے۔

مٹکاف صاحب نے دیوان بہادر سنگھ کو بھیجدیا یہ شخص مرد کار آزمودہ۔ جہاندیدہ۔ تیز ہوش اور نہایت خرچیلا ہے۔ ملونی صاحب کا کام صرف دستخط کرنا تھا۔ عزل و نصب اور تخفیف و اضافہ سب ہی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اس کے مظالم سے تنگ آکر ملونی صاحب سے اس کی رشوت ستانی کے متعلق دعویٰ کر دیا۔ صاحب پرورده نواز نے ہرچند اس ہنگامہ کو دبانے کی تدبیر کی مگر کارگر نہ ہوئی آخر دیوان بہادر سنگھ رات میں بھاگ گیا۔ بایںہمہ حق شناس صاحب نے انگریزی خط ستائش کا اسے دے دیا۔

اس کے بعد صاحب ممدوح بہت کم کام میں مشغول ہوتا۔ کچہری میں بھی کم آتا۔ اگرچہ خود آلودہ طمع نہ تھا لیکن بدنامی سے ڈرتا تھا اور ایک کی ایسی حالت دیکھ کر سب سے بدگمان ہو گیا اپیل اور مقدمات دائر سائر کی مسلیں تجویز کے لئے دفتر میں پڑی تھیں آقا نے مجھ سے فرمایا کہ اپیل مقدمات کا خلاصہ اور دائر سائر کا خوبی لکھ کر پیش کروں۔

اور دوسری نئی مسلیں جو آئی تھیں صاحب کے حکم کے مطابق ان پر کام کرتا۔

چارلس فریزر ۲۳ شوال سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۳ مئی سنہ ۱۸۲۵ء کو چارلس فریزر صاحب سابق ناظم جبلپور اور حال ساگر سے ملاقات ہوئی۔ نوجوان ہوشمند اور انجام اندیش۔ فارسی و ہندی سے واقف۔ ماہر حساب۔ تشخیص و تحصیل میں رسا۔ خوش خلق۔ بامروت و حیا۔ حرص سے پاک تھا۔ اسے شکار کا شوق بے حد تھا۔ داد و ستد اور سیاسی فیصلہ پر جلد نہ پہونچتا تھا اور توجہ بھی کم کرتا تھا، یہ اس لئے تھا کہ معلم اول یعنی ملونی صاحب آنجہانی اور کگریل صاحب جواں مرگ بھی یہی روبہ رکھتے تھے اور چونکہ اس نے اس ضلع میں

ان سے کام ہاتھ میں لیا تھا وہ بھی ان ہی کا طریقہ پسند کرتا تھا۔ لیکن نہ ہی وہ ریاکار تھا اور نہ ہی مداخلتِ بے جا کرتا تھا۔

قوم گونڈ اس علاقہ کی ریاست قوم گونڈ سے متعلق ہے۔ صورت یہ ہوئی کہ جادوت رائے راجپوت کچھواہہ نے راجہ گونڈ کی لڑکی سے عقد کر لیا اور خسر کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھا۔ چونکہ کچھواہہ راجپوتوں اور گونڈوں کا رشتہ ہندو مذہب میں رائج نہیں ہے، لہذا راجپوتوں نے اس کے ساتھ خورونوش اور مناکحت کو ترک کر دیا اب وہ گونڈ بچہ شمار میں آتا ہے اور اس واقعہ کو ۱۸۲۵ء مطابق سمت ۱۸۸۲ موافق ۱۲۴۰ھ میں کہ بندہ (مولوی عبدالقادر) وہاں وارد تھا۔ ایک ہزار چھ سو اٹھارہ سال کا عرصہ گزر گیا۔

فہرست راجگان کچھواہہ شروع سے انگریزی قبضہ تک راجاؤں کے نام اور سالہائے حکومت اس طرح پر ہیں

نمبر شمار	نام حکمران	مدت حکمرانی	کیفیت
۱	جادوت رائے	۵ سال	
۲	مادھو سنگھ	۳۳ سال	
۳	جگناتھ	۲۵ سال	
۴	رگھناتھ	۳۲ سال	
۵	اودر دیو	۲۸ سال	
۶	بھائی سنگھ	۳۱ سال	
۷	نرسنگھ دیو اول	۳۳ سال	
۸	سورج بھان	۲۹ سال	
۹	باسدیو	۲۵ سال	
۱۰	گوپال سہائے	۴۲ سال	
۱۱	بھوپال سہائے	۱۰ سال	

نمبر شمار	نام حکمران	مدت حکمرانی	کیفیت
۱۲	گوپی ناتھ	۳۲ سال	
۱۳	رام چندر اول	۱۳ سال	
۱۴	سلطان سنگھ	۱۹ سال	
۱۵	ہری ہر دیو	۱۷ سال	
۱۶	کرشن دیو	۵۴ سال	
۱۷	جگت سنگھ	۹ سال	
۱۸	بھاسنگھ	۲۳ سال	
۱۹	درجن مل	۱۹ سال	
۲۰	جسکرن	۳۶ سال	
۲۱	پرتاب وت	۲۴ سال	
۲۲	جیش چندر	۱۴ سال	
۲۳	منوہر سنگھ	۴۴ سال	
۲۴	گوبند سنگھ	۳۵ سال	
۲۵	رام چند دوم	۲۱ سال	
۲۶	راجہ کرن	۱۶ سال	
۲۷	راجہ سین	۲۱ سال	
۲۸	راجہ کہر سین	۴ سال	
۲۹	نرسنگھ دیو رام	۱۶ سال	
۳۰	بیر سنگھ	۷ سال	
۳۱	تربھون رائے	۳۸ سال	
۳۲	پرتھی راج	۲۱ سال	

نمبر شمار	نام حکمران	مدت حکمرانی	کیفیت
۳۳	بہاری چندر	۳۱ سال	
۳۴	بدن سنگھ	۲۰ سال	موضع کدھا میں اس کی یادگار بدن محل ہے
۳۵	اوگرسین	۳ سال	
۳۶	رام سہائے	۳۰ سال	
۳۷	تاراچند	۳۴ سال	
۳۸	اودے سنگھ	۱۵ سال	
۳۹	بھان سنگھ	۱۲ سال	
۴۰	بھوانی داس	۱۲ سال	
۴۱	شیو سنگھ	۲۶ سال	
۴۲	ہر نرائن سنگھ	۳۰ سال	
۴۳	سیل سنگھ	۲۹ سال	
۴۴	رائے سنگھ	۴۱ سال	
۴۵	اودے رائے	۳۷ سال	
۴۶	کنور چندر داس	۳۶ سال	
۴۷	ارجن سنگھ	۳۶ سال	
۴۸	سنگرام	۱۰ سال	اس نے باون (۵۲) قلعے بنوائے اور بہت سا ملک قبضہ میں لایا
۴۹	دلیپ سہائے	۱۸ سال	
۵۰	درگا پرشاد	۱۵ سال	
۵۱	چندر سہائے	۲۸ سال	
۵۲	مدکر سہائے	۲۶ سال	اپنے باپ چندر سہائے کو مار کر تخت نشین ہوا
۵۳	ہربیش چندر	۱۹ سال	

نمبر شمار	نام حکمران	مدت حکمرانی	کیفیت
۵۴	رادھے سہائے	۲۲ سال	
۵۵	چتر سہائے }	۳ سال	
۵۶	کیسری سہائے }		
۵۷	ہری سنگھ }	۷ سال	یہ دونوں حکمران مسلمان ہوگئے تھے اور سلطنت پر قابض رہے۔
۵۸	بہار سنگھ }		
۵۹	برید شاہ	۵۵ سال	
۶۰	مہاراج سہائے	۱۲ سال	
۶۱	شیوراج سہائے	۷ سال	
۶۲	درجن سہائے	۶ ماہ	
۶۳	نظام شاہ	۲۷½ سال	
۶۴	رانی بلاس کنور	ایک سال	
۶۵	تربر سہائے	۳ سال	
۶۶	سمند سہائے	۲ سال	
۶۷	بلونت راؤ	۱۸ سال	ساگر پر قابض ہوا
۶۸	شنکر سہائے	۲۰ سال	

رگھوجی بھونسلہ راجہ ناگپور نے شنکر سہائے کو مسند پر بٹھایا۔ اس کے بعد سمت ۱۸۶۶ میں اس کو تخت سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے بعد رگھوجی بھونسلہ اس خاکدان سے گزر گیا۔

رگھوجی بھونسلہ کے لڑکے کو مودھوجی بھونسلہ معروف بہ اپا نے فراموش خانہ نیستی میں بھیجدیا اور خود چچازاد بھائی کی مسند پر بیٹھ گیا۔ اس نے انگریزی سرکار سے مقابلہ کیا۔ انگریزی

سرکار نے اس کو قید میں ڈال دیا وہ بھاگ گیا اور ملک رگھوجی کے نواسے کو کہ وہ بھی رگھوجی نام رکھتا تھا اور اس وقت بچہ تھا سپرد کر دیا گیا۔

ختم شد

کتابیات

آثار الصنادید — سر سید احمد خاں بہادر — (نولکشور پریس، لکھنؤ سنہ ۱۸۷۶ء)

احسن السیر — محمد اکبر جہاں شگفتہ — (مطبع آفتاب جہاں تاب اجمیر سنہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۷ء)

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار — شیخ عبدالحق محدث دہلوی — (مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء)

اخبار الصنادید (جلد اول) — حکیم مولوی نجم الغنی خاں رامپوری — (نولکشور پریس، لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ء)

اخبار رنگین — سعادت یار خاں رنگین — (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری)

افادات حمید (ملفوظات حمید الدین ناگوری) — قاضی رحمان بخش — (شاہجہانی پریس دہلی سنہ ۱۳۳۶ء)

اکبر نامہ (جلد دوم) — ابوالفضل علامی — (ایشیاٹک سوسائٹی۔ کلکتہ)

المشاہیر — فیض احمد — (نامی پریس، میرٹھ سنہ ۱۸۹۰ء)

انتخاب یادگار — منشی امیر احمد مینائی — (تاج المطابع، لکھنؤ سنہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء)

باغی ہندوستان (ثورۃ الہندیہ) — مرتبہ محمد عبدالشاہد خاں شروانی — (مدینہ پریس بجنور سنہ ۱۹۴۷ء)

بزم صوفیہ — صباح الدین عبدالرحمٰن — (دار المصنفین اعظم گڑھ سنہ ۱۹۴۹ء)

بزم مملوکیہ — " " — (" " " ")

پرتھی راج راسا — محمود خاں شیروانی — (انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی سنہ ۱۹۴۳ء)

تاریخ ادب اُردو (رام بابو سکسینہ) — اُردو ترجمہ مرزا عسکری — (نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۹ء)

تاریخ اودھ (حصہ سوم) — حکیم مولوی نجم الغنی خاں رام پوری — (نولکشور پریس، لکھنؤ سنہ ۱۹۱۹ء)

تاریخ فرشتہ — محمد قاسم ہندو شاہ — (" " " ")

تاریخ مدرسہ عالیہ — مولوی عبدالستار — (مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سنہ ۱۹۵۹ء)

تاریخ مشائخ چشت — پروفیسر خلیق احمد نظامی — (ندوۃ المصنفین، دہلی سنہ ۱۹۵۳ء)

تاریخ ہندی قرون وسطےٰ (جلد دوم) — قاری بشیر الدین پنڈت — (مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ سنہ ۱۹۳۹ء)

تاریخ ہند کے ازمنہ وسطیٰ میں معاشرتی اور اقتصادی کیفیت — عبداللہ یوسف علی — (الہ آباد سنہ ۱۹۳۹ء)

کتاب	مصنف / مرتب	مطبع
تحقیقات اولاد خواجہ صاحب (دو حصص)	حافظ محمد حسین	(مطبع ابو العلائی، آگرہ ۱۳۵۶ھ)
تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان (اردو ترجمہ)	مرزا محمد اختر دہلوی	(مطبوعہ لاہور)
تذکرہ اہل دہلی (سر سید احمد خاں بہادر)	مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی	(انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۵ء)
تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی)	مترجم و مرتبہ محمد ایوب قادری	(پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء)
تذکرۃ العابدین، امداد العارفین	نذیر احمد دیوبندی	(دہلی ۱۳۳۳ھ)
تذکرہ کاملان رام پور	حافظ احمد علی شوق	(ہمدرد پریس، دہلی ۱۹۲۹ء)
تذکرۃ الکرام	شاہ محمد اکبر ابو العلائی داناپور	(نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۲۴ء)
تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین	مولوی زین العابدین	(مطبوعہ ۱۸۹۰ء)
تذکرۃ الواقعات (جوہر آفتابچی)	مترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق	(پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۵ء)
تزک جہانگیری	مرتبہ سر سید احمد خاں بہادر	(مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)
تقویم ہجری و عیسوی	ابو النصر خالدی	(انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۲ء)
خزینۃ الاصفیاء (دو جلد)	مفتی غلام سرور لاہوری	(نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۱۴ء)
خطوط غالب (جلد دوم)	غلام رسول مہر	(کتاب منزل، لاہور ۱۹۵۱ء)
خیر المجالس (ملفوظات شاہ نصیر الدین چراغ دہلی)	مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی	(علی گڑھ ۱۹۵۹ء)
دلیل العارفین	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	(مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء)
دیوان بیدار	مرتبہ جلیل احمد قدوائی	(ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد)
ذخیرۃ الخوانین (جلد اول)	از شیخ فرید بھکری مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق	(پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء)
ذکر خواجہ	مقبول احمد نظامی	(انسٹی ٹیوٹ پریس، علی گڑھ)
راجگان ہند (دو جلد)	حکیم مولوی نجم الغنی خاں رامپوری	(ہمدم برقی پریس لکھنؤ ۱۹۲۷ء)
رشحات	ملا حسین واعظ کاشفی	(نولکشور پریس لکھنؤ)
سبع سنابل	عبد الواحد بلگرامی	(مطبوعہ کانپور)
سفینۃ الاولیاء (فارسی)	شہزادہ دارا شکوہ	(نولکشور پریس، کانپور ۱۸۸۴ء)
سوانح خواجہ معین الدین چشتی رح	وحید احمد مسعود	(سلمان اکیڈیمی، کراچی ۱۹۶۱ء)
" " " مطبع اجمیر شریف		(صدر دفتر گلستان اشاعت کانپور)
سیر الاقطاب	شیخ الہدیہ	(نولکشور پریس، لکھنؤ)
سیر الاولیاء	محمد مبارک العلوی معروف بامیر خورد	(مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء)

سیر العارفین	حامد بن فضل اللہ جمالی	(مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء)
سیرت فریدیہ	سر سید احمد خاں بہادر	(مطبع مفید عام، آگرہ ۱۸۹۶ء)
علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول	مرتبہ محمد ایوب قادری	آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۰ء
فوائد الفواد (ملفوظات شاہ نظام الدین اولیاء)	امیر حسن سجزی	(نولکشور پریس، لکھنؤ)
قانون شیخ (جلد اول)	شیخ بو علی سینا	(مطبوعہ مصر)
قیصر التواریخ (دو جلد)	کمال الدین حسینی	(نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۰۷ء)
کتاب الہند	از البیرونی مترجمہ اصغر علی	(انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۲ء)
گلزار ابرار (اردو ترجمہ)	محمد غوثی مانڈوی	(مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۶ء)
گل رعنا	حکیم مولوی عبدالحی	(دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)
لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	(اردو مرکز، لاہور ۱۹۵۵ء)
مختصر سیر ہندوستان	حکیم محمد وحید اللہ بدایونی	(مطبع احمدی، ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء)
مرقع دہلی (نواب درگاہ قلی خاں)	(بہ تصحیح حکیم مظفر حسین)	(تاج پریس، حیدرآباد، دکن)
مراۃ الانساب	ضیاء الدین علوی	(رحیمی پریس سجے پور)
مضامین ذوقی	مرتبہ واحد بخش	(کراچی ۱۹۴۸ء)
معارج الولایۃ (دو جلد)	غلام معین الدین (قلمی مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، علیگڑھ)	
معین الارواح	محمد خادم حسن زبیری	(آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۵۳ء)
منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر بدایونی	(نولکشور پریس لکھنؤ)
مونس الارواح	جہاں آرا بیگم	(مملوکہ محمد ایوب قادری)
نفحات الانس	عبدالرحمن جامی	(نولکشور پریس، لکھنؤ ء)
واقعات اظفری	مرزا علی بخت ظہیر الدین	(مدراس ۱۹۳۶ء)
واقعات دار الحکومت (جلد دوم)	مولوی بشیر الدین احمد	(شمس پریس، آگرہ ۱۹۱۹ء)
وزیر نامہ	محمد امیر علی خاں	(مطبع نظامی، کانپور ۱۲۹۲ھ)
وقائع شاہ معین الدین چشتی	بابو لال	(نولکشور پریس لکھنؤ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء)
یادگار دہلی	سید احمد ولی اللہی	(مطبوعہ دہلی)
یورپ میں دکھنی مخطوطات	نصیر الدین ہاشمی	(شمس المطابع حیدرآباد دکن ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء)

اشاریہ

1. Annals and Antiquties of Rajasthan, by James Tod, 2 vols (London, 1914)
2. Guide to Dargah Khwajah Sahib, by Abdul Bari (Ajmer, 1950)
3. History of Afghanistan, by J. B. Malleson (London, 1878)
4. The Holy Biography of Hazrat Khwaja Muinuddin Hasan Chishti, by Mirza Wahiduddin Begg (Ajmer, 1960)
5. List of Muhammedan and Hindu Monumentes vol. I, (Calcutta, 1916)
6. A Memoir of Central India, by Sir John Malcolm, 2 vols. (London, 1832)
7. Reports of a Tour in Bundelkhand and Rewa in 1883-84, and of a Tour in Bujdelkhand, Malwa and Gwalior in 1884-85, by A. Cunningham. (Calcutta, 1885)
8. Report of a Tour in Eastern Rajputana in 1882-83, by A. Cunningham. (Calcutta, 1885).

وقائع نصیر خانی

مترجمہ و مرتبہ

محمد ایوب قادری

سنہ ۱۹۶۱ء

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی

وقائع نصیر خانی

(نگینہ انگشتری سلیمانی)

مرزا نصیر الدین محمد نبیرہ مولوی عبد القادر خاں کے خود نوشت حالات

معہ ضروری حواشی و تعلیقات

۱۹۶۱ء

مترجمہ و مرتبہ

محمد ایوب قادری

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

سنہ ۱۹۲۱ء

فہرست مضامین

ابتدائیہ

(از محمد ایوب قادری بی۔ اے)

مرزا نصیر الدین بن مرزا عبد الہادی، مولوی عبد القادر خاں کے حقیقی پوتے ہیں انہوں نے اپنے دادا کی پیروی میں اپنے خاندان کے حالات معہ خود نوشت سوانح "نگینہ انگشتری سلیمانی" کے نام سے فارسی زبان میں لکھے ہیں نام تاریخی ہے جس سے سنہ ۱۳۱۷ھ نکلتے ہیں ہم نے نگینہ انگشتری سلیمانی کا اُردو ترجمہ "وقائع نصیر خانی" کے نام سے مرتب کیا ہے۔

مرزا نصیر الدین ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے مرزا صاحب نے ملازمت سے پنشن پانے کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں یہ حالات قلم بند کئے ہیں بظاہر یہ کتاب مرزا کے خاندان اور ذاتی حالات پر مشتمل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں اٹھارھویں صدی عیسوی کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات کی صاف جھلک نظر آتی ہے۔

مرزا نصیر الدین کا خاندان ما ورا النہر سے آخر عہد مغلیہ میں ہند پاکستان آیا اس زمانے میں سیاسی ابتری اور انتشار عام تھا جاگیر دارانہ نظام دم توڑ رہا تھا۔ امراء اور رؤسا، نان شبینہ کو محتاج تھے۔ دہلی کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی صوبہ دار خود سر تھے۔ سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے ادھم مچا رکھا تھا ان سب پر مستزاد ایسٹ انڈیا کمپنی کا سیاسی غلبہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا ملک کا سیاسی و معاشی ڈھانچہ یکسر بدل چکا تھا۔

اس خاندان کے بعض اراکین قاسم علی خاں والا جاہ اور رؤسا رام پور سے وابستہ رہے لیکن ظاہر ہے کہ ان خانوادوں میں کسی کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہ تھی قاسم علی خاں تو ایک شعلۂ مستعجل تھا۔ آخر اس خاندان کے ہوشمند اور عاقبت اندیش اراکین انگریزی حکومت کی ملازمتوں سے

وابستہ ہو گئے۔ اپنے فرائض منصبی کو باحسن وجوہ انجام دیا اور انگریزی حکومت کے بندوبست اور نظام کو چلانے میں بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اس خاندان کے اکثر اراکین ایسٹ انڈیا کمپنی کے وفادار و کارپرداز رہے خود مرزا نصیر الدین اور ان کے بڑے بھائی مرزا نظام الدین نے انقلابیوں سے اکثر مقابلے کئے جن کی تفصیل کتاب میں ملے گی۔

وقائع نصیر خانی سے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے متعلق بعض نئی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ انگریزوں کی بربریت اور مظالم کا اکثر ذکر ملتا ہے۔ مجاہدین اور انقلابیوں مثلاً شہزادہ فیروز شاہ اور شہزادہ کریم الشجاع کے متعلق بعض خاص معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ سرسید احمد خاں بہادر (مولف سرکشی ضلع بجنور) پر بھی بعض جگہ تعاقب کیا ہے اور بجا کیا ہے۔ مرزا صاحب نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلق مستقل ایک کتاب "سانحہ غدر" کے نام سے لکھی ہے جس میں ۱۸۵۷ء کے حالات شرح وبسط سے تحریر کئے ہیں۔

مرزا نصیر الدین نے آخر میں اپنے خاندان پر تبصرہ کیا ہے۔ اور بعض کمزوریوں کی طرف بھی نشاندہی کی ہے جس سے ان کی اس تحریر کا وزن کافی بڑھ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اٹھارھویں صدی میں کم و بیش تمام سوسائٹی کا یہی حال تھا شطرنج بازی اور کبوتر بازی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مرزا نصیر الدین ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے مروجہ تعلیم صرف و نحو، منطق اور عربی و فارسی کی تحصیل کی بیس سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے ۱۸۵۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا ۱۸۵۵ء میں اودھ کا الحاق انگریزی حکومت میں ہوا۔ مرزا نصیر الدین کچھ دنوں لکھنؤ میں سررشتہ دار رہے ۱۸۵۶ء میں یہ محکمہ تخفیف میں آگیا اور مرزا نصیر الدین دہلی پہونچے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہو گیا مرزا نصیر الدین نے دہلی کے غدر کے کوائف و حالات لکھ کر اپنے والد مرزا عبدالہادی تحصیلدار کو بھیجے وہ تحریر راستہ میں پکڑی گئی مرزا نصیر الدین شاہی معیوب قرار پائے۔ نیمچ کا کمپو جب دہلی پہونچا اور شہر کے دروازے کھلے تو مرزا نصیر الدین دلی سے نکل بھاگے اور لکھنؤ پہونچے۔ وہاں انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ مرزا صاحب کے بڑے بھائی مرزا نظام الدین انگریزوں کی طرف سے اودھ کے بعض اضلاع کا انتظام کر رہے تھے مرزا نصیر الدین کو بھی

دریاباد کا تحصیلدار مقرر کر دیا تھا مگر انقلابیوں کی مستقل سرگرمیوں کی وجہ سے انہیں دریاباد تک پہونچنا نصیب نہ ہوا آخر لکھنؤ سے آگرہ پہونچے۔ آگرہ میں حاکم عدالت دیوانی (صدر) سے ملے اور باقاعدہ انگریزی ملازمت میں منسلک ہو گئے۔ اول پیشکار پھر نائب تحصیلدار اور آخر میں تحصیلداری تک ترقی کی۔ روہیل کھنڈ کے مختلف اضلاع میں تحصیلدار رہے۔ ۱۸۹۱ء میں پنشن یاب ہوئے۔ اس کے بعد دھام پور میں جسٹرار اور پھر ریاست شاہی پور میں مہتمم رہے۔ ۱۹۰۹ء میں ستر سال سے زیادہ عمر پاکر مرادآباد میں انتقال ہوا۔

مرزا نصیر الدین صاحبِ تصانیف ہیں۔ شعر بھی کہتے تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں ان سے یادگار رہیں :-

(۱) جغرافیہ تاریخ نما۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں پہلے حصے میں دیس کا حال ہے۔ دوسرے حصے میں جنگلات کا بیان ہے۔ تیسرے حصّہ میں نجیب الدولہ کے خاندان کے تاریخی حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔

(۲) تشریح الاقوام یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ اقوام ہنود سے متعلق ہے اور دوسرے حصے میں مسلمانوں کا بیان ہے۔

(۳) سدا سہاگ ۱۸۹۹ء میں مدرسہ نسواں کے لئے یہ کتاب لکھی گئی اس کتاب پر گورنمنٹ کی طرف سے مؤلف کو انعام بھی ملا۔ کتاب چھپ چکی ہے۔

(۴) سانحہ غدر مرزا نصیر الدین نے غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ اسکا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری (علی گڑھ) میں موجود ہے

(۵) رسالہ ولایت چنان قوم چنان کے کچھ خاندان تحصیل گنور ضلع بدایوں میں آباد ہیں۔ نصیر الدین نے باشندگان گنور کی فرمائش پر اس قوم کے تاریخی واقعات اس رسالہ میں لکھے ہیں

(۶) کیفیت سیلاب گنور ۱۸۸۰ء میں گنور میں بردست سیلاب یا اس طوفان کی تباہ کاریوں کا مفصل ذکر اس رسالہ میں تحریر ہے۔

(۷) تجیب التواریخ امیرالامراء نواب نجیب الدولہ اور اس کے خاندان کے مفصل حالات لکھے ہیں اس کتاب کے قلمی نسخے مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

(۸) دانش نامہ علیل — مرزا نصیر الدین نے خالق باری کے طرز پر یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے اس کے شروع کے چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

اوّل پہلا واحد ایک — اعلیٰ برتر اچھا نیک
خالق پیدا کرنے والا — خائف بندہ ڈرنے والا
نبی پیام سنانے والا — ہادی راہ بتلانے والا
مذہب ملت دین اسلام — سب سے بہتر خیر الا نام
آرسی کو آئینہ جانو — بلد شہر مدینہ جانو

(۹) کلام علیل — کہا جاتا ہے کہ مرزا نصیر الدین کو مرزا غالبؔ سے تلمذ تھا علیل تخلص کرتے تھے ان کا متفرق کلام مولوی وحید احمد مسعود صاحب کے پاس محفوظ ہے۔[1]

(۱۰) تضمین قصیدہ محسن کاکوروی۔ محسن کاکوروی کے مشہور قصیدہ

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

پر مرزا نصیر الدین نے تضمین کی ہے یہ تضمین بھی طبع ہو چکی ہے

(۱۱) وقائع نصیر خانی — مرزا نصیر الدین نے اپنے خاندان کے حالات معہ خود نوشت سوانح "نگینہ انگشتری سلیمانی" کے تاریخی نام سے لکھے ہیں جن کو ہم "وقائع نصیر خانی" کے نام سے شائع کر رہے ہیں یہ کتاب فل اسکیپ سائز کے دو سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں تقریب پچاس صفحات کے اندر تیمور گورگانی۔ مرزا شاہ رخ اور مرزا حسین وغیرہ کی کشورکشائی اور جنگوں کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ ہم نے اس حصہ کو حذف کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ حالات کتب تاریخ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔ مرزا احمد محدث سے اس خاندان کا تعلق بر صغیر ہند پاکستان میں شروع ہوا۔ در اصل وہ اس خاندان کے ہند پاکستان میں "آدم ثانی" ہیں۔ ان ہی کے حالات سے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض جگہ مولف نے تکرار اور اعادہ کیا تھا ان مقامات کو حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض باتیں غیر متعلق جگہ مولف نے لکھدی ہیں ان کو تسلسل قایم رکھنے کے لئے متعلقہ بیان کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے۔ خود مولف نے بھی

---

[1] یہ خاندانی روایت ہے۔ مکتوب مولوی وحید احمد مسعود مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء بنام محمد ایوب قادری

بھی لکھا ہے کہ یہ بات متعلقہ مقام پر مجھ سے سہو ہو گئی ہے لیکن اس قسم کی تبدیلی دو چار جگہ سے زیادہ نہیں ہوئی ہے۔

وقائع نصیر خانی کا مصنف کے ہاتھ کا تحریر کردہ نسخہ مولوی وحید احمد مسعود رئیس شیخوپور بدایوں سے ہمیں ملا ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ مولوی وحید احمد مسعود صاحب کو مرزا نصیر الدین کی حقیقی بھتیجی صفیہ بیگم بنت مرزا محمد تقی منسوب ہیں وقائع نصیر خانی نہایت بوسیدہ کاغذ پر خط شکست میں لکھی ہوئی ہے اس کے ساتھ آب رسیدہ بھی ہے اس کے پڑھنے میں اور ترجمہ کرنے میں جو دقت ہوئی ہے اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو خود اس طرح کے کام کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔

آخر میں جناب ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صدر شعبۂ اردو (کراچی یونیورسٹی) اور پیر حسام الدین صاحب راشدی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی بزرگانہ شفقت اور ہمت افزائی میرے شامل حال رہی۔

محمد ایوب قادری

۲۰ راگست ۱۹۶۱ء مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ یکشنبہ

۱۴۱ وحید آباد۔ کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنام خداوند یزدان پاک — کہ حکمش رواں از سمک تا سماک
فرازندۂ ایں فروزیں سپہر — فروزندۂ اختر و ماہ و مہر
زمیں آفرید و زماں آفرید — بعالم مکین و مکاں آفرید
رواں داد او پیکرِ خاک را — عطا کرد پس عقل و ادراک را
عطا کرد از بخششِ بے کراں — دہاں را زبان و زباں را بیاں
ہمہ چیز از نور او فیض یاب — چو ہر ذرّہ از تابش آفتاب
پئے امتحاں نیک و بد آفرید — سرِ رشتے بسر چوں خرد آفرید
ز ہر دانہ چوں شاخ سر بر کشد — گواہی بتوحید او می دہد
بکنہش سروشش خرد پے نبرد — بپوئید بسیار آخر بمرد
الف را عدد یک بود در شمار — شمار عدد بود یک تا ہزار
جزاو بیش ازو بے نباشد عدد — گواہی بتوحید او می دہد
ازاں برتر است او کہ گردد رقم — کند سر بسجدہ ثنائش قلم
اگر عمرہا صرف حمدش بود — نہ یک دانہ از خرمنش کم شود
ہمیں بہ کہ الحاح و زاری کنم — پئے مغفرت انکساری کنم

سلسلہ خاندان تیموریہ

نمبر شمار	اسماء	تاریخ پیدائش	سال وفات	جائے سلطنت وطن	مدت عمر
۱	قطب الدین امیر تیمور گورگاں صاحبقران	سنہ ۷۳۶ھ ۱۳۳۵-۶ء	سنہ ۸۰۷ھ ۱۴۰۴-۵		۷۱ سال
۲	جلال الدین میراں شاہ	سنہ ۷۶۹ھ ۱۳۶۷-۸ء	سنہ ۸۱۰ھ ۱۴۰۷-۸ء	سمرقند	۴۱ "
۳	سلطان محمد مرزا	سنہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	سنہ ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء	قندھار	۶۵ "
۴	سلطان ابوسعید مرزا	سنہ ۸۳۰ھ ۱۴۲۶-۷ء	سنہ ۸۷۳ھ ۱۴۶۸-۹ء	"	۴۳ "
۵	سلطان محمود مرزا	سنہ ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء	سنہ ۹۰۸ھ ۱۵۰۲-۳ء	سمرقند	۵۳ "
۶	خان مرزا	سنہ ۸۶۹ھ ۱۴۶۴ء	سنہ ۹۳۰ھ ۱۵۲۳-۴	بدخشاں۔ کابل۔ غزنیں	۶۱ "
۷	سلیمان مرزا	سنہ ۹۱۰ھ ۱۵۰۴-۵ء	سنہ ۹۹۷ھ ۱۵۸۸-۹ء	بدخشاں	۸۷ "
۸	ابراہیم مرزا	سنہ ۹۴۱ھ ۱۵۳۴-۵ء	سنہ ۹۶۷ھ ۱۵۵۹-۶۰ء	صوبہ کولاب	۲۶ "
۹	مرزا شاہ رُخ	سنہ ۹۵۹ھ ۱۵۵۲ء	سنہ ۱۰۱۵ھ ۱۶۵۶-۸ء	بدخشاں بعدہٗ مالوہ	۵۶ "
۱۰	مرزا حسین	سنہ ۹۸۲ھ ۱۵۷۴-۵ء	سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷-۸ء	کوہ خنجران و آندرابی وطن	۸۹ "
۱۱	مرزا قیاکش	سنہ ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۲ء	سنہ ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۴-۵ء	"	۵۵ "
۱۲	مرزا عبداللہ	سنہ ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰-۱ء	سنہ ۱۰۸۸ھ ۱۶۷۷ء	"	۴۸ "
۱۳	مرزا ابراہیم مسعود	سنہ ۱۰۶۱ھ ۱۶۵۱ء	سنہ ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء	"	۶۴ "
۱۴	مرزا اسحاق	سنہ ۱۰۹۱ھ ۱۶۸۰ء	سنہ ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶-۷ء	"	۴۸ "
۱۵	مرزا احمد (محدث)	سنہ ۱۱۱۰ھ ۱۶۹۸-۹ء	سنہ ۱۱۷۲ھ ۱۷۵۸-۹ء	وطن دہلی	۶۲ "
۱۶	مرزا محمد اسلم	سنہ ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷-۸ء	سنہ ۱۱۷۷ھ ۱۷۶۳-۴ء	دہلی و مراد آباد	۳۷ "
۱۷	مرزا محمد اکرم آشنا	سنہ ۱۱۷۴ھ ۱۷۶۰-۱ء	سنہ ۱۲۳۲ھ ۱۸۱۷ء	رام پور	۵۸ "
۱۸	مرزا مولوی عبدالقادر	سنہ ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۰-۱ء	سنہ ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۹ء	"	۷۰ "
۱۹	مرزا عبدالہادی	سنہ ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء	سنہ ۱۲۸۷ھ ۱۸۷۰ء	مراد آباد	۶۹ "
۲۰	مرزا نصیر الدین محمد (مولف)	سنہ ۱۲۵۲ھ	سنہ ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۹ء	"	۷۴ "

مرزا احمد محدث ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء میں ملک اسحاق کا وصال ہوا اس وقت ان کے صاحبزادے مرزا احمد اصفہان میں حدیث پڑھتے تھے وہاں حالات مناسب نہ دیکھے نادر گردی کا زمانہ تھا مرزا احمد شیخ علی حزیں کے قافلہ کے ہمراہ عازم ہندوستان ہوئے محمد شاہ کے اوائل زمانہ میں ہندوستان پہونچے کوئی ان کا پوچھنے والا نہ تھا جو پاس تھا وہ کھا ڈالا آخر مدرسہ غازی الدین میں مدرس اور پیش امام مقرر ہو گئے۔ مولوی نذر محمد مدرس اور مرزا جان متولی سے دوستانہ تعلقات ہو گئے اور ایک برلاس لڑکی سے عقد ہو گیا ان کے تین بیٹے محمد اعظم، محمد معظم اور محمد اسلم ہوئے۔ تینوں کو انھوں نے پیشہ سپہ گری سکھایا۔ محمد اعظم، نظام الدین اولیا کے راستے میں گھوڑے سے گر کر فوت ہو گئے۔ محمد معظم دکن چلے گئے پھر پتہ نہ چلا مرزا اسلم نے تمام زندگی والد کے پاس گزاری[1]۔

مرزا محمد اسلم سپہ سالار قاسم علی خاں عالی جاہ مرزا اسلم کی شادی خواجہ محمد امین پسر خواجہ اسحاق کی صاحبزادی سے ہوئی جو اسی زمانے میں دہلی میں آئے تھے۔ اس وقت دہلی ایران و نیمروز کے مسلمانوں اور دکن کے کافروں کے ہاتھ سے تباہ ہو رہی تھی اس لئے مرزا اسلم اپنے بیوی اور ہفت سالہ پسر محمد اکرم کو دہلی چھوڑ کر بنگالہ قاسم علی خاں عالی جاہ کے لشکر میں پہونچے اور وہاں حیثیت پیدا کر لی گھر والوں کو لکھا کہ نامہ بر کے ہمراہ یہاں آ جاؤ اہل خاندان مراد آباد تک پہونچ گئے کہ قاسم علی خاں کا معاملہ بگڑ گیا۔ پھر لکھا کہ جہاں ہو وہیں ٹھہرو اور آگے مت بڑھو۔ مرزا اسلم نے جو کچھ حاصل کیا تھا قاسم علی خاں کی شکست کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ بڑی مشکل سے بریلی پہونچے سرائے میں ٹھہرے۔ عسرت و افلاس کے علاوہ بیماری نے آ دبایا۔ اس حالت میں دہلی کے ایک سوداگر کے لڑکے نے دیکھ کر کہا کہ آپ کے بیوی بچے مراد آباد میں ہیں آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اس نے اپنی گاڑی میں بٹھا کر مراد آباد پہنچایا وہیں مرزا اسلم کا انتقال ہوا اور طویلہ سید احمد کے متصل قبرستان میں دفن ہوئے[2]۔

میں (مرزا نصیر الدین) نے مدتوں تاریخ کی کتابوں مثلاً سیر المتاخرین وغیرہ میں مرزا اسلم کے واقعات تلاش کئے مگر مجھے نہیں ملے۔ اتفاق سے ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں چھبرامئو (ضلع فرخ آباد) میں تقرر ہوا۔ یہ مقام

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول مرتبہ محمد ایوب قادری صفحہ ۴۲-۴۸

[2] ملاحظہ ہو (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول صفحہ ۴۸-۴۹

ذی علم حضرات کا قدیم مسکن ہے، وہاں کے مشہور شخص میر بہادر علی کے کتب خانہ سے میر سلامت علی کے ذریعہ سے جو میر بہادر علی کے لڑکے یا بھتیجے تھے ایک کتاب ملی اس کا نام "بہار ہند" ہے۔ یہ ایک نظم (ضمیمہ شاہنامہ) ہے، اس کے مصنف منشی امر سنگھ ہیں جو حکومت اودھ سے وابستہ تھے اور شاہ عالم ثانی اور آصف الدولہ وزیر الممالک کے عہد میں تھے (منشی امر سنگھ) کا سُستھرے تھے اور اس زمانے کے مطابق فارسی کا مذاق رکھتے تھے انہوں نے شاہنامہ کے اس ضمیمہ میں جس کا نام "بہار ہند" رکھا ہے۔ ہندوستان کے تمام بادشاہوں کے حالات شاہ عالم ثانی ابن عالمگیر ثانی سنہ ۱۲۱ھ / ۱۷۹۶ء تک نظم میں لکھے ہیں انہوں نے مرزا اسلم کے متعلق جو لکھا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

فرستاد قاسم ہجوم سپاہ ۔۔۔ شد از فوج انگریز پیکار خواہ
سپہبد ہماں اسلم نامجو ۔۔۔ قراچار بر لاس فرخندہ خو
یکے حملہ آورد چوں شیر نر ۔۔۔ بیک تاختن بنمود زیر و زبر
ز شمشیر او سخت افتاد جنگ ۔۔۔ شدہ حالت دشمناں خوار و تنگ
سپہدار انگریز از ترس جاں ۔۔۔ در آورد گردوں آتش فشاں
ز آتش فشانی ز فوج فرنگ ۔۔۔ شدہ کار بر مردم ہند تنگ
فتاد اسلم از اسپ زخمی فرود ۔۔۔ ہمہ فوج او شد گریزاں بزود
شکستے با فواج قاسم رسید ۔۔۔ بہ افلاک انگریز رایت کشید
دگر جنگ صعبے کہ شد او بکار ۔۔۔ ز میداں شدہ فوج قاسم فرار
سپس مورچل، خاں قاسم بہ بست ۔۔۔ لبے ودا آو بوہ سپاہش نشست
سپاہے ز انگریز آنجا رسید ۔۔۔ تہ برق بند و قہا کشش کشید
نہ آں مورچل ماند و نے آسماں سپاہ ۔۔۔ ہمہ گشت از ضرب گولہ تباہ
سواراں چو آہو گریزاں شدند ۔۔۔ پیادہ جواناں چو مرغاں شدند
ازاں حال آں میر والا خطاب ۔۔۔ بمغرب رواں گشت چوں آفتاب
بہ پٹنہ کہ باشد حصار بزرگ ۔۔۔ پدید آمدہ کارزار بزرگ

زنازک دلی مضطرب شد امیر　　بدل کرد رو پیش شاہ و وزیر
دلیران انگہ بزنصرت سوا　　گرفتند آں رفتہ پٹنہ را
گرفتہ بسے قرضہ سیم و زر　　وز آنجا بمغرب شدہ رہ سپر

نظم بہار ہند سے اُسی قدر حصہ نقل کیا گیا ہے جس سے مرزا اسلم کے زمانے کی مطابقت ہوتی ہے۔

مرزا محمد اکرم آشنا مرزا محمد اکرم کی پیدائش دہلی میں ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰-۱ء میں اس زمانے میں ہوئی۔ جب احمد شاہ دُرانی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں سے جنگ کی تھی اور ۱۱۸۴ھ یا ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۰ء یا ۱۷۷۵-۶ء میں ۱۰ یا ۱۵ سال کی عمر میں مراد آباد پہنچے اسی زمانے میں ان کے والد مرزا محمد اسلم نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کی شکست کے بعد تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر مراد آباد پہنچے اور کم و بیش چھ ماہ زندہ رہے اور پھر مر گئے۔ گورستان طویلہ سید احمد (مراد آباد) میں دفن ہوئے۔

مرزا محمد اکرم کی والدہ اپنی بڑی بہن جو مولوی محمد مقیم کی بیوی تھیں کے پاس رام پور چلی گئیں مولوی محمد مقیم نواب فیض اللہ خاں والیِ رام پور کے صاحبزادوں کے اتالیق تھے انہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی مرزا محمد اکرم والیِ ملک (نواب فیض اللہ خاں) کی نظر عنایت سے صاحبزادہ ممدوح (نظام علی خاں) کی مصاحبت میں رہے سرکار کی طرف سے وظیفہ مقرر ہو گیا۔ مدت العمر فارغ البالی کے ساتھ رام پور میں نوابانہ و امیرانہ زندگی بسر کر دی، ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶-۱۷ء میں حکم اجل آ گیا ۵۸ سال کی عمر میں اس دارِ ناپائیدار کو چھوڑا اور رام پور میں شاہ عبد اللہ بغدادی کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

ایک بہت بوڑھے شخص مصطفےٰ خاں کی زبانی میں نے سُنا ہے کہ مرزا محمد اکرم قد آور، خوش رو صاحبِ جمال اور تن و توش کے مالک تھے۔ مرزا رفیع سودا میر تقی خواجہ میر درد اور مصحفی کے ہمعصر تھے۔ آشنا تخلص کرتے تھے۔[1]

اولاد مرزا محمد اکرم مرزا محمد اکرم کی پہلی بیوی مرزا غلام مصطفےٰ بن مرزا جیون (ساکن مراد آباد) کی لڑکی تھیں

---

[1] ملاحظہ ہو (۱) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول ص ۴۹۹-۵۰۰ (۲) انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی ص ۳ مطبع المطابع لکھنؤ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

جن سے ایک فرزند مولوی عبدالقادر اور ایک صاحبزادی امۃ الفاطمہ پیدا ہوئیں۔

مرزا مرحوم کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں اشرف بیگم کے بطن سے پیدا ہوئیں جو میر حیدر خاں مغل چغتائی کاشغری (قاتل امیر الامراء سید حسین علی خاں محمد شاہی) کی پوتی تھیں۔ مولوی مرزا غلام ناصر جو بعد کو محمد ناصر کے نام سے مشہور ہوئے (۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸-۸۹ء) میں پیدا ہوئے اور مرزا غلام باسط (۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲-۹۳ء) میں پیدا ہوئے (۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴-۹۵ء) میں فاطمہ بیگم اور (۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶-۹۷ء) میں امینہ بیگم لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

مرزا محمد اکرم کی ایک بیوی بھڑیچ (افغان) تھیں ان کے کوئی اولاد نہ تھی مدتوں زندہ رہیں۔ "چینی کی بیوی" کے نام سے مشہور تھیں نہایت بدمزاج اور تندخو تھیں کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتی تھیں چینی نام کی ایک خادمہ تھی (اسی کی نسبت سے چینی کی بیوی کہلاتی تھیں) ان کا کام اعزہ پر لعن وطعن وملامت کرنا یا زجہد تو پیچ کرنا ہوتا تھا یا پھر مصلے اور تسبیح سے واسطہ تھا۔

مولوی عبدالقادر غمگین

مرزا محمد اکرم کی شادی مرزا غلام مصطفےٰ ولد مرزا جیون کی لڑکی سے ہوئی تھی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکا ۱۱۹۶ھ میں رام پور میں پیدا ہوا۔ مولوی جمال الدین لاہوری[1] نے اس لڑکے کا نام عبدالقادر اور اقربا نے غلام قادر نام رکھا نواب غلام قادر خاں کے اقبال وترقی کی وجہ سے کہاسے یکایک سلطنتِ دہلی پر کامل تسلط حاصل ہوگیا تھا اکثر لوگ اس زمانہ میں بطور شگون اور اقبال مندی کے لڑکوں کا نام غلام قادر رکھتے تھے

ابتدائی حالات

عبدالقادر نے سات سال کی عمر میں کلام مجید۔ گلستاں۔ بوستاں اپنی دادی سے پڑھا۔ اس کے بعد علوم صرف ونحو ومعقول ومنقول وحکمت مفتی مولانا شرف الدین لاہوری[2] سے حاصل کئے۔ ذہانت اور جودت طبع کی وجہ سے تمام اپنے ہم سن اور ہم سبق طلباء سے سبقت لے گئے اور چودہ سال کی عمر میں دستارِ فضیلت بندھ گئی۔ سولہ سال کی عمر میں دہلی پہونچے دائرہ مہندی دہلی کی جامع مسجد میں شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ سے فصب ہے مولانا شاہ عبدالعزیز

---

[1] مولوی جمال الدین لاہوری المتوفی ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء ملاحظہ ہو علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص۹

[2] مفتی شرف الدین المتوفی ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص۹-۱۸

کی معیت میں دائرہ کے صحیح نہ ہونے کو اس زمانے کے علماء کو تسلیم کرایا۔[1]

آغازِ ملازمت

مولوی عبدالقادر ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء میں مراد آباد پہونچے۔ انگریز حکام سے ملاقات کی۔ وہ لوگ اس زمانے میں اس ملک (روہیل کھنڈ وغیرہ) کے انتظامِ جدید میں معروف تھے جوان کو نواب سعادت علی خاں وزیر الممالک سے ملا تھا وہ حکام، شریف پرور تھے اور کسی ایسے لائق شخص کے متلاشی تھے جو عربی، فارسی اور نوشت و خواند میں کامل استعداد رکھتا ہو۔ مولوی عبدالقادر نے کچھ مدت بطور امیدوار کوہستان الموڑہ اور نینی تال کی سیر میں صاحبزادہ عنایت اللہ خاں ولد نواب فیض اللہ خاں کی وکالت کے سلسلے میں گزاری ریاست رام پور سے وظیفہ اور تنخواہ مقرر ہو گئی تھی۔

اس کے بعد پہلی مرتبہ ٹھاکردوارہ (ضلع مراد آباد) کی تھانہ داری پر مقرر ہو گئے۔ پھر امروہہ کے کوتوال مقرر ہوئے۔ مشہور ڈاکو گلاب خاں میواتی کو جس نے ضلع مراد آباد میں تہلکہ اور زلزلہ ڈال رکھا تھا رہائی اور معافی قصورات کے وعدہ پر گرفتار کیا اس کی گرفتاری سے پہلے اس بات سے حاکم ضلع کو مطلع کر دیا تھا اور اس سے معافی وغیرہ امور کے متعلق اجازت لے لی تھی۔ گلاب خاں کو حاکم ضلع کے روبرو حاضر کیا۔ مگر حاکمِ ضلع کی وعدہ خلافی کی وجہ سے کوتوالی کے عہدہ سے استعفا دے دیا کیونکہ حاکم ضلع نے (گلاب خاں) کی حاضری کے بعد اس کے پیروں میں بیڑی ڈالنے کا حکم دے دیا۔

ایفاءِ وعدہ کی ایک عجیب و غریب مثال

مولوی عبدالقادر اپنے خرچ سے گلاب خاں مذکور کی پیروی کے لئے کلکتہ روانہ ہوئے اس زمانے میں راستہ خام اور خطرناک تھا۔ مولوی عبدالقادر نے کلکتہ کے لارڈ بشپ سے بے غرضانہ اور دوستانہ ربط اس قدر بڑھایا کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھا جب اس کو اپنے متوجہ حال دیکھا تو اپنا دلی مقصد اس پر ظاہر کر دیا باوجود اس قدر اعزاز و حکومت کے حاکم ضلع کی وعدہ خلافی کا ذکر، ملزم مذکور سے شرم و ندامت کی وجہ سے اپنی ملازمت کا چھوڑنا، رہائی کے وعدے کی پیروی کے لئے آنا اور اس کے گاؤں موضع پیرہ (پرگنہ حسن پور) ضلع مراد آباد کی زمینداری دینے کے وعدہ کا تفصیلی ذکر کیا۔

---

[1] مولوی عبدالقادر نے وقائع عبدالقادر خانی میں جامع مسجد دہلی کے دائرہ ہندی پر تفصیل سے بحث کی ہوگی انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی معیت میں علمائے دہلی سے دائرہ ہندی کی غلطی تسلیم کرائی ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۲۱۳-۲۱۶

لارڈ بشپ نے حاکم (کلکٹر مراد آباد) کی وعدہ خلافی پر کراہیت کے ساتھ مذاکرہ کیا (اور اس کو نفریں کی) کیونکہ وہ اپنے عقائد کی رو سے خود کو راست باز اور اپنے مذہب کو حق سمجھتا تھا اور وعدہ کیا کہ جب اتوار کو نواب گورنر جنرل عبادت کے لئے گرجا میں معہ دوسرے ارکانِ دولت کے آئیں گے تو اس روز میں ان سے تذکرہ کردوں گا اور تم کو بھی پیش کردوں گا تم گرجا کے پاس کھڑے رہنا القصہ لارڈ بشپ نے عبادت کے بعد جس قدر وہ کر سکتے تھے اس سے زیادہ کہا اور کہا کہ افسوس ہے کہ ایک غریب ہندوستانی نے اپنے کئے ہوئے وعدے کی تکمیل کے لئے اپنی ملازمت کو چھوڑ دیا اس قدر مسافت، ہزار دشواری، تکلیف اور زیر باری سے خود کو یہاں تک پہونچایا اور حاکمِ ضلع کو محض اعزاز و ناموری کے طمع کی وجہ سے ڈاکو کی گرفتاری کے بعد اپنی بات کا پاس اور وعدہ کا لحاظ نہ رہا اور ان (مولوی عبدالقادر) کو گورنر جنرل کے روبرو پیش کیا۔

(مولوی عبدالقادر) کے علم و فضل اور شرافت کی بہت تعریف کی خود تمام ماجرا کہا اور ان کی زبان سے اس کی تصدیق کرائی۔ ان کی گفتگو کا ترجمہ انگریزی میں گورنر جنرل سے کیا۔ گورنر جنرل نے فرمایا کہ یادداشت لکھی جائے۔ اور گلاب خاں کی رہائی کا حکم بیرہ کی زمینداری کے ساتھ اس شرط پر کہ وہ آئندہ امن و امان برقرار رکھے گا گلاب خاں اور اس کی اولاد کو بھیجدی جائے گی مولوی عبدالقادر عدالت گستری کے شکریہ میں سلام نیازمندی نواب گورنر جنرل کے حضور میں بجا لائے اور لارڈ بشپ کے ذریعے سے استدعا کی کہ اس (گلاب خاں) کی رہائی اور عطائے زمینداری کا حکم میرے حوالہ فرما دیا جائے تاکہ اس طویل مسافت کے صلہ میں حاکم ضلع کے روبرو (اس حکم کو) پہنچاؤں ان کی یہ درخواست منظور ہوئی اور کلکتہ سے روانہ ہو کر مراد آباد پہونچے۔

گھر پہنچنے سے پہلے اسی غبار آلود چہرہ اور سفر کے کپڑوں کے ساتھ جو تمام تر میلے اور گندے تھے صاحب مجسٹریٹ کی کوٹھی پر پہنچے پہلے مراد آباد میں انگریزی کوٹھی ــــــــــــــــ ہم کوٹھی نفٹر صاحب" کے نام سے مشہور تھی۔ اور اطلاع کرائی کہ امروہہ کا سابق کوتوال گورنر جنرل کی بیٹھک سے ایک حکم لایا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے آپ (مجسٹریٹ) کو دوں گا۔

حاکمِ ضلع یہ سن کر فوراً برآمد ہوا انہوں نے اس کو چٹھی دی جیسے ہی اس نے چٹھی کھولی اسکے

چہرہ کا رنگ زرد پڑگیا اور جسم کانپنے لگا فوراً سوار کو دوڑایا کہ قید خانہ پہونچکر گلاب خاں کو جیلر اور لوہار کے ہمراہ لائے چنانچہ فوراً قیدی لایا گیا اس کی بیڑیاں کاٹ دی گئیں اور گلاب خاں کا ہاتھ ان (مولوی عبدالقادر) کے ہاتھ میں دے دیا، پیرہ کی زمینداری کا مژدہ اس شرط کے ساتھ گلاب خاں کو سنایا کہ آئندہ لوٹ مار چھوڑے امن قایم رکھے اور اپنی برادری (میواتیوں) کے حسن عمل کی ذمہ داری لے کوتوال صاحب (مولوی عبدالقادر) کو تمام تنخواہ جس روز سے وہ مستعفی ہوئے تھے اس روز تک دلائی اور آئندہ نوکری کرنے یا نہ کرنے کا ان پر اختیار چھوڑ دیا۔

اس زمانہ میں سرکار کمپنی کی ابتدائی عملداری ہوئی تھی کسی قانون اور آئین پر عمل نہ تھا نہ آج کل کے لوگ اس زمانہ کے لوگوں کی طرح ہیں اور نہ آج کل کے حاکم اس زمانے کے حاکموں کی طرح ہیں پس جو کچھ ہو گیا اس زمانہ میں ممکن نہیں ہے۔

گلاب خاں کی رہائی کا قصہ مدتوں لوگوں کی زبان پر جاری رہا ان میں اکثر اشخاص کو میں نے اپنے عہد شعور میں پایا تھا اور ان سے سنا تھا میں نے اپنے والد (مرزا عبدالہادی) سے بھی اس قصہ کو بارہا سنا ہے سبحان میواتی زمیندار پیرہ سے بھی اس زمانہ میں سنا جب میرے والد (۱۸۳۰ء) ایمن پور کے تحصیلدار تھے اور میں مکتب میں جاتا تھا میری عمر قریب ۱۴ سال کے تھی۔[۱]

دیگر ملازمتیں اس کے بعد میرے دادا (مولوی عبدالقادر) مدتوں ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کے میر منشی کے عہدے پر ریذیڈنٹ صاحب کی ماتحتی میں رہے۔ مفتی و صدر امین کے علاوہ خواجہ معین الدین چشتی رح کی درگاہ (واقع اجمیر) کے امین رہے۔ نمک کی کانوں کا انتظام کیا۔ راجپوتانہ کے راجاؤں اور ٹھاکروں کی تاریخ لکھی۔ جنرل مالکم کی تاریخ نویسی میں ان کو مدد پہنچائی۔ راجستھان

---

[۱] مولوی عبدالقادر نے وقائع عبدالقادر خانی میں گلاب خاں کے واقعہ کا مطلقاً ذکر نہیں کیا ہے بلکہ خود لکھا ہے کہ امروہہ کی خانقاہ سے استعفیٰ ہوا کر دیا پر ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آیا اس سے اور صاحب (حاکم ضلع) سے اختلاف ہے اسی لئے میں مستعفی ہو گیا کہ دونوں جگہ جواب دہی کرنی پڑے گی اسی طرح کلکتہ کے بیان میں بھی مولوی عبدالقادر نے کہیں لارڈ بشپ سے ملنے اور گورنر جنرل سے ملاقات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول صفحہ ۹۹ — ۱۰۰، صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۶

کے متعلق تاریخی کاغذات اور کتاب سوانح وروزنامچہ بوسیدہ حالت میں میرے پاس موجود ہیں[۱] (یہ کاغذات جنگ اقوام راجگان، حقوق، جمع پرگنات وغیرہ کے متعلق ہیں[۲]۔

مولوی عبدالقادر مدتوں جیل پور میں صدامین رہے۔

مراد آباد کی صدر الصدوری

(مولوی عبدالقادر) ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۰ء تک مراد آباد کے صدر الصدور رہے پہلی مرتبہ یہ عہدہ گورنمنٹ سے منظور ہوا تھا اور مراد آباد میں جو پہلا شخص اس عہدۂ جلیلہ پر مقرر ہوا وہ میرے دادا مولوی عبدالقادر تھے ان کو دیوانی کی اپیل اور مرافعہ کے علاوہ فوجداری کے اختیارات بھی حاصل تھے گورنر جنرل کے دربار سے (مولوی عبدالقادر کو) خان بہادری کا خطاب معہ خلعت زریں، سرپیچ وکمر، شمشیر مرحمت ہوا۔

میں نے سُنا ہے کہ اس زمانے میں الیٹ صاحب، الفریڈ الیٹ کے جو آجکل آسام کے گورنر ہیں کے دادا چیف سکریٹری اور کالون صاحب سابق لفٹیننٹ گورنر آکلینڈ کالون صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی کے والد اسسٹنٹ سکریٹری تھے اس زمانہ کے صاحبان انگریز جارج ہنری کول صاحب (کمشنر روہیل کھنڈ) جنرل سرڈیوڈ آکٹرلونی، سلیمن صاحب، رسل کالون صاحب، اور الیٹ صاحب وغیرہ کی چٹھیوں کا ایک ذخیرہ تھا جو میرے عزیزوں کے قبضہ میں آیا انہوں نے نہ تو ان تحریرات کے ذریعہ خود کچھ حاصل کیا اور نہ ہی مجھے دیں اس سے زیادہ نہیں کہ ان پر شہد لگا کر چاٹیں اگر مجھے دے دیتے تو میں اپنے لئے نہیں بلکہ ان ہی کے لئے وہ کام کرتا کہ دیکھتے مگر تقدیر الٰہی میں کیا چارہ ہے۔

غرض یہ کہ میرے دادا صاحب نے کسی ایسی بات پر جو مراد آباد کے جج اوگڈن صاحب نے کسی کام میں دیر ہونے کی وجہ سے ناقدر دانی کے انداز میں کہدی تھی فوراً صدر الصدوری سے استعفا دے دیا اور اس سے علیحدہ ہو گئے حالانکہ اس زمانہ میں ہندوستانیوں کے لئے صدر الصدوری سے بڑا کوئی دوسرا عہدہ نہ تھا۔ پھر ہرچند حاکم (جج مراد آباد) نے عذر خواہی کی، معافی چاہی، چند روز تک اس معاملہ

---

[۱] مولوی عبدالقادر کی یہی کتاب سوانح وروزنامچہ (وقائع عبدالقادر خانی) علم وعمل کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

[۲] مولوی عبدالقادر کی تصنیفات کے لئے ملاحظہ ہو علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی، جلد اول ص ۲۰۵—۲۰۷

ملتوی رکھا۔ معزز حضرات نیز حکام ضلع ان کو سمجھانے کے لئے بھیجے خود بھی مکان پر آیا اور معذرت چاہی مگر اس شیر مرد کی زبان سے برابر انکار جاری رہا غضب و غصہ میں کسی کی اصل نہیں سمجھتے تھے (انہوں نے کہا) کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ

اکنوں تا زندگی ملازمت انگریزی نخواہم کرد | کہ میں اب تا زندگی انگریزی ملازمت نہ کرونگا

قلعہ معلیٰ دہلی سے تعلق

یہ واقعہ سنہ ۱۸۴۰ء مطابق سنہ ۱۲۵۶ھ میں واقع ہوا پھر اسی سال سنہ ۱۲۵۶ھ میں ان کے علم و فضل، عقل و دانش، فہم و فراست کی شہرت کی وجہ سے جوان کے زمانے میں ان کی طرح کم لوگوں کو حاصل تھی بادشاہ دہلی ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ کے حسب طلب جو کچھ عرصہ سے اپنے والد (اکبر شاہ ثانی) کی بجائے تخت نشین ہوئے تھے[۵۱] اوسان ہی دنوں بادشاہ کے وزیر راجہ سوہن لال مر چکے تھے شرف ملازمت و دربار سے مشرف ہوئے۔ سوہن لال کی بجائے خلعت ہفت پارچہ وزارت، معہ جیغہ، کلغی، تسبیح مروارید، عصائے زریں کار اور خطاب امیر الامراء عمدۃ العلماء دبیر الدولہ وکیل مطلق صادق الملک مستوفی الممالک مولوی عبدالقادر خاں بہادر ثابت جنگ پایا اور وزارت کے کام میں جو قلعہ معلیٰ اور پرگنہ کوٹ قاسم سے متعلق تھا مشغول ہوگئے۔ انہوں نے اپنی سوانح عمری میں قلعہ معلیٰ کے محاورات لکھے ہیں[۵۲]۔

ایک روز بادشاہ نے (مولوی عبدالقادر) سے فرمایا کہ آداب شاہی اور لوازم سلطنت کو تم اس طرح بلا تکلف آئین سلطنت کے مطابق انجام دیتے ہو کہ دوسرے نئے ملازم کو بغیر تعلیم و آگاہی کے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اور یہ سلیقہ و استعداد جو تم میں ہے خاندان شاہی کی جبلت ہے کیا تم بھی اس سلطنت کے خاندان سے ہو یا کہاں سے ہو۔ اس کے جواب میں عرض کیا کہ فدوی کا سلسلۂ نسب سلیمان حاکم بدخشاں تک پہنچتا ہے کہ جن کو حضرت فردوس مکان بابر بادشاہ کی عنایت سے جاگیر ملی تھی اور پھر مرزا حسین ولد مرزا شاہرخ جاگیردار مالوہ (نبیرہ مرزا سلیمان) کی آوارگی، ہندوستان نہ آنے اور آذربائیجان میں رہنے کی وجہ سے اس دودمان عالی شان سے سلسلہ تعلقات منقطع ہوگیا۔ خیمہ نشینان قراچار برلاس نژاد سے ہماری اصل ہے

---

۵۱ اکبر شاہ ثانی کا انتقال ۱۸۳۷ء میں ہوا اس کے بعد بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوئے۔

۵۲ ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۲۲۵-۲۱۳

اس طرح چند پشتیں گزر گئیں نادر شاہ اور محمود خراسانی سے جو جنگ خراسان و نیشاپور میں ہوئیں ہمارے بزرگ جو ملک اسحاق کے نام سے مشہور تھے محمود خراسانی کی گرفتاری کے بعد حاکم ایران کے حکم سے مار ڈالے گئے۔ ان کا لڑکا احمد بے سرو سامانی کی حالت میں دہلی پہنچا ایک مدت کے بعد حضرت محمد شاہ بادشاہ کی پرورش کا سایہ ان کے سر تک پہنچا اور مدرسہ غازی الدین خاں کے پیش امام اور مدرس مقرر ہوئے[۵۱]۔ حاضرین ارکان دولت نے حضرت ظل الٰہی (بہادر شاہ بادشاہ) کی مردم شناسی اور باریک بیں نگاہ کی تحسین فرمائی اور روز بروز بادشاہ کی نظر عنایت (ان پر) زیادہ ہونے لگی۔

نواب زینت محل کے حضور میں پیشی اعراض اور ملازمت سے استعفار

چند ماہ کے بعد ارشاد سلطانی ہوا کہ قلعہ کے وظیفہ خواروں کے معاملات اور عمارت کے حسابات وغیرہ، ملازمین کا عزل و نصب اور تمام مقدمات بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے کی بجائے نواب زینت محل بیگم صاحبہ کے روبرو پیش کیے جائیں اور فرمان ان الفاظ میں جاری ہوا۔

"فدوی خاص لائق الاختصاص قابل العنایت والاحسان امیر الامراء، زبدۃ العلما[۵۲] مستوفی الممالک دبیر الدولہ وکیل مطلق صادق الملک مولوی عبدالقادر خاں بہادر ثابت جنگ مورد تفضلات شاہی بوجہ بداند۔ کہ مقدمات نظم و نسق و معاملات ہر باب متعلق قلعہ معلیٰ از آئندہ روبروئے ملکۂ عالیہ نواب زینت محل صاحبہ پیش کردہ بہ دستخط خاص آں ملکۃ الزمانی مزین و مسجل بمہر کنانیدہ اجرا نمودہ باشند۔"

اس کے جواب میں اس منصب سے اس مضمون کا استعفار لکھ کر بھیجدیا کہ:-

"وہ شخص کہ جس نے بادشاہوں کی خدمت (جو از جنس ذکور ہوتے ہیں) ہمیشہ کی ہے وہ کس طرح مخدرات پردہ عصمت کی خدمت گزاری کر سکتا ہے"

---

۵۱ مولوی عبدالقادر نے لکھا ہے کہ دہلی میں مرزا احمد کا کوئی پرسان حال نہ تھا بغیر کسی کی دستگیری کے مدرسہ غازی الدین خاں سے تعلق پیدا ہوا (ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۳۲)

۵۲ پہلے عمدۃ العلماء لکھا گیا ہے۔

اس لیئے اس فدوی کو معذور سمجھ کر اس کا استعفا منظور فرمایا جائے۔"

رام پور میں مفتی عدالت اور حاکم مرافعہ مقرر ہونا

انہوں نے یہ استعفا بادشاہ کی بارگاہ میں بھیجکر قطع تعلق کر لیا۔
مولوی عبدالقادر کچھ دنوں تک دہلی میں محلہ دریا گنج میں نواب شمس الدین خاں[۱] رئیس فیروز پور کی کوٹھی پر رہے۔ پھر نواب محمد سعید خاں[۲] بہادر والی ریاست رام پور کی طرف سے طلبی کا خط پہنچا جو اسی زمانہ میں نواب احمد علی خاں[۳] کی بجائے مسند نشین ریاست ہوئے تھے۔ نواب ممدوح (نواب محمد سعید خاں) سے ہم مکتبی اور ہم مشربی کی وجہ سے پہلے سے رابطۂ اتحاد و یگانگت اور یکجہتی تھا۔

جس زمانہ میں نواب صاحب ممدوح مراد آباد کے ڈپٹی کلکٹر تھے تو مولوی عبدالقادر مراد آباد کے صدرالصدور تھے دونوں میں برادرانہ سلوک اور ایک دوسرے کے مکان پر بے تکلفانہ آمد و رفت مدتوں جاری رہی اور شطرنج بازی کا شوق دونوں خاندانوں میں مرض متعدی کی طرح نسلاً بعد نسلٍ

---

[۱] نواب احمد بخش خاں المتوفی ۱۸۲۷ء کی میواتی بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے نواب صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ ولیم فریزر ایجنٹ دہلی کے قتل میں ماخوذ ہوئے۔ فریزر نہایت بدچلن اور بداطوار شخص تھا۔ پہلے اس نے ایک جاٹنی مسماۃ سرون کو خانہ انداز کر لیا تھا پھر اس کے مرنے کے بعد نواب شمس الدین کی بہن جہانگیرہ بیگم کے پاس کٹنیوں کے ذریعہ نامہ و پیام بھیجے۔ نواب شمس الدین کو کب تاب تھی فریزر کو قتل کرا دیا۔ اعتقاد خان قتل کی پاداش میں ۱۸۳۵ء کو پھانسی پائی فریزر کی تاریخ کسی نے کہی ہے ؎

چوں فریزر کمشنر دہلی — گشت مقتول از تفنگ بلا
آمد از چرخ چار میں آواز — فریزر بمرد وا ویلا

ملاحظہ ہو مجمع التواریخ، جلد یازدہم۔ "ہندوستان کی دیسی ریاستیں" بیان ریاست لوہارو (قلمی از شاکر حسین نقوی امروہوی) مملوکہ پروفیسر طاہر حسین نقوی)

[۲] نواب محمد سعید خاں ابن نواب غلام محمد خاں ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے، نواب احمد علی کے انتقال کے بعد ۲۰ اگست ۱۸۴۰ء مسند نشین ریاست ہوئے۔ ۳ رجب ۱۲۷۱ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۵۵ء کو انتقال ہوا ملاحظہ ہو اخبار الصنادید از حکیم نجم الغنی رام پوری جلد دوم ص ۲۲ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء

[۳] نواب احمد علی خاں ابن نواب محمد علی خاں ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوئے ۱۷۹۴ء میں ریاست رام پور کے حقدار قرار پائے اور بوجہ صغر سنی نواب نصر اللہ خاں نے نیابت کے فرائض انجام دیئے۔ نواب نصر اللہ خاں کے انتقال کے بعد ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء میں مکمل اختیارات حکومت تفویض کئے گئے ۵ رجمادی الاول ۱۲۵۶ھ مطابق ۵ جولائی ۱۸۴۰ء کو فوت ہوئے ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۲)

ایسا جاری ہے کہ ہر نواب کے عہد میں اس خاندان کا ایک شطرنج باز ریاست رام پور کے دامنِ دولت سے وابستہ رہتا ہے۔ چنانچہ حضور نواب صاحب ڈپٹی کلکٹری کے زمانے میں ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرماتے تھے یا میرے دادا (مولوی عبدالقادر) حضور ممدوح کے دولت خانہ پر جو محلہ گنج (شہر رام پور) میں واقع ہے جاتے تھے اور بساطِ شطرنج بچھا کر دونوں حضرات انبساطِ خاطر فرماتے تھے۔

القصہ اس طلبی نامہ کے آنے کے بعد جو پروانۂ حضوری تھا مولوی عبدالقادر دہلی سے رام پور روانہ ہوئے نواب محمد سعید خاں نے بکمال عزت و احترام پذیرائی فرمائی جیسی کہ روسائے عظام کی شان ہے اور فرمایا کہ جو کام پسندِ خاطر ہو وہ قبول کرو اور آئندہ ہمیشہ رام پور میں رہو عہدۂ قضاء کے فیصلوں کا کام اور اپیلوں کا کام ان کے سپرد کیا۔

صاحبزادگان رامپور کا استفادۂ علمی

صاحبزادگان والا تبار یعنی نواب محمد یوسف علی خاں بہادر ولی عہد[1] و صاحبزادہ محمد کاظم علی خاں[2] بہادر کو جو اپنی والد کی ڈپٹی کلکٹری کے زمانے میں جناب ممدوح (مولوی عبدالقادر) کے شاگرد تھے اب پھر حکم ہوا کہ اسی طریقہ اور انداز سے مولوی صاحب کے پاس کبھی کبھی جا کر استفادہ کریں اور پھر ارشاد ہوا کہ چونکہ صاحبزادگان (نواب محمد یوسف علی خاں و کاظم علی خاں) ریاست کے کاموں میں مشغول رہتے لہذا ان کے صاحبزادے نواب محمد کلب علی خاں بہادر[3] (ابن نواب یوسف علی خاں) و صاحبزادہ فدا علی خاں بہادر ابن صاحبزادہ کاظم علی خاں (مولانا عبدالقادر) کی خدمت میں استفادۂ علمی کریں۔

مولوی فضل حق خیرآبادی کا قیام رامپور

مولوی فضل حق خیرآبادی[4] کے آنے کے بعد صاحبزادوں کی تعلیم کا سلسلہ مولوی فضل حق سے متعلق ہو گیا۔ اس زمانہ میں

---

[1] نواب یوسف علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں المتوفی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۳۲-۱۳۱

[2] صاحبزادہ کاظم علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں المتوفی ۱۲۹۱ھ مزید حالات کے لئے دیکھئے اخبار الصنادید جلد دوم ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۴۰

[3] نواب کلب علی خاں ولد نواب یوسف علی خاں، ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۹ اپریل ۱۸۳۵ء کو پیدا ہوئے، ۳۰ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے ۲۳ مارچ ۱۸۸۷ء کو انتقال ہوا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۱۳۶-۲۵۱

[4] علامہ فضل حق بن مولانا فضل امام خیرآبادی ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۷۸ھ میں انڈمان میں انتقال کیا رامپور کے قیام کی مدت منشی امیر احمد مینائی نے (بقیہ صفحہ پر)

مولوی عبدالحق[1] خلف مولوی فضل حق و مولوی سلطان حسن[2] خاں ابن مولوی احمد حسن خاں[3] رئیس بریلی و صدر الصدور[4] نواب محمد کلب علی خاں کے ہم مکتب تھے میرے دادا (مولوی عبدالقادر) نے نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ کی ملازمت میں باقی ایام زندگی گزار دیئے۔

مولوی عبدالقادر کا انتقال

مولوی عبدالقادر نے ۵ رجب ۱۲۶۵ھ کو انتقال فرمایا اور حسب وصیت اپنے مرشد مولانا جمال الدین مرحوم لاہوری کے قبر کے پائیں حصار مقبرہ بین علی دروازے کے پاس دفن ہوئے۔

نواب یوسف علی خاں، صاحبزادہ کاظم علی خاں، صاحبزادہ جعفر علی خاں، حفیظ اللہ خاں، عبداللہ خاں وغیرہ نے مکان پر آکر جو محلہ بنگلہ آزاد خاں میں واقع تھا رسم تعزیت ادا فرمائی اور عزت افزائی فرمائی (مولوی عبدالقادر) عالم متبحر، شاعر شیریں کلام عربی، فارسی، اُردو، اور تصانیف کثیرہ کے مالک تھے۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ)۔
۰ سال لکھی ہے (انتخاب یادگار ص۲۹۲) لہٰذا علامہ فضل حق خیرآبادی کا قیام رام پور ۱۲۴۷ھ تا ۱۲۴۸ھ قرار پاتا ہے کیونکہ علامہ خیرآبادی ۱۲۴۸ھ میں لکھنؤ پہونچ چکے تھے (باغی ہندوستان ص۳۵) علامہ فضل حق خیرآبادی کو رام پور میں نواب محمد سعید خاں نے بلایا تھا علامہ خیرآبادی نے اپنی مشہور کتاب ہدیہ سعیدیہ فی حکمۃ الطبیعیہ نواب محمد سعید خاں صاحب کے نام پر معنون کی مولانا عبدالشاہد خاں شروانی کا یہ لکھنا درست نہیں کہ علامہ فضل حق خیرآبادی کو نواب یوسف علی خاں نے بلایا تھا (باغی ہندوستان ص۲۳۲) علامہ فضل حق کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے۔
(۱) تذکرہ علمائے ہند مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری ص۳۸۰ و ص۳۸۱ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء)
(۲) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص۲۵ (۳) باغی ہندوستان از مولانا عبدالشاہد خاں شروانی مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء
(۴) انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی ص۲۹۱-۲۹۵ (منبع المطابع لکھنؤ)

[1] مولانا عبدالحق خیرآبادی ابن علامہ فضل حق خیرآبادی ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے ۲۲ شوال ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء کو انتقال ہوا تفصیل کیلئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند ص۲۴۹-۲۵۰

[2] مولوی سلطان حسن ابن مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور بریلی کے منتخب تلامذہ اور امراء میں تھے مولانا فضل حق خیرآبادی کے خاص تلامذہ میں تھے صدر الصدوری سے پنشن پائی۔ منشی سعد اللہ مراد آبادی سے علمی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی مفتی مراد آبادی کے رد میں مولوی سلطان حسن بریلوی کا ایک مطبوعہ رسالہ ہماری نظر سے گزرا ہے۔ ملاحظہ ہو اکمل التاریخ از مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری ص۴۲، ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا

[3] مولوی احمد حسن بن مفتی ابو الحسن المتوفی شعبان ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء ملاحظہ ہو اکمل التاریخ جلد اول ص۴۱-۴۲

ہمشیرہ مولوی عبدالقادر | مولوی عبدالقادر کی ایک حقیقی ہمشیرہ امتہ الفاطمہ تھیں جنہوں نے علم فقہ حدیث اور تفسیر اپنے بڑے بھائی (عبدالقادر) سے حاصل کیا تھا اور وہ رام پور کے طبقہ اناث میں دوسری رابعہ بصری تھیں۔ مولانا جمال الدین مرحوم کے صاحبزادے مولوی فخر الدین کو منسوب تھیں اور شوہر کی زندگی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا ان کی قبر مولانا (جمال الدین مرحوم) کی قبر کے گنبد کے باہر چبوترہ پر ان کے شوہر کی قبر کے پاس ہے۔

اولاد | مولوی عبدالقادر کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں حرمت النساء بیگم کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حرمت النساء بیگم شیخ فیض اللہ ابن مفتی ابو الحسن عرف مفتی بولن ساکن مراد آباد (محلہ بھٹی) جو محمد بن ابی بکرؓ کی اولاد سے ہیں اور صدیقی شیخ ہیں کی بیٹی ہیں۔

مولوی عبدالقادر کے پہلے لڑکے کا نام مرزا عبدالہادی تھا جو سنہ ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں بعہد نواب سعادت علی خاں رام پور میں پیدا ہوئے خود فرماتے تھے کہ جس سال بعہد نواب سعادت علی خاں برادر نواب آصف الدولہ وزیر الممالک کے مقبوضہ علاقہ (روہیل کھنڈ وغیرہ) میں کمپنی انگریز بہادر کی عملداری آئی اسی سال پیدا ہوا ہوں[1]

دوسرے بیٹے سنہ ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ مرزا غلام قیوم ان کا تاریخی نام ہے۔ عبدالقیوم کے نام سے مشہور رہے۔ مولوی عبدالقادر کی پہلی بیٹی امت العزیز بیگم سب سے بڑی اولاد تھیں جو سنہ ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰-۱ء میں پیدا ہوئیں اور ایک لڑکی انجم النساء بیگم چار سال کی عمر کی چھوڑی جو غلام اکبر خاں سے منسوب ہوئی تھیں۔

میرے دادا (مولوی عبدالقادر) کی دوسری بیٹی انتظام بیگم سنہ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء میں پیدا ہوئیں۔ اور سنہ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲-۳ء میں ۱۹ سال کی عمر میں فوت ہو گئیں اور ایک دختر کفایت بیگم یادگار چھوڑی یہ لڑکی عبداللہ خاں عرف ابو خاں کو بیاہی تھیں جو سلطان ابراہیم لودی بادشاہ دہلی کے خاندان سے ہیں شاہی خاندان کا بھی ایک گھر احاطہ کلاں رام پور میں رہتا ہے۔ اور چونکہ شاہی زمانہ سے نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندان میں جاگیرداری ہے اس لئے ملکی کہلاتے ہیں۔ بابر بادشاہ کے بعد مغلوں کی اکثر لڑکیاں اسس

---

[1] علاقہ روہیل کھنڈ وغیرہ نواب سعادت علی خاں وزیر الممالک سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو یکم نومبر ۱۸۰۱ء کو بذریعہ معاہدہ ملا۔ ملاحظہ ہو قیصر التواریخ جلد اول از کمال الدین حیدر ص ۱۶۸ (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۶ء)

خاندان میں بیاہی گئیں۔ مغلوں میں زیادہ تر اور پٹھانوں میں کم اس خاندان کی رشتہ داریاں ہوتی ہیں۔ مغلوں میں زیادہ شادی بیاہ ہونے کی وجہ سے یہ خاندان "مغل پٹھان" کہلاتا ہے ورنہ اصل میں افغانستان کی مستند قوم "لودی" ہیں۔ چنانچہ امینہ بیگم بنت مرزا محمد اکرم (میرے پردادا) کی شادی محمد کریم اللہ خاں ولد مشرف خاں کے ساتھ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۵-۱۶ء) میں ہوئی جو اس رٹھیوں کے خاندان سے تھے اس خاندان میں علم و ادب، شرافت اور عزت خوب تھی۔ اس زمانہ میں رام پور میں کوئی مغل خاندان اس حسن طریق اور لیاقت کا مالک نہ تھا۔

مولوی عبدالقادر کی تیسری بیٹی زاہدہ بیگم تھیں جو ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں پیدا ہوئیں اور مرزا امداد حسین ساکن رام پور کو بیاہی گئیں ان کی اولاد موجود ہے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔

مرزا محمد اکرم کی ایک لڑکی فاطمہ بیگم امینہ بیگم سے بڑی اور مرزا غلام باسط سے چھوٹی تھی اور مرزا غلام ابرار ولد مرزا فیاض سے جو قصبہ نہٹور (ضلع بجنور) کے قدیم باشندے ہیں اور مرزا فریدون خان برلاس ولد مرزا محمد قلی خاں برلاس (منصب دار عہد اکبری جہانگیر اور شاہجہانی) کی اولاد میں تھے بیاہی تھیں ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) میں یہ رشتہ ہوا۔

امینہ بیگم (بنت مرزا محمد اکرم) زوجہ محمد کریم اللہ خاں سے مولوی نیاز علی خاں، بندہ علی خاں، محمد اسد علی خاں، بدر النساء بیگم اور بنیادی بیگم اور فاطمہ بیگم کے بطن سے مرزا علی نقی (ولد مرزا غلام ابرار) پیدا ہوئے۔

مرزا علی نقی (ولد مرزا غلام ابرار) خود کو تورانی برلاس بدخشی کہتے تھے اور خود کو سلیمان بدخشانی سے منسوب کرتے تھے۔ اور ہم قوم بتاتے تھے۔ علم تاریخ، عروض، قافیہ، انشا پردازی اور شطرنج بازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

مولوی نیاز علی خاں نے علوم فقہ، صرف، نحو، اور انشاء اپنے بڑے ماموں (مولوی عبدالقادر) سے حاصل کئے اور اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔

غلام اکبر خاں مغل کا خود کو سید مشہور کرنا

(مولوی عبدالقادر کی نواسی انجم النساء بیگم کا شوہر) اس نے اپنا نام میر غلام اکبر یا میر اکبر علی رکھا اور اپنی قوم کو سید قرار دیا حالانکہ مغل تھا، اسی طرح شیخ عبدالحق

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا خاندان مغل ہے!

لفظ شیخ ان (عبدالحق محدث دہلوی) کے صاحب حال وقال اور مشائخ وصوفیہ، کبار ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے انہوں نے اپنی اکثر کتابوں میں صاف صاف لکھا ہے:۔

"می گوید عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی والبخاری"

اور کہیں لکھتے ہیں:۔ "ترکی نسبًا وقادری طریقًا"

شیخ عبدالحق کے خاندان کے بعض لوگ خود کو شیخ علوی اور بعض سید (اور بعض مغل لکھتے ہیں) مثلاً مولوی نورالاسلام[1] و مولوی محمد سالم ابنائے مولانا سلام اللہ محدث رامپوری[2] اور ان کی اولاد ہمیشہ مغل لکھتی ہے ان کے پرانے وثیقوں اور دستاویزوں میں بھی لفظ "مغل" میں نے دیکھا ہے اور اپنے باپ دادا سے بھی سنا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی جملہ اولاد مغل تورانی ہیں اور ترکمان لکھے جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ سمرقند، بلخ اور بخارا، توران کے شہر ہیں اور ترکستان میں داخل ہیں اگرچہ ممکن ہو کہ سید اور شیخ بھی بخارا میں رہتے ہوں۔ لیکن لفظ ترکی، ان کے نسب پر دلالت کرتا ہے جو بزرگوں سے چلا آتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا خاندان شکل وشمائل میں مغلوں کی وجاہت سے مشابہت رکھتا ہے اور ارادت، ہمت، دلیری، خوش پوشاکی اور خوش خوراکی میں بھی مغلوں سے پوری پوری مشابہت رکھتا ہے۔

میں نے ثقات سے سنا ہے کہ نادر شاہ دہلی میں قتل عام کرنے کے بعد دہلی سے جبراً دوشیزہ اور ناکتخدا لڑکیاں ولایت لے گیا۔ قتل عام اور اس کام میں (لڑکیوں کو لے جانا) چونکہ خدا ترسی کی

---

[1] مولوی نورالاسلام کے صاحبزادے اور خانوادہ حقی کے نامور عالم تھے ریاضی میں خاص مہارت رکھتے تھے متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۔ (حاشیہ)

[2] مولوی سلام اللہ ابن شیخ الاسلام اپنے زمانہ کے مشہور فقیہ، محدث اور مفسر تھے علم حدیث پر بڑا کام کیا۔ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء یا ۱۲۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۸-۲۱۹

وجہ سے کیا گیا اس کے ہمراہ مغل زیادہ تھے دہلی کے تمام باشندے قوم مغل (ترکمان) کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ بادشاہ دہلی کے علاوہ جو کوئی اپنے کو ترک یا مغل کہتا تھا لوگ من حیث المجموع مغلوں سے انکی جبلی سفاکی اور بے رحمی کی وجہ سے کمال نفرت کرنے لگے اور عہد کر لیا کہ آئندہ اس قوم کو نہ تو لڑکی دی جائے اور نہ اس سے لڑکی لی جائے اس کا عمل اور عہد و پیمان دنیوی ضرورت اور شادی بیاہ کے معاملہ میں اس طرح ہوا کہ جب کسی نے اپنی قوم کی بجائے دوسری قوم میں داخل ہونے کی ضرورت سمجھی تو لفظ مرزا علیحدہ کر دیا (خاندان شاہی نے ایسا نہیں کیا) کسی نے لفظ شیخ کو اختیار کیا اور کوئی لفظ "میر" اختیار کر کے سید ہو گیا حالانکہ حدیث نبوی میں آیا ہے:۔

لعنت اللّٰہ علیٰ داخل النسب وخارج النسب	جس نے اپنے کو ایک نسب سے خارج کر کے دوسرے نسب میں خود کو داخل کیا اس پر خدا کی لعنت آئی ہے۔

اور یہ سخت گالی ہے جو کچھ کہا گیا وہ بطور جملہ معترضہ کے ہے [۱]

مرزا محمد ناصر (فرزند اوسط مرزا محمد اکرم) مرزا محمد ناصر، مرزا محمد اکرم آشنا کے دوسرے بیٹے تھے ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۱-۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی عبد القادر اور مرزا محمد ناصر کی مائیں علیحدہ علیحدہ تھیں مگر علاتی بھائی ہونے کے باوجود دونوں میں ایسی محبت تھی کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ ان کی مائیں جدا گانہ ہیں۔ محمد ناصر نے عربی کی تعلیم اپنے بھائی مولوی عبد القادر سے پائی مرزا محمد ناصر

---

[۱] شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح نے خود کو ہمیشہ ترک لکھا ہے چنانچہ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:۔
"عبد الحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری رح" شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا شجرہ نسب جس طرح ہے ان کے مورث اعلیٰ کو بھی ترک لکھا گیا ہے۔ شجرہ یہ ہے:۔
شیخ عبد الحق محدث بن شیخ سیف الدین بن شیخ سعد اللہ بن شیخ فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک" ملاحظہ ہو

(۱) اخبار الاخیار از شیخ عبد الحق محدث ص۲۰ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ م ۱۹۱۴ء)
(۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی ص ۵۱ــ۶۲ (ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء)
(۳) الیٹ اینڈ ڈاؤسن جلد ششم ص ۱۷۵ــ۱۷۶ (لندن ۱۸۷۵ء)

سفر و حضر میں اپنے بڑے بھائی مولوی عبدالقادر کے ہمراہ رہتے تھے۔

ملازمت مولوی عبدالقادر کے ذریعے سے ۱۸۲۶ء میں جبل پور کی عدالت دیوانی میں صدر امین مقرر ہوئے۔ خوب رو، خوش طبع، لطیفہ گو، بارعب، قد آور اور صاحب نصیب شخص تھے

شادی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان کی پہلی لڑکی جو ہمارے خاندان میں آئی وہ احمدی بیگم دختر مولوی نورالاسلام ولد مولانا سلام اللہ محدث رام پوری تھی وہ مولوی محمد ناصر کی بیوی تھیں۔ یہ رشتہ سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں بمقام رام پور محلہ بنگلہ آزاد خاں میں جو مولوی سلام اللہ محدث کا قدیم مسکن تھا واقع ہوا۔ ان کے پہلے بیٹے عبدالصمد تھے

انتقال مرزا محمد ناصر تپ دق کے مرض میں مبتلا ہوئے ۱۴ شعبان (۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) بروز پنجشنبہ بمقام بانس بریلی نماز عشاء کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک نعرہ مارا اور فوراً جاں بحق ہو گئے

فارسی میں شعر خوب کہتے تھے۔ ایک رباعی نواب یوسف علی خاں کی مدح میں کہی ہے:-

چوں من بزمانہ خاکسارے نبود	پیش تو بہ دہر شہ سوارے نبود
برخاطر تو اگر غبارے نبود	خواہم کہ رکاب تو ببوسد خانم

اولاد مرزا محمد ناصر کے فرزند اوّل عبدالصمد تھے جو بچپن میں مر گئے اس کے بعد مسماۃ حسینی بیگم سنہ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئیں جو راقم (مرزا نصیرالدین) کی والدہ تھیں۔ ان کا نکاح میرے والد مرزا عبدالہادی کے ساتھ سنہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲-۳۳ء) میں بمقام رام پور ہوا ان سے پانچ بیٹے اور نو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

مولوی محمد ناصر کے دوسرے لڑکے سنہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں مرزا عبدالاحد پیدا ہوئے جو عطار الدولہ حکیم

---

[1] تذکرہ کاملان رام پور میں لفظ "قد" کی بجائے "شستہ" ہے۔ اس تذکرہ میں مرزا محمد ناصر کی حسب ذیل رباعی بھی درج ہے

حیران تھے کہ سب کہ معنی ہیں کیا اس خطاب کے	جس دن کہ بوتراب علی کو ملا خطاب
معنی سبھوں پہ کھول دیئے بوتراب کے	ابن علی نے اپنے تئیں خاک میں ملا

ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رام پور از حافظ احمد علی خاں شوق صفحہ ۳۷۵ (ہمدرد پریس دہلی سنہ ۱۹۲۹ء)

ناخرالدین حیدر خاں کے نام سے مشہور ہوئے ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں کلکتہ میں ہیضہ میں اور بعض کے نزدیک زہر سے ہلاک ہوئے۔

سنہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء میں مرزا محمد ناصر کی ایک لڑکی محمدی بیگم پیدا ہوئی جو سنہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴-۵ء میں ۶۴ سال کی عمر میں لاولد فوت ہوئیں مرزا علی نقی ولد مرزا علام ابرار کو بیاہی تھیں۔

سنہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴-۵ء میں مرزا محمد ناصر کی دوسری لڑکی سکینہ بیگم پیدا ہوئیں جو اس تحریر کے زمانہ میں ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء تک ۷۷ سال کی ہو چکی ہیں اور نابینا زندہ ہیں اور راقم (مرزا نصیر الدین) کی خالہ ہیں سید احمد حسن ولد سید حسن دہلوی کو بیاہی ہیں۔ سید احمد حسن، سید احمد خاں سی۔ایس۔آئی۔ اے بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے حقیقی بھانجے ہیں۔

حکیم مرزا عبد الاحد عطار الدولہ بن مرزا محمد ناصر

ملازمت — مرزا عبد الاحد اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے تایا یعنی مولوی عبد القادر خاں کی سفارش سے ریاست رام پور میں تیس روپیہ ماہوار پر ناظر مقرر ہو گئے تھے۔

ناظر عدالت فوجداری بدایوں — اس کے بعد ضلع بدایوں میں فگن صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ کے زمانہ میں ناظر فوجداری ہوئے غفلت کے سبب سے جیسی کہ ان کی عادت تھی۔ لیاقت اور ہوشیاری کے باوجود ایسا ہوا کہ حاکم کی عنایت اور مہربانی پر مطمئن ہو گئے کام دوسروں پر چھوڑ دیا اور خود اپنے کام سے خبر نہیں رکھتے تھے چنانچہ مال خانہ میں غبن ہوا فگن صاحب کے بعد مورسین صاحب آئے حاسدوں نے ان سے مخبری کر دی مقدمہ میں ماخوذ ہوئے دو سال بریلی جیل میں بلا مشقت قید رہے۔

سررشتہ دار عدالت رامپور — حکیم عبد الاحد قید سے رہا ہونے کے بعد رام پور پہونچے اور عدالت میں سررشتہ دار ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد بھوپال چلے گئے۔

بھوپال میں افسر الاطباء مقرر ہونا — حکیم مرزا عبد الاحد جوان خوش رو، خوش لباس، بالیاقت اور فیاض تھے علم حکمت میں جو اپنے والد اور اپنے نانا سے سیکھا تھا خاص دستگاہ رکھتے تھے۔ بھوپال میں نواب سکندر بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کی نظر توجہ ان پر پڑی اور

افسر الاطبا کے عہدہ پر مامور ہوئے چند سال یعنی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء تک وہاں رہے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں بھوپال میں تبلیغ جہاد

سنہ مذکور (۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء) میں ہندوستان میں عام غدر ہوا۔ حکیم عبدالاحد علم فقہ، حدیث اور تفسیر سے بیگم صاحبہ کی فوج میں نماز، روزہ، تمیز حلال وحرام، بجاآوری اوامر الٰہی اور انکار از نواہی کا وعظ اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر کرتے تھے۔

بھوپال سے فرار

غدر ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کے زمانہ میں کسی مخبر نے بیگم صاحبہ کو خبر پہونچائی کہ افسر الاطبا آپ کی فوج میں وعظ کہتے ہیں۔ اور اہل فوج کو صاحبان انگریز سے جہاد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس وقت اس مخبر حاسد نے بیگم صاحبہ کو یہ خبر پہنچائی اسی وقت ایک باوفا مخلص دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہونچے کہ جلدی بھاگئے آپ کو معلوم نہیں ہے کہ بیگم صاحبہ کو خبر پہنچ چکی ہے کہ آپ فوج میں سرکار انگریزی کے خلاف وعظ کہتے ہیں قریب ہے کہ آپ کی گرفتاری کا حکم جاری ہو جائے وہ اجرائے حکم سے پہلے ہی رات ہی میں فرار ہو گئے۔

بریلی پہنچنا اور مدار علی خاں سپہ سالار نواب خان بہادر خاں کے یہاں مقیم ہونا

بڑی چستی و چالاکی سے منزلیں طے کرتے ہوئے بانس بریلی پہونچے راستہ میں جابجا غدر دیکھا بریلی پہونچکر پرانے شہر میں اپنے ہم زلف مدار علی خاں[1] کے گھر میں قیام کیا وہ باغی فوج کے سپہ سالار اور نواب خان بہادر خاں[2] رحمت خانی کے سرداروں میں تھے۔

سپہ سالار مذکور نے ہر چند ان کو ٹھیرانے کی کوشش کی اور ان کو بیش قرار ملازمت مہیا کی مگر

---

[1] مدار علی خاں، پرانا شہر (بریلی) کے رہنے والے تھے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بڑا مردانہ وار حصہ لیا نواب خان بہادر خاں کے دست راست تھے ملاحظہ ہو اسٹرگل فار فریڈم ان اتر پردیش جلد پنجم ص۱۸۱، ۱۸۳، ۱۹۴، ۲۴۰، ۲۸۱، ۲۸۵۔

[2] نواب خان بہادر خاں ابن نواب ذوالفقار خاں، ابن حافظ الملک حافظ رحمت خاں، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں روہیل کھنڈ کے ناظم رہے۔ نواب صاحب پر ایک تحقیقی مقالہ عزیزی سید مصطفیٰ علی بریلوی کا شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو العلم جنگ آزادی نمبر ۱۸۵۷ء

وہ رنگِ زمانہ دیکھ کر وہاں سے سیدھے رام پور پہونچے۔

ورود رام پور نواب یوسف علی خاں[1] کی خدمت میں، جو اس زمانہ میں بحکم گورنر صاحب رام پور اور مرادآباد کے فرماں روا تھے حاضر ہوئے اور بدخواہی کے اتہام کے سلسلے میں اپنی صفائی پیش کی کچھ دنوں اس دارالامن رام پور میں مقیم رہے۔

لکھنؤ میں کمشنر کے حضور میں حاضری ۱۲۷۴ھ مطابق اپریل ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ فتح ہو گیا حکیم عبدالاحد سیدھے لکھنؤ پہونچے اپنے بھانجے مرزا نظام الدین (میرے بڑے بھائی) کے پاس قیام کیا چونکہ وہ غدر کا زمانہ تھا میرے بڑے بھائی نے ان کو حزم و احتیاط کے خیال سے کرنل ہیبر و صاحب اسپیشل کمشنر لکھنؤ کے سامنے جو بعد کو وہاں کے چیف کمشنر ہوئے حاضر کر دیا۔ جب صاحب ممدوح کو یہ معلوم ہوا کہ یہ سرکار کے بدخواہوں میں سے نہیں ہیں تو انہوں نے ان کو صفائی کا پروانہ دے دیا۔

نواب افسر بیگم (ہمشیرہ واجد علی شاہ) کے یہاں مختار مقرر ہوئے پھر انہوں نے اپنی تلاش سے معزول بادشاہ اودھ (واجد علی شاہ) کی بہن جن کا لقب افسر بیگم تھا سے تقریب ملاقات کا موقعہ حاصل کر لیا اور ان کے دل میں ایسا نقش جمایا کہ ہزار ہا روپیہ کی تنخواہ اور وثیقہ جو بند تھا کے جاری کرانے کی کوشش میں لگ گئے اور ان کی سرکار میں مختار و معتبر اور صاحبِ حل و عقد ہو گئے اور بہ سعی تمام ان کے وثیقے جاری کرا دیئے۔

نواب افسر بیگم کی خادمہ شیریں بیگم سے نکاح کرنا حکیم عبدالاحد نے ان کی خادمہ شیریں بیگم کے ساتھ جو مرثیہ خواں اور محل سرا میں صاحبِ اختیار تھی نکاح کرنے کی درخواست کی اور یہ شعر حسب حال پڑھا:

نہ چوں فرہاد بود کوہ کنی پیشۂ ما
کوہ ما سینۂ ما ناخنِ ما تیشۂ ما

---

[1] بجنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور انگریزوں کے حلیف اور وفادار رہے انگریزوں کی طرف سے مرادآباد کا انتظام ہاتھ میں لے لیا اور انگریزوں کی بڑی شاندار خدمات انجام دیں۔ ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد دوم ص ۴۷-۱۱۹

وہ (شیریں بیگم) ان سے سبقت لے گئیں اور ان کو امید و نا امیدی اور کامیابی و ناکامی میں لٹکائے رکھا بیگم صاحب کو یہ بات منظور تھی کیونکہ محل کے باہر حکیم صاحب کا انتظام رہے گا اور اندر شیریں کی نگرانی رہے گی پھر زر و جواہرات کی نگہداشت اور مصارف کے انتظام میں کوئی خلل نہ ہوگا۔ شیریں مذکور مجبور ہو گئیں۔

امامیہ مذہب اختیار کرنا

شیریں بیگم نے حکیم صاحب سے کہا کہ تم اہل سنت و جماعت ہو اور میں شیعہ ہوں جب تک تم شیعہ نہ ہوگے اور تبرا نہ کروگے میں شادی نہیں کروں گی۔ حکیم صاحب نے کہا کہ میں اُس وقت تک شیعہ نہیں ہوں گا جب تک کہ مسائل خلافت میں تمھارے علما مجھے معقول نہ کردیں۔ چنانچہ لوگ جمع ہوئے اور مجلس کا انعقاد ہوا۔

حریفاں طریق جدل ساختند
لم و لانسلم در انداختند

مباحثہ کے بعد حکیم صاحب عاجز آگئے وہ شیریں کے عشق میں فرہاد ہو رہے تھے خود اکیلے تھے اور دوسری طرف کئی عالم تھے وہ شیعہ ہو گئے اور انہوں نے ایک رسالہ "ردِ سُنّی" دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جس میں چند ایسے سوال بھی تھے کہ علمائے اہلِ سُنّت و جماعت ہر سوال کا جواب دینے سے قاصر رہے۔[1]

اسی جلسے میں ان کا تیسرا نکاح شیریں بیگم کے ساتھ ہو گیا جو شیریں کلام ہونے کے ساتھ شاعرہ بھی تھی۔ اور افسر بیگم صاحبہ کی بیٹی میں نوشت و خواند اور اجرائے احکام کا کام کرتی تھی۔ اس کے بعد حکیم صاحب کو محل مبارک جو مثل قلعہ کے تھا کے اندر اور باہر مکمل اختیارات حاصل ہو گئے زر و جواہرات کے مالک ہو گئے اٹھائیس بیش قیمت گھوڑے اور چند قسم کے انگریزی چرٹ حکیم صاحب کے پاس سواری کے لئے تھے۔

---

[1] مرزا نصیر الدین چونکہ امامیہ مذہب کے پیرو ہیں اس لئے یہ بات اس انداز میں لکھی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ تحفۂ اثنائے عشریہ (از شاہ عبد العزیز) اور آیات بینات (از نواب محسن الملک) جیسی معرکۃ الآرا کتب کے جواب سے پوری شیعی دنیا عاجز رہی ہے۔ (محمد ایوب قادری)

لکھنؤ کے ایک خبطی رئیس رفیق الدولہ

۱۸۵۹ء مطابق ۱۲۷۶ھ میں حکیم صاحب نے اپنے بڑے لڑکے محمد مرزا کی شادی لکھنؤ میں نواب بندکا کی لڑکی کے ساتھ کر دی ان کا اصلی نام خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہے مگر خطاب رفیق الدولہ تھا وہ حالت جنوں میں زندگی کے گزارتے تھے مگر مال و دولت کی وجہ سے سوائے خلل دماغ کے ان کو کوئی بیماری نہ تھی۔ ان کی ذات مغل تھی۔

لکھنؤ کے ڈاکٹر مرزا احسان بیگ بیان کرتے تھے کہ نواب رفیق الدولہ کے جنون کی یہ کیفیت تھی کہ لکھنؤ میں جس جگہ وہ رہتے تھے وہاں سے چوبدار کو دوڑاتے تھے کہ خورد محل (چھوٹی بیگم) صاحب کو اطلاع کرو کہ سرکار آتے ہیں تیار رہیں پھر حکم ہوتا کہ پالکی تیار ہو۔ پالکی میں سوار ہوتے کہاروں کو حکم ہوتا کہ تیز چلیں۔ پھر شتر سوار دوڑاتے کہ جلدی واپس آکر خبر دیں کہ بیگم مسی ملیں پان کھائیں اور عمدہ لباس پہنیں اور ایک کے بعد دوسرا پے در پے اسی خیال فاسد کے ساتھ دوڑاتے کہ ہاتھ اور پاؤں مہندی سے رنگین ہوں، آئینہ سامنے رکھا ہو، منہ اور دانت صاف ہوں۔ ہر مرتبہ تشفی بخش جواب پہنچتا تھا کہ بیگم نہایت مشتاق، تیار اور منتظر بیٹھی ہیں۔

ان کی لڑکی دوسری بیوی سے تھی جس کا نکاح حکیم صاحب کے بڑے لڑکے محمد مرزا کے ساتھ ہوا تھا کچھ مدت تک ان (زوجہ محمد مرزا) کو باپ کے وثیقہ کے حصے سے سو روپیہ ماہوار ملتا رہا حکیم صاحب نے اس شادی میں پانچ لاکھ روپئے صرف کیے تھے اہل لکھنؤ کہتے ہیں کہ واجد علی شاہ کے بعد لکھنؤ میں کوئی شادی اس جلوس، زیب و زینت اور روشنی کے ساتھ نہیں ہوئی تھی۔

حکیم عطار الدولہ کا تجارت میں سخت نقصان اٹھانا اور لکھنؤ سے فرار

الغرض حکیم صاحب نے اپنی عادت جبلی کے مطابق پھر غفلت کا پردہ اپنی آنکھوں اور کانوں پر ڈال لیا۔ لاکھوں روپئے کا تجارت اور آڑھت کا کام کلکتہ سے پیشاور تک جاری کیا جا بجا گماشتے بھیج دیئے مال کی آمد و رفت جاری ہو گئی جب گماشتوں نے غفلت اور بے پروائی دیکھی تو تمام زر و مال اڑا دیا اور کوٹھیاں خالی کر کے چلتے بنے لاکھوں روپئے کی نالشیں ہوئیں بیگم صاحب (افسر بیگم) کو حکیم صاحب کے انجام کی خبر ہوئی۔ شیریں بیگم بھی کنارہ کر کے بیگم صاحب کے پاس پہونچ گئی۔ حکیم صاحب کی قرقی اور گرفتاری کے احکام جاری ہو گئے۔ حکیم صاحب بھاگ کر جہاز کے

ذریعہ شاہ فرانس کی عملداری میں بمقام ڈاگہ پہنچے۔ یہاں (لکھنؤ میں) تمام اثاث البیت زر و مال و متاع، گھوڑے، جرث، عطار و باغ، مکانات اور محلسرا جو حکیم صاحب نے بنوائی تھیں قرق و نیلام ہو گئیں۔

یہ تمام سامان ایک لاکھ اٹھائیس ہزار (۱۲۸۰۰۰) روپے میں نیلام ہوا جو اصل قیمت کا عشر عشیر ہے جزوی طور پر حصہ رسد قرض خواہوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ واقعہ و عروج ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء سے ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء تک بارہ سال کی مدت میں آغاز و انجام کو پہونچا۔

حکیم صاحب نے ڈاگہ کے گورنر سے ملاقات کی اور مفلسی کا سرٹیفکٹ حاصل کیا کہ یہ نہایت نادار و مفلس ہیں ان پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے گورنمنٹ کی منظوری کے بعد پھر ہندوستان تشریف لائے مدتوں پریشان اور سرگرداں رہے بمبئی اور حیدرآباد میں طبابت کے ذریعہ کچھ دن کاٹے۔

کلکتہ میں شہزادہ ارسطو خاں سے تعلقات

۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں شہزادہ ارسطو خاں سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی جو شاہزادگان اودھ سے تھے ان کو شہزادوں کے وثیقوں کے متعلق اطلاع بہم پہنچائی۔ ان کا وثیقہ نابالغی یا کسی اور وجہ سے بند تھا اور وہ افلاس میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ شہزادہ نے ان کو اس شرط پر مختار کر دیا کہ اگر وثیقہ جاری ہو جائے تو نصف تمہارا حق ہے اور نصف ہمارا حق ہے۔ حساب سے یہ رقم چند لاکھ روپیہ ہوتی تھی۔

انتقال

حکیم صاحب کی حسن سعی سے وائسرائے ہند کے یہاں سے (وثیقہ کے اجرا) میں کامیابی ہوئی شاہزادہ کے مصاحبین نے ان سے کہا کہ آپ کے وثیقہ میں حکیم صاحب شریک ہو گئے ہیں ان کا قصہ پاک کر دینا ہی بہتر ہے چنانچہ حکیم صاحب کے کھانے میں زہر دے دیا گیا اور مشہور کر دیا کہ ہیضہ میں مر گئے ان کی طرف سے کسی عزیز نے بوجہ افلاس پیروکاری نہ کی۔ یہ واقعہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں بمقام کلکتہ واقع ہوا۔ ان کی عمر ۱۶ سال ہوئی۔

اولاد

حکیم مرزا عبدالاحد کے دوسرے بیٹے احمد مرزا نے والد کے کاروبار کی برہمی کے بعد صیغہ پولیس میں افسری حاصل کی محمد مرزا اپنی ملازمت سے مستعفی ہو گئے تیسرا لڑکا علی مرزا تا خاندہ

اور جاہل رہا۔ محمد مرزا اور احمد مرزا دونوں بہت اتفاق سے رہتے تھے ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء میں لکھنؤ میں پندرہ روز کے اندر ایک کے بعد دوسرے نے انتقال کیا۔

احمد مرزا کا نکاح لکھنؤ کے بگڑے ہوئے روسا میں ہوا مگر مجھے معلوم نہیں کہ کون لوگ ہیں اسی طرح علی مرزا کے عقد کا حال معلوم نہیں ہے۔ البتہ اس قدر معلوم ہے کہ محمد مرزا کے چار لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ ان کے بڑے لڑکے حسن محمد عرف پتن صاحب بہت لائق اور صالح نوجوان تھے صیغہ پولیس میں افسر تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد اسی سال کنوارے مر گئے۔ دوسرا لڑکا پاگل ہے۔ اس میں اپنے نانا کا اثر ہے۔ تیسرا لڑکا باقر محمد ذی علم، متحمل اور با ادب ہے اور مولوی حامد حسن[1] صاحب کے کتب خانہ میں لکھنؤ میں ان علماء میں شامل ہے جو کتابوں کی تصحیح کرتے ہیں۔ ایک اس سے چھوٹا ہے۔ چار بہنیں ہیں کچھ اس سے چھوٹی ہیں اور کچھ بڑی ہیں سب کنواری ہیں۔ اور ان سب کا بار باقر محمد کی گردن پر ہے خدا روزی رساں ہے باقر محمد کی والدہ کا بھی اولاد کی شکستہ حالی میں گزشتہ سال (۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء) انتقال ہو گیا نہایت پرہیزگار تھیں احمد مرزا کی بیوی اپنے پدری وثیقہ سے دس روپے ماہوار پاتی ہیں اور احمد مرزا سے ایک لڑکی ہے۔

علی مرزا کے بھی کئی لڑکے اور لڑکیاں ہیں مگر مجھے تعداد معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس طرح اوقات بسری ہوتی ہے مگر اس کی ایک لڑکی کا نکاح اس کی پھوپی کے بیٹے سید فیض الحسن ساکن دہلی ولد سید احمد حسن (جو میرے خالو تھے) کے ساتھ ہوا ہے۔

---

[1] مولوی حامد حسن بن محمد قلی خاں لکھنؤ کے مشہور شیعہ عالم تھے۔ مولوی حامد حسن ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳٦ء میں پیدا ہوئے ۱۳۰٦ھ / ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے مولوی حیدر علی فیض آبادی کی مشہور کتاب منتہی الکلام کے جواب میں استقصاء الافحام لکھی استقصاء الافحام کے جواب میں مولوی حیدر علی فیض آبادی کے صاحبزادے مولوی محمد اسحاق نے ایک کتاب استیعاب الکلام لکھی ہے جو آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی کے کتب خانہ میں استقصاء الافحام کا ایک مطبوعہ نسخہ ہے اس کے صفحہ اول پر مولوی حامد حسن صاحب کے متعلق یہ یادداشت تحریر ہے۔

(محمد ایوب قادری)

مرزا غلام باسط (فرزند اصغر مرزا محمد اکرم

مرزا غلام باسط سنہ ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴-۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ دانشمند، وجیہ اور نہایت تن و توش کے مالک تھے ہمیشہ بڑے بھائی (مولوی عبدالقادر) کے ہمراہ رہتے تھے اور بڑے بھائی بھی ان کو مثل بیٹے کے رکھتے تھے اور ان کے بھائی جس خدمت کو سپرد کرتے تھے وہ بجالاتے تھے اور باپ کی طرح بھائی کا ادب کرتے تھے۔ کئی جگہ بھائی کے ذریعہ سے ملازم ہوئے مگر دلبستگی نہ ہوئی بڑے ناز سے زندگی گزارتے تھے۔ بڑے بھائی (مولوی عبدالقادر) کے سوا اپنے حقیقی بھائی (مولوی محمد ناصر) کی طرف جو صدر امین ہو گئے تھے رجوع نہیں کیا۔ کچھ زمین لے لی تھی اسی سے معاش حاصل کر لیتے تھے ۷۰ سال کی عمر میں (سنہ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰-۶۱ء) میں انتقال ہوا۔ اور رام پور میں مولانا جمال الدین لاہوری کے احاطے میں دفن ہوئے۔ ان کی شادی خلیفہ عبداللہ خوشنویس (ساکن رام پور) کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی ان کے لڑکوں اور لڑکی کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) ان کی لڑکی بخشی بیگم سنہ ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱-۲۲ء میں پیدا ہوئیں سنہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹-۹۰ء میں ۷۰ سال کی عمر میں مراد آباد میں انتقال ہوا۔ یہ مولوی عبدالقیوم کی بیوی تھیں۔

(۲) مرزا عبدالحی سنہ ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳-۲۴ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں ۵۸ سال کی عمر میں رام پور میں انتقال ہوا۔

(۳) مرزا احمد حسن سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷-۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱-۹۲ء میں ۶۶ سال کی عمر میں رام پور میں انتقال ہوا۔

(۴) مرزا علی حسن سنہ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰-۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶-۹۷ء میں ۶۸ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۵) مرزا محمد حسن سنہ ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴-۳۵ء میں پیدا ہوئے اس تحریر کے زمانہ سنہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء تک بفضلہ زندہ ہیں ۶۷ سال کی عمر ہے خدا ان کو زیادہ دنوں تک زندہ رکھے۔

مرزا عبدالحی بن مرزا غلام باسط

مرزا غلام باسط کے بڑے لڑکے مرزا عبدالحی نے سنہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں ۵۸ سال کی عمر میں رام پور میں وفات پائی۔ ان کا ایک لڑکا محمد کاظم ہے۔

مرزا محمد کاظم ابن مرزا عبدالعلی

ذہانت لیاقت، اور جودتِ طبع میں اپنے اقران و امثال سے گوے سبقت لے گئے ہیں۔ دانشمندی اور حکیمانہ فکر سے متصف ہیں تاریخ و سیر کی کتابیں ہر وقت پیش نظر رہتی ہیں۔ اور فرصت کے وقت بری و بحری سیر و سفر میں وقت گزارتے ہیں، غرض اپنی عمر گرانمایہ کو بیکار نہیں کھوتے ان کا ایک بیٹا ہے جس کا مجھے نام یاد نہیں ہے۔

مرزا محمد کاظم کی شادی مرزا عمر دراز بیگ عرف سلطان ولد مرزا قاسم بیگ کی بیٹی کے ساتھ ہوئی ہے (مرزا عمر دراز بیگ) مراد آباد کے ذی عزت مغل اور اس شہر کے سربرآوردہ لوگوں میں ہیں محکمہ چیچک میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہیں، اب پنشن پاتے ہیں اور خانہ نشین، معزز، کنبہ پرور، ہوشمند، صلح کل اور ہر دلعزیز ہیں۔

حکیم مرزا احمد حسن بن مرزا غلام باسط

مرزا غلام باسط کے دوسرے بیٹے مرزا احمد حسن، حکیم اور طبیب حاذق تھے۔ عرصہ دراز ہوا کہ باپ سے آزاد ہو کر رام پور سے بھاگ گئے اور باندہ میں اپنے ماموں کے پاس پہونچ کر علم طب سیکھا پھر چند سال کے بعد رام پور آئے ریاست رام پور میں وکالت کرتے تھے ان کی شادی نواب بیگم دختر عبداللہ خاں نبیرہ مشرف خاں کے ساتھ ہوئی جو انتظام بیگم بنت مولوی عبدالقادر خاں مرحوم کے بطن سے تھی ان کا ایک لڑکا محمود الحسن اور ایک دختر تھیں۔ لڑکی کا نکاح ہو گیا تھا ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ مرگئی۔ مرزا احمد حسن نے سنہ ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۱ء میں ۶۶ سال کی عمر میں رام پور میں انتقال کیا۔

مرزا محمود الحسن بن مرزا احمد حسن

محمود الحسن جوان، خوش رو اور صاحب لیاقت ہیں سرکار رام پور میں روزگار اور بسر اوقات کے تعلقات پیدا کر لئے ہیں۔

مرزا علی حسن بن مرزا غلام باسط

مرزا غلام باسط مرحوم کے تیسرے لڑکے مرزا علی حسن تھے جن کا ۶۸ سال کی عمر میں سنہ ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۶ء میں انتقال ہوا۔ وہ اپنے چچازاد بھائی مرزا علی نقی مرحوم کے بعد ریاست رام پور کے سرکاری شطرنج بازوں کے اساتذہ میں ملازم ہوئے ریاست (رام پور) سے وظیفہ پاتے تھے دور دراز سے لوگ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے آتے اور مات کھا کر چلے جاتے۔ مرزا علی حسن صاف دل، نیک نہاد، لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے اور پاک عقیدہ

رکھتے تھے اوائل عمر میں لکھنؤ میں غیر کفو میں نکاح کر لیا تھا جس سے تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

اولاد مرزا علی حسن

بڑے لڑکے عابد حسین، لائق، متحمل اور باپ کے ہم شبیہ ہیں سرکار رام پور میں فوجداری کے سررشتہ میں محرر ہیں۔

دوسرے لڑکے مرزا ہادی حسن عرف شہزاد مرزا فن شطرنج بازی میں اپنے باپ کے قائم مقام ہیں۔ کوئی ان سے بازی نہیں لے جاسکتا۔ ذہین اور طبع رسا کے مالک ہیں لیکن نازک مزاج اور غصّہ ناک ہیں بات برداشت نہیں کر سکتے۔ اور رام پور کی سرکار سے باپ سے زیادہ تنخواہ پاتے ہیں۔

مولوی عبدالرزاق رامپوری (مرزا علی حسن کے سمدھی)

تیسرے لڑکے نے جوانی میں افیون کھا کر خودکشی کر لی وجہ معلوم نہیں ہوئی ان کی بیٹی مولوی محمد یعقوب ولد مولوی عبدالرزاق ولد مولوی محمد سالم ولد مولوی سلام اللہ محدث) کی بیوی ہیں مولوی عبدالرزاق عالم و فاضل، مولوی عبدالسلام ولد مولوی محمد سالم کے بھائی (دوسری والدہ سے) سے تھے مولوی عبدالرزاق بھی شطرنج خوب کھیلتے تھے۔

مولوی عبدالرزاق کی شطرنج بازی اور بچے کی موت وتدفین

مولوی عبدالرزاق کا ایک سال کا لڑکا بیمار تھا ان کی بیوی نے کہا کہ جو عطار قریب ہی ہے اس کی دوکان سے دوا نہیں ملی آپ کہیں اور تلاش کر کے لے آیئے تاکہ بچہ کی زندگی ہو جائے چنانچہ جوش محبت کی وجہ سے مولوی صاحب روانہ ہوگئے، اثنا راہ میں لوگوں کو دیکھا کہ شطرنج کھیل رہے ہیں وہاں ٹھہر گئے کچھ دیر شطرنج کھیلنے والوں کو مہرہ بدلنے کے متعلق ہدایات دیتے رہے اس کے بعد خود کھیلنا شروع کر دیا اور اس قدر کھیلے کہ تمام رات چراغ کی روشنی میں کھیلتے رہے اس درمیان میں بچہ مر گیا اور ان کے اقربا اس کو دفن کر کے واپس آئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، جب مولوی صاحب شطرنج سے فارغ ہوئے تو دوا لے کر جلدی سے گھر پہونچے دیکھا کہ عورتیں جمع ہیں اور بچہ کی یاد میں رو رہی ہیں مولوی صاحب نے دوا طاق میں رکھ دی اور خود بھی رونے لگے اور کہا کہ افسوس ہم

---

۵۱ امامیہ مذہب مراد ہے۔

دوا لائے موت نے اتنا بھی توقف نہ کیا کہ دوا تو پہونچ جاتی۔

نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور سے بازی لے جانا

ایک روز مولوی (عبد الرزاق) صاحب نواب یوسف علی خاں (والیٔ رام پور) کے ہمراہ شطرنج کھیل رہے تھے نواب صاحب نے اپنا ایک مہرہ ایک خانہ سے اٹھاکر دوسرے میں رکھ دیا اور پھر اس کو پہلے ہی خانہ میں لوٹا لائے مولوی صاحب نے نواب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر زور کیا اور کہا کہ حضور کو رفتار بدلنے نہ دوں گا۔ نواب صاحب مسکرائے اور اپنی رفتار کو نہ بدلا نواب صاحب کو مات ہوگئی۔ مولوی صاحب بے تابانہ دونوں ہاتھیوں (مہروں) کو اپنے دونوں ہاتھوں میں مجیروں کی طرح لے کر نواب صاحب کی مجلس کے فرش پر دوڑ رہے تھے اور حالتِ وجد میں کبھی اس طرف جاتے تھے اور کبھی اُس طرف سے اس طرف آتے تھے اور نواب صاحب کے ارکانِ دولت کے روبرو جو صف بستہ ادب سے بیٹھے تھے یہ مصرع پڑھتے تھے۔

ع

بینی کٹی تو سر بھی پھٹا ایک نشد دو شد

حضور ممدوح اپنے ہاتھ کو رخسارہ پر رکھے ہوئے مولوی صاحب کی دوڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ نواب صاحب کے حلم کا کیا کہنا، ان کی استقامت اور بردباری پہاڑ پر سبقت رکھتی ہے اس کیفیت کو ازراہ عفو و چشم پوشی نظر انداز فرمایا۔ جو کریماں عالی وقار اور ذوی الاقتدار کا شیوہ ہے بلکہ اس حرکت کے بدلہ میں مولوی صاحب کی ترقی کردی۔ دربار کے برخاست ہونے کے بعد لوگوں نے مولوی صاحب کو ملامت کی مولوی صاحب نے کہا کہ میں خود حیران ہوں کہ مجھ سے یہ کیا حرکت ہوئی میں اس قدر محو اور از خود رفتہ ہوگیا تھا کہ مجھے کچھ خبر نہ رہی پھر نواب صاحب کے حضور میں گئے اور دست بستہ تقصیر کی معافی چاہی نواب صاحب نے کشادہ پیشانی سے ان کی دلجمعی فرمائی۔

مولوی محمد یعقوب بن مولوی عبد الرزاق رامپوری

مولوی عبد الرزاق کے بیٹے مولوی محمد یعقوب عالم، خوش خو، خوش بیان، ظریف الطبع بزلہ سنج، شطرنج باز، نجومی، رمال، عامل، جفر داں، منشی متلون المزاج اور مغتنمات زمانہ سے ہیں ان کے بھی لڑکے اور لڑکیاں ہیں تفصیل اور نام مجھے معلوم نہیں۔

مرزا علی حسن مرحوم نے پہلی بیوی کے مرنے کے بعد آخر عمر میں عبداللہ خاں نبیرہ مشرف خاں کی لڑکی سے نکاح کر لیا تھا جن کی والدہ افغانان سنبھل کے خاندان یعنی نجیب سے خاں یا نواب امیر خاں والیِ ٹونک کے خاندان سے تھیں لیکن ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی. اور اب بیوہ بیٹھی ہیں۔

مرزا محمد حسن بن مرزا اعلام باسط

مرزا اعلام باسط کے چوتھے فرزند مرزا محمد حسن ہیں وہ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵-۶ء) میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنی جوانی طالب علمی میں گزاری جو اس خاندان کا طریقہ ہے۔

ملازمت

تلاشِ روزگار میں شہر و دیار میں سیاحی کی میرے بڑے بھائی کے ساتھ ہم عمری کی وجہ سے (اگرچہ عمر میں ان سے ایک دو سال چھوٹے ہیں) دوستانہ اور برادرانہ ارتباط ایسا تھا کہ ایک جان اور دو قالب کہہ سکتے ہیں. ہمتِ مردانہ کے ساتھ کوشش کر کے جیل کے داروغہ ہو گئے.

داروغہ جیل مقرر ہونا

مرزا محمد حسن ضلع شاہجہان پور، بجنور، بدایوں اور گورکھپور میں داروغہ جیل کے عہدہ پر فائز رہے. جیل کا کام سب سے زیادہ دشوار ہے اس کو نیک نیتی، حُسنِ انتظام اور دیانت سے انجام دیا۔ قیدیوں اور ان کے محافظوں کی نگہداشت رکھی حکام کی عنایت سے سرفراز ہوئے اور ترقی پائی۔

مقدمہ میں ماخوذ ہونا

مرزا محمد حسن کے ماتحتوں نے ان کی سخت نگاہی کی وجہ سے اور اس بنا پر کہ وہ (محافظ) قیدیوں اور ان کے ورثا سے مل جاتے تھے نمک حرامی اختیار کی وہ ان کے بظاہر مطیع رہتے تھے اور بباطن ان سے کینہ و نفاق رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے آپس میں صلاح کر کے افترا پردازی کی اور ایک مقدمہ بنایا چونکہ فلک جفا پیشہ کے کینہ سے بے خبر اور اپنی صفائی کے کام سے بے اندیشہ تھے ذرہ بھر دل میں ہراس و وہم نہ لائے. مگر مثل مشہور ہے:

مور چگاں را چو بود اتفاق
شیرِ ژیاں را بدر آرند پوست

ترکِ ملازمت

مرزا محمد حسن نے اہلِ نفاق کے اتفاق کرنے کی وجہ سے ان لوگوں میں ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا اور حکامِ وقت کی ناانصافی پر کُڑھے اور کام سے دست کشیدہ ہو کر اپنے گھر

آ گئے ؎

دیدی کہ گفت زال بارستم گرد
دشمن نتواں حقیر وبیچارہ شمرد
دیدیم بسے آب ز سرچشم خورد
چوں بیشتر آمد شتر و بار ببرد

اس کے بعد ان کو ایسی افسردگی لاحق ہوئی کہ اپنے تایا کی طرح انگریزی ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا۔

سلسلہ زراعت وکاشتکاری

اگرچہ مرزا محمد حسن کی دانشمندانہ اور دور اندیشانہ رائے نہایت مستحکم ہے لیکن مقدرات الٰہی میں کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کا نقصان عقبیٰ کے مفاد کا باعث ہوتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ بسا اوقات جو سامان تدبیر سے درست کیا جاتا ہے تقدیر کے مخالف ہوتا ہے۔

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ [۱]

اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے لئے اور شاید تم کو خوش لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے لئے۔

مگر وہ ایسے شیر دل ہیں کہ انہوں نے افکار و ترددات کی کثرت کے باوجود استقلال کو نہیں چھوڑا، کاشتکاری اور زراعت کے ذریعہ اپنی طاقت کے مطابق سامانِ معیشت ایسا بڑھایا کہ اس سے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھل گیا اور اللہ کے فضل سے خوش پوشی و خوش خوراکی، کنبہ پروری اور رئیسانہ طور سے زندگی گزارتے ہیں سوائے خدا کی درگاہ کے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

اولاد

مرزا محمد حسن کا نکاح محمد نیاز علی خاں ولد کریم اللہ خاں ولد مشرف خاں جو سلطان ابراہیم لودی بادشاہ ہند کے خاندان سے ہیں کی لڑکی کے ساتھ ہوا، ان کے تین بیٹے اور دو لڑکیاں ہیں۔

محمد سلطان یعنی محمد احمد

نوجوان، صاحبِ اولاد، غصہ ناک اور کوتاہ اندیش ہیں مگر عربی ادب

[۱] سورۂ بقرہ رکوع ۲۶

اور علم طب میں بوجہ ذہانت کافی مہارت رکھتے ہیں مگر مستغنی المزاج ہیں۔

محمد احسن | خوش رو، خوش خو، وسیع اخلاق کے مالک، ذہین، بُردبار، دانشمند، دوراندیش، سعادتمند ہیں بقول ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی ‏ ‏ ‏ می تافت ستارۂ بلندی

وکالت کی سند حاصل کی ہے مگر ابھی ماں باپ کے پاس رہتے ہیں پہلی لڑکی محمود الحسن کو بیاہی ہے جو مرزا صاحب کے بھتیجے ہیں اور دوسری لڑکی خواجہ محمد حسن ولد خواجہ وزیر علی کو جو ریاست رامپور کے موروثی خانساماں ہیں بیاہی ہے۔ خواجہ وزیر علی خانساماں، قوم انصار سے ہیں۔ نواب مشتاق علی خاں اور نواب معصوم علی خاں بھی اسی قوم سے ہیں ایسا کہا جاتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

مرزا غلام باسط کی ایک لڑکی فاطمہ بیگم ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء میں ۸۰ سال کی عمر میں دوسری لڑکی والیہ بیگم ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں ۹۳ سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔

مرزا عبد الہادی فرزند اکبر مولوی عبد القادر | وہ (عبد الہادی) مولوی عبد القادر کے بڑے بیٹے تھے ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوئے ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء میں ان کے چچا محمد ناصر کی لڑکی حسینی بیگم کے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔ مرزا عبد الہادی صاحب علم و وجاہت وسیع اخلاق اور عقل بلیغ کے مالک اور نزدیک و دور مشہور تھے ۱۸۳۱ء میں انگریزی ملازمت شروع کی چالیس سال تک دیانت اور وقار کے ساتھ ملازمت کی، دیوانی کی سررشتہ داری سے تحصیلداری، اور ڈپٹی کلکٹری تک پہونچے ضلع مراد آباد میں (خاص مراد آباد) سنبھل، حسن پور، بلاری، امروہہ، ٹھاکردوارہ، ضلع شاہجہان پور، اور ضلع گورکھپور وغیرہ میں ملازمت کی ۸ر شوال بروز یکشنبہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۸۶۸ء بعمر ۶۹ سال بمقام پوایاں (ضلع شاہجہانپور) ۶۹ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

اولاد | مرزا عبد الہادی کے پانچ بیٹے اور نو لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں ایک لڑکا اور نو لڑکیاں مر چکی ہیں۔ چار بیٹوں کا حال یہ ہے:۔

(۱) مرزا نظام الدین احمد ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۲۹ سال کی عمر میں ماہ جون ۱۸۶۲ء

میں انتقال کیا۔

(۲) مرزا نصیر الدین محمد (یعنی راقم) بسنہ ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوا۔ تحریر ہذا بسنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء تک ۶۴ سال کی عمر ہو چکی ہے ابھی تک زندہ ہے اور مبلغ ۵۰ ماہوار پنشن ملتی ہے۔ تحصیلداری درجہ اول سے پنشن یاب ہوا ہے[1]

(۳) مرزا قطب الدین سلمہ اللہ تعالیٰ بسنہ ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ نگینہ میں سررشتہ دار ہیں[2]

(۴) مرزا محمد تقی بسنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ ضلع بدایوں میں ڈپٹی کلکٹر کے سررشتہ دار اور پیشکار ہیں۔[3]

---

[1] مرزا نصیر الدین کا انتقال سنہ ۱۹۰۹ء میں ہوا۔

[2] مرزا قطب الدین کے کئی صاحبزادے تھے جن میں ایک کا نام مرزا ہادی حسن تھا۔ ہادی حسن صاحب کے بھی کئی لڑکے تھے جن میں ایک مرزا نصیر الحسن، نصیر ہیں۔ نصیر نہایت کہنہ مشق شاعر ہیں لطیفہ گوئی بذلہ سنجی گویا ان کا خاندانی ورثہ ہے۔ زمانے کا سرد و گرم چکھے ہوئے ہیں۔ امام بارہ رضویہ کالونی کراچی کے شعبۂ انتظامیہ میں ملازم ہیں ان کے چھوٹے بھائی مرزا تقی الحسن نوبہار تخلص فرماتے ہیں نہایت صالح دین دار نوجوان ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ میں حضرت مولوی محمد احمد صاحب نقشبندی سے بیعت ہیں ان کے ایک خوش سال صاحبزادے مرزا محمد عارف ہیں خدا تعالیٰ اس بچے کو اپنے والدین کے زیر سایہ علم و عمل کی دولت سے نوازے

[3] مولوی وحید احمد مسعود صاحب رئیس شیخوپور بدایوں اپنے مکتوب مورخہ ۲ر اگست سنہ ۱۹۶۱ء میں لکھتے ہیں:۔

> "مرزا محمد تقی کلکٹری میں پیشکار رہتے کسی وکیل کی ضمانت کی تھی یا تصدیق کی تھی مقدمہ چلا تو وکیل صاحب اور مرزا محمد تقی صاحب دونوں کو سزائے قید ہو گئی پھر وہ بعد رہائی بدایوں رہنے لگے اور آخر میں مراد آباد چلے گئے جہاں ان کا انتقال سنہ ۱۹۳۶ء میں ہوا۔"

مرزا محمد تقی کی زوجہ اول سے مرزا علی رضا اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ مرزا علی رضا ظریف تخلص فرماتے تھے ان کا دیوان مولوی وحید احمد مسعود صاحب کے پاس موجود ہے مرزا علی رضا نے ابو طالب اصفہانی کے سفرنامہ انگلستان و افریقہ (سیر طالبی) کا اردو ترجمہ کیا ہے یہ کتاب مراد آباد سے طبع و شائع ہوئی ہے۔ مرزا محمد تقی کی دوسری بیوی بدایوں کی تھیں جن سے ایک صاحبزادی صفیہ بیگم اور تین لڑکے انور علی، علی سلطان اور علی نواب پیدا ہوئے۔ صفیہ بیگم مولوی وحید احمد مسعود (بن شیخ امیر احمد بن شیخ شرف الدین) رئیس شیخوپور بدایوں کو بیاہی ہیں۔ مولوی وحید احمد کے چار صاحبزادے بشیر احمد، فرید احمد، انیس احمد اور امین احمد اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ بڑی صاحبزادی قریشہ بیگم، لودھیانہ کے نامور رئیس ملک التجار آنریبل خواجہ احمد شاہ کے پوتے خواجہ یونس (بن خواجہ یوسف شاہ) کو منسوب ہیں اور لاہور میں رہتی ہیں۔ دوسری لڑکی سعیدہ بیگم طیب بخش ابن مولوی محمد یعقوب بخش راغب بدایونی کو بیاہی ہیں سلمیٰ بیگم ناکتخدا ہیں۔ مولوی وحید احمد مسعود جناب ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے (باقی اگلے صفحہ پر)

میری والدہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء میں ۳۹ سال کی عمر میں فوت ہوئیں ان کی قبر دہلی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مسجد میں واقع ہے۔

مرزا نظام الدین بن مرزا عبدالہادی

مرزا عبدالہادی کے بڑے صاحبزادے مرزا نظام الدین نے اپنے والد کے انتقال کے دس سال بعد عین عالم شباب میں درد گردہ کے مرض میں انتقال کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو کسی عورت نے رقابت کی وجہ سے زہر دے دیا تھا مرزا نظام الدین ۱۸۵۶ء میں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ جون ۱۸۶۱ء میں انتقال ہوا۔ اس وقت قصبہ سلون (ملک اودھ) میں تحصیلدار تھے۔ جس وقت ان کا جنازہ دفن کرنے کو لیئے جا رہے تھے تو ڈپٹی کلکٹری کا حکم پہونچا جس کو ملک اودھ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کہتے ہیں۔

۱۸۵۷ء میں لکھنؤ میں تقرر

غدر ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خیر خواہی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور سلطنت انگلشیہ کے دشمنوں کے ساتھ ایسی مردانہ لڑائیاں لڑیں کہ ان کے سامنے رستم و اسفندیار کے کارنامے بھی افسانے معلوم ہوتے ہیں۔

شہزادہ کریم الشجاع نبیرہ بہادر شاہ ظفر سے مقابلہ

جب مرزا کریم الشجاع ابن مرزا دارا بخت ولی عہد سابق بہادر شاہ غدر کے زمانہ میں اودھ میں آیا اور بیگم باغیہ[1] کی طرف سے سپہ سالار ہوا تو اس سے (اور مرزا نظام الدین) سے بیسواڑہ کے پاس بڑی سخت جنگ ہوئی مرزا نے توپیں چھین لیں اور شہزادہ فرار ہو گیا۔

مرزا نظام الدین کی شادی مولوی محمد میاں ولد مولوی نور الاسلام ولد مولوی سلام اللہ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) مولوی حامد حسن صاحب صاحب طرز ادیب اور درویش صفت رئیس ہیں ۱۹۲۱-۲۲ء میں قریب دو سال بدایوں سے ایک ماہنامہ نقیب نکالا جس کی اس زمانہ میں بڑی دھوم تھی۔ سیاست میں کانگریس کے ساتھ ہے۔ آزادی ہند کے بعد ۱۹۴۶ء میں پنڈت گوبند بلبھ پنت کی پہلی وزارت میں پنت صاحب کے پارلیمنٹری سکریٹری رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں تصوف پر کئی چھوٹے چھوٹے کتابچے چھپ چکے ہیں مختلف مضامین کا مجموعہ گرد راہ کے نام سے شائع ہوا ہے خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری کی سوانح عمری نہایت تحقیق سے مرتب فرمائی ہے جو کراچی سے شائع ہوئی ہے ایک دوسری کتاب "شرق میں اسلام" زیر طبع ہے خاکسار مرتب کے کرم فرما ہیں۔

[1] حضرت محل والدہ برجیس قدر مراد ہیں جنہوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف اودھ میں محاذ قائم کیا۔ (م-ا-ق)

کی لڑکی کے ساتھ رام پور میں ہوئی ان کی بیوی کا نام نگینہ بیگم تھا یہ دوسری لڑکی تھی جو شاہ عبد الحق دہلوی کی اولاد سے اس خاندان میں آئی تھی۔

مرزا سراج الدین بن مرزا نظام الدین

نگینہ بیگم سے ایک لڑکا محرم سنہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء میں ہوا اس کا نام سراج الدین ہے اور آجکل سنہ ۱۳۱۶ھ میں تحصیل بیسل پور ضلع پیلی بھیت میں محرر تحصیل ہے۔ سراج الدین کو ماں دو سال کا چھوڑ مری تھی اس کی نانی نے اس کو چند سال رکھا تعجب کی یہ بات ہے کہ باوجود بڑھاپے کے جوشِ محبت کی بنا پر ان کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا جو اس شیر خوار کی زندگی کا سبب ہوا۔ جب پانچ سال کا ہوا تو والد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کی پرورش اسکے دادا (میرے والد) مرزا عبد الہادی نے چودہ سال تک کی پھر دادا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ اس کے بعد اس کی سرپرستی میرے ذمہ رہی۔ میرے والد اس پر بہت شفیق تھے باوجودیکہ میرے بھائی (مرزا نظام الدین) محروم الارث مرے مگر میرے والد نے بقدر چہارم حصہ جائداد سراج الدین کے نام کردی مگر اس نے نصف لہو ولعب میں تباہ کر دی بقیہ نصف جائداد سراج الدین سے انکی زوجہ یعنی صغریٰ بیگم عرف ممتاز جہاں بیگم جو راقم الحروف کی زوجۂ اوّل کی پہلی لڑکی) کے نام حفظ حقیہا کے لحاظ سے اپنے دونوں بھائیوں (مرزا قطب الدین اور مرزا محمد تقی) کے مشورے سے لکھوالی گئی۔ سنہ ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں ایک لڑکا انتظام الدین اور سنہ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء میں ایک لڑکی سعیدہ سلطان بیگم پیدا ہوئیں سراج الدین کی وحشیانہ طبیعت اور ظالمانہ مزاج کی وجہ سے ان دونوں بچوں اور ان کی والدہ کو سراج الدین کی نانی اور نانا کے پاس دہلی بھیج دیا گیا ان کی آراضی کی آمدنی کے علاوہ میں بیس روپے ماہوار ہمیشہ ان کو بھیجتا ہوں۔

مولوی انوار الحق دہلوی (حنفی)

میری لڑکی (زوجہ سراج الدین) نماز، روزہ، تلاوت قرآن وظائف اور فقہی مسائل کے پڑھنے میں مشغول رہتی ہے اس نے فقہی مسائل اپنے بڑے ماموں مولوی انوار الحق بن مولوی احسان الحق بن مفتی اکرام الدین (کلو صدر امین دہلی) سے حاصل کئے۔ مولوی انوار الحق صاحب شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی اولاد میں ہیں اپنے اقران و امثال میں علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز ہیں میری بیوی مولوی صاحب کی

چھوٹی بہن تھیں اور یہ تیسری لڑکی تھی جو شیخ عبدالحق محدث کی اولاد سے ہمارے خاندان میں آئی۔[1]

مرزا انتظام الدین بن مرزا سراج الدین

انتظام الدین (پسر سراج الدین) کی باپ سے جُدائی اس کے حق میں اکسیر ثابت ہوئی خدا کے فضل، ماں کی رات دن کی سعی بلیغ اور تاکید سے اس نے عربی، فارسی، انشا پردازی، نظم و نثر، اور انگریزی ایف۔اے تک حاصل کرلی ہے بی۔اے پاس کرنے کی کوشش میں ہے۔ انشاءاللہ ایک سال میں اپنی مراد کو پہونچے گا اور ممکن ہے اس خاندان کے اقبال کا ستارہ جو ڈوب گیا ہے پھر اَوج پر آجائے۔ انتظام الدین کی بہن سعیدہ سلطان بیگم ہے۔

مولوی عبدالقیوم (فرزند اصغر مولوی عبدالقادر)

مولوی عبدالقیوم سنہ ۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے تاریخی نام غلام قیوم ہے ان کا مزاج سپاہیانہ تھا قوم برلاس کی وضع کے حامل تھے اگرچہ بارعب اور غصہ ناک شخص تھے مگر نہایت صاف دل اور بے کینہ تھے، نہ کسی فقیر کے مرید تھے اور نہ کسی بادشاہ کی پرواہ کرتے تھے اپنے والد کے زیر سایہ شاہانہ مزاج کے ساتھ خوشی خوشی زندگی گذارتے تھے اپنے باپ یعنی میرے دادا کی زندگی میں جب تک وہ صدر الصدور رہے ان کو ایک سو روپیہ ماہانہ ملتا رہا۔ اور جب زمانہ انحطاط آیا تو جس قدر مناسب ہوا وہ ملا۔ والد کے انتقال کے بعد بڑے بھائی یعنی میرے والد مرزا عبدالہادی، جانشین ہوئے انہوں نے بھی والد کی مراعات کو بھائی کے حق میں جاری رکھا۔

---

[1] مولوی سید احمد ولی اللہی مؤلف یادگار دہلی لکھتے ہیں:-

"مولوی صاحب موصوف (مولوی انوار الحق) نہایت مقدس اور محترم بڑے ذی علم منکسر المزاج فقیر دوست روسائے شہر میں سے ہیں آپ مدت دراز تک میر منشی ایجنٹ گورنر صاحب راجپوتانہ کے عہدے پر ممتاز رہے۔ اس کے بعد حکام نے ازراہِ قدر دانی وکالت بھرتپور کے عہدے پر مامور فرمادیا تھا لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد مولوی صاحب نے خود اس سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب شب و روز کتب بینی اور یاد الٰہی میں بسر ہوتی ہے ۱۲ ربیع الاول کو ہر سال عرس حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ پر مولوی صاحب موصوف مجلس میلاد شریف بکمال خلوص منعقد کرتے ہیں آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی مصباح الدین ہیں۔" (یادگار دہلی ص۱۱)

مرغبازی اور کبوتر بازی کا شوق

مرزا عبد القیوم کو مُرغ بازی اور کبوتر بازی کا بڑا شوق تھا۔ یہ کبوتر بازی کا موروثی شوق ہے، اُن کے دادا مرزا محمد اکرم بھی کبوتر اُڑایا کرتے تھے اور جیسا کہ ان (مرزا عبد القیوم) کو مرغبازی کا شوق تھا میرے والد (مرزا عبد الہادی) کو بھی تھا۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ میرے والد کے مرغ بہادر خاں رسالدار کے مرغوں سے لڑنے کے لئے حسن پور جایا کرتے تھے اور مُرغ بازی کا برائے نام شوق میرے بھائی (مرزا نظام الدین) میں بھی تھا اور وہ کبوتر بھی اُڑاتے تھے، کبوتر بازی اور مُرغ بازی کا شوق والدہ کے خاندان سے بھی ہم کو پہونچا ہے کیونکہ شیخ محمد قدرت اللہ (والدہ کے ماموں) مراد آباد کے بڑے کبوتر بازوں اور مرغ بازوں میں تھے۔

انتقال

میرے چچا مولوی عبد القیوم ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء زمانۂ غدر میں رام پور سے اپنے بھتیجے یعنی میرے بڑے بھائی (مرزا نظام الدین) سے ملاقات کے لئے جائس ملک اودھ گئے وہیں غدر ہو گیا بُخار میں مبتلا ہو گئے اور وہیں ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوا۔ ۴۶ سال کی عمر ہوئی تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔

مرزا نصیر الدین محمد بن مرزا عبد الہادی

ابتدائی حالات

مرزا عبد الہادی کا دوسرا لڑکا راقم الحروف ہے تاریخی نام آغا میر ہے پکارنے کا نام نصیر الدین محمد ہے ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوا ہوں۔ میرے تفصیلی حالات کے لئے ایک دفتر چاہیئے لیکن مختصر حالات یہ ہیں: میری والدہ کا انتقال ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء میں ہوا۔ اُس وقت میری عمر بیس سال کی تھی اور میں نے صرف نحو، منطق (عربی) اور فارسی کی تحصیل کر لی تھی۔

امتحان وکالت

تحصیل علم سے فراغ حاصل کرنے کے بعد کسی کی مدد کے بغیر میں نے قانون یاد کرنا شروع کر دیا اور امتحان دیا پہلی ہی مرتبہ سنہ ۱۸۵۵ء میں وکالت کے امتحان میں کامیاب ہو گیا اور سند حاصل کر لی۔

امتحان منصفی

میں نے چھ ماہ تک وکالت کی اور اپنا خرچ وکالت کی آمدنی سے چلایا ۱۸۵۵ء میں بریلی میں منصفی کا امتحان دیا اور منتخب ہو گیا مگر چند سوالات ظاہر ہو گئے تھے اس اشتباہ کی

وجہ سے امتحان دوبارہ ہونا تجویز ہوا۔ میں نے طے کر لیا کہ اب امتحان نہیں دوں گا۔

شادی ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) میں خورشید جہاں بیگم بنت مولوی احسان الحق بن مفتی اکرام الدین صدر امین دہلی کے ساتھ ہوا اسی سال تپِ دق کے مرض میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا اس زمانے میں میرے والد مولوی عبدالہادی صاحب شاہجہان پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے میں ان کے پاس شاہجہانپور پہونچا۔

اودھ کا انگریزی حکومت میں الحاق والد صاحب (مرزا عبدالہادی) مجھے جان بیلی صاحب کے پاس لے گئے جو پہلے مراد آباد میں کلکٹر تھے اور اب اودھ کو جا رہے تھے کیونکہ اودھ واجد علی شاہ سے لے لیا گیا تھا[1]

صاحب ممدوح سے والد صاحب نے سفارش کی اور عرض کیا کہ اس کے بڑے بھائی نظام الدین کو جارج بیلی صاحب نے جائس میں تحصیل دار مقرر کر دیا ہے جو آج کل کمشنر اودھ ہیں اس کو آپ کہیں مقرر کر دیں۔ صاحب ممدوح نے فرمایا کہ لکھنؤ پہونچنے اور وہاں کے حالات دیکھنے کے بعد جب میں اس کو طلب کروں تو بھیجدیا جائے۔

مرزا نصیر الدین کا لکھنؤ میں سررشتہ دار ہونا چنانچہ صاحب نے لکھنؤ پہنچنے کے بعد مجھے طلب فرمایا میں لکھنؤ پہونچا۔ خیر آباد میں مکا خیاط کا امام باڑہ[2] جو بہت مشہور تھا دیکھا میں لکھنؤ پہونچ کر صاحب کی

---

[1] ۷ فروری ۱۸۵۶ء مطابق ۹ رجمادی الاول ۱۲۷۲ھ کو سرکار کمپنی کا اشتہار جاری ہوا کہ اودھ کا سرکار کمپنی بہادر نے خود سنبھال لیا تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۱۲۹ تا ۱۲۵

[2] مکا درزی خیرآباد کا رہنے والا تھا نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں سرکاری ملازمت میں آیا نہایت چالاک اور اپنے فن میں استاد تھا بادشاہ کی طبیعت عیش پسند تھی۔ حرم کی عورتوں کے زنانہ لباس عمدہ عمدہ سی کر لاتا اس طرح درزیوں کا داروغہ مقرر ہو گیا۔ پھر مصاحبت شاہی حاصل کر لی اور مکا خاں کہلانے لگا۔ اس زمانے میں ملک کی تہائی آمدنی عورتوں کے مصارف میں صرف ہوتی تھی چند سال میں لاکھوں روپے کا کاروبار پھیلا دیا۔ روشن الدولہ کے زمانے میں بہت سا علاقہ حاصل کر لیا لکھنؤ میں بڑی عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ ایک کٹرہ تعمیر کرایا۔ دریائے گومتی کے پار مکا گنج بنوایا۔ مسافروں کے لئے سرائے بنوائی۔ خیرآباد میں پختہ حویلی سرائے۔ دیوان خانہ، امام باڑہ، مسجد، زیارت گاہ، قدم رسول، خانقاہ اور حوض بنوایا۔
تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ اودھ از نجم الغنی جلد پنجم صفحہ ۳۳۲ ـ ۲۳۸ (مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۹ء)

کوٹھی پر حاضر ہوا۔ صاحب نے اپنا سررشتہ دار مجھے مقرر کیا۔ کارخانہ جات شہر اور املاک نزدل کا انتظام سپرد ہوا یہ پروانہ میرے ہی ہاتھ سے لکھوایا دستخط کئے اور میرے سپرد کر دیا والد صاحب کو میں نے اطلاع کر دی۔

ملازمت سے علیحدگی مارچ ۱۸۵۷ء میں یہ محکمہ تخفیف میں آگیا اور بیلی صاحب دوسرے ضلع کو تبدیل ہو گئے۔ کارینگی صاحب سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ مجھے چالیس روپیہ ماہوار کی نوکری دیتے تھے مگر میں نے قبول نہیں کی ایک شخص چنی کو ساتھ لے کر جائس پہونچا جہاں میرے بھائی (نظام الدین) تحصیل دار تھے۔

دہلی روانگی جائس میں مجھے والد صاحب کا خط ملا کہ ہمارا تبادلہ شاہجہانپور سے گورکھپور کو ہو گیا ہے اور ہم اس راستے سے گورکھپور جائیں گے قطب الدین، محمد تقی اور رقیہ، خیرن دائی اور مقیم خاں ملازم ہمارے ساتھ ہیں۔ میں والد صاحب کے انتظار میں جائس میں ٹھہرا رہا۔ جب والد صاحب گورکھپور چلے گئے تو میں شاہجہان پور۔ بریلی۔ رام پور۔ مرادآباد گڑھ مکتیشر۔ ہاپوڑ اور غازی الدین نگر کے راستے سے دہلی پہونچا۔ میں دن رات عیش و عشرت میں گزارتا تھا چالیس روپے ماہوار والد صاحب خرچ کو مرحمت فرماتے تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز

مرزا نصیر الدین کا دہلی کے غدر کی کیفیت لکھنا اور اس تحریر کا پکڑا جانا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ بروز دوشنبہ غدر ہو گیا اس کا قصہ احباب کی فرمائش سے علیحدہ لکھدیا ہے جون ۱۸۵۷ء کو بدھ کے دن میں نے ایک خط واقعاتِ غدر کے متعلق اپنے والد کے نام لکھا اور اپنی نانی کے ملازم خدا بخش کے ہاتھ والد کے پاس بھیجا وہ فقیرانہ لباس میں اجمیری دروازہ سے میرٹھ کے لیے روانہ ہوا مگر گرفتار ہو گیا ابوبکر مرزا کرنیل فوج کے روبرو پیش ہوا میرے حالات کی پوچھ گچھ کرکے میرا خط اس سے لے لیا گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔

مرزا ابوبکر کا محلہ تراہہ بیرم خاں (مسکن مرزا نصیر الدین) پر حملہ کرنا مرزا ابوبکر کرنیل فوج[۱] نے محلہ تراہہ بیرم خاں پر جہاں میں مقیم تھا حملہ کر دیا

۱؎ مرزا ابوبکر کرنیل فوج تھا جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو ہڈسن نے شہزادہ ابوبکر کو گولی سے ہلاک کیا۔

اور جس مکان میں میں رات کو سوتا تھا اس کا محاصرہ کر لیا شور و غوغا سن کر میں ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے
اٹھا کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے۔ جیسے ہی میں حویلی سے نکلا میں نے ایک ہتھیار بند بھیڑ کے ساتھ شہزادہ
کو اپنے سامنے پایا اس نے مجھ سے درشت کلامی کی میں اس سے لپٹ گیا تلواریں میرے سر پر کھنچ گئیں
اور دو مرتبہ مجھ پر تفنگچہ کے فیر ہوئے اس کے گولے میرے گردن کے قریب سے گزر گئے اس کا قصہ
طویل ہے جس کو میں نے علیحدہ لکھا ہے۔ جب شہزادہ میری تلوار سے کسی قدر زخمی ہو گیا کیونکہ
میں نے اس پر تلوار چلائی تھی، دوسرے لوگوں کو میں نے اپنے سے دور دیکھا مجھے موقع مل گیا
تلوار گھماتا ہوا اس مجمع سے میں مثل بجلی کے نکل گیا اس محلہ کی پیچیدہ گلیوں میں سے گزر کر امیر علی
کبوتر باز کے بالاخانہ پر پہنچا اور وہاں سے بازار کی چھتوں پر پہونچا، چھتوں چھتوں ہوتا ہوا ایک
زینہ سے جو لب سڑک تھا نیچے اتر آیا اور حویلی اعظم خاں کی دیواروں کے سایہ میں ہوتا ہوا جھجلی قبر
کے قریب واقع ہے اپنی نانی کے گھر پہونچ گیا اور کچھ مدت تک چھپا رہا۔

تیمچ کے کمپو کا پہنچنا اور مرزا نصیر الدین کا فرار

یہاں تک کہ تیمچ کے کمپو کا جنرل ہیرا سنگھ داخل ہوا اور اس نے بادشاہ
دہلی کو یہ خوش خبری سنائی کہ میں آگرہ کو فتح کر کے آیا ہوں اور اب کلکتہ تک
انگریز کا نشان باقی نہیں ہے۔ اس خوش خبری کے سنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا
کہ شہر کے جملہ دروازے کھول دیئے جائیں جو اب تک انگریزوں کے خوف سے بند تھے احتیاط سے
آمد و رفت ہوتی تھی خلق کثیر باہر کے مسافر اور تجارت پیشہ جو غارت گری کے خوف سے دروازوں کے
بند ہونے کی وجہ سے شہر میں تھے ان سب کو باہر جانے کی اجازت ہو گئی۔ اس خبر کے سنتے ہی ہزاروں
آدمی دہلی سے روانہ ہوئے میں بھی اسی مجمع میں دو نالی بندوق کندھے پر رکھ کر دہلی دروازہ سے باہر
چلا اپنا منہ چھپا لیا کیونکہ شاہی مجرم تھا اس لئے گرفتاری کا ڈر تھا پہلے عرب سرائے اور بھوگل جہاں
دودھ فروش مسلمان گھوسی رہتے ہیں پہونچا پھر بدرپور۔ فرید آباد بلم گڑھ پہنچا وہاں سے جمنا کو عبور کر کے موضع
تیست پہنچا وہاں سے سکندر آباد ضلع بلند شہر پہنچا اپنی غربت اور فقر و فاقہ کی کیفیت میں نے سانحۂ غدر
میں لکھی ہے۔

سکندر آباد میں قیام

کچھ دن درویشانہ سکندر آباد میں ٹھیرا اسی زمانے میں انگریزوں کے دہلی

فتح کرنے کی خبر مشہور ہوئی۔ منشی اصغر علی تحصیلدار سکندر آباد کو جو گڑھ مکتیشر کے ساکن اور میرے والد کے دوست تھے میں نے دیکھا میں خوش ہوا۔ ساٹھ روپئے میں نے ان سے قرض لئے اور خرچ میں لایا اور جنوری ۱۸۵۸ء سے فروری ۱۸۵۸ء تک سکندر آباد میں رہا۔ میرے بڑے بھائی مرزا نظام الدین اور میرے چچا مرزا احمد حسن میری تلاش کے لیئے دہلی جا رہے تھے یہاں ملاقات ہو گئی اور وہ لوگ راجہ گرسہائے[۱] ناظم مراد آباد کے پروانے سے سکندر آباد تک آئے تھے بھائی کی بھائی سے ملاقات ہوئی دونوں ایک دوسرے کی مصیبت پر مثل ابر باراں روئے۔

مرزا نصیر الدین کا لکھنؤ پہنچنا

میرے بھائی (مرزا نظام الدین) کی صلاح ہوئی کہ اودھ چلنا چاہیئے کیونکہ اودھ کے حکام کے احکام خصوصاً خداوند نعمت جنرل پیرو صاحب کا حکم ان کے پاس پہونچا تھا کہ بہت جلد عالم باغ پہونچیں کہ لکھنؤ عنقریب فتح ہونے والا ہے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ کی کیفیت

میں اور بھائی بڑی مشقت اور پریشانی سے عالم باغ پہنچے وہاں پہنچنے تک عالم باغ ختم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ عالم باغ کے تمام درخت اور سڑک کے درخت کاٹ کر عالم باغ کے تمام دروازوں پر پشتے قایم کر دیئے گئے ہیں عالم باغ کے میدان میں آدمیوں، ہاتھیوں اور گھوڑوں کی سیکڑوں لاشیں نظر آئیں۔ آتش پیکار گرم تھی۔ انگریز زمین کے نیچے صحرائی جانوروں یا حشرات الارض کی طرح رہتے تھے۔ زمین کے نیچے ایسے گھر بنا رکھے تھے کہ جن میں فرش بھی ہے اور گھر کی تمام ضروریات۔ مثلاً میز کرسی، شمع وغیرہ گولہ لکھنؤ کی طرف سے آتا تھا گولہ گرنے کا اثر ان زیر زمین حجروں پر معلوم ہوتا تھا۔ ہم بہت ڈرے کرنیل پیرو صاحب نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کیجیے مجھے اور بھائی سے صاحب بہادر نے فرمایا کہ یہ میدان خاک ہے اور تم اہل قلم منشی ہو لکھنؤ فتح ہونے تک منشی متھرہ میں نرینڈ دمہ کے پاس رہو کہ وہ خیر خواہ سرکار ہو۔

۱؎ گرسہائے قوم جاٹ ساکن مراد آباد نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں وہ نواب رام پور کی تحتی میں جنوبی مراد آباد کا نائب ناظم تھا اس کی وفاداری کے صلہ میں راجہ کا خطاب ملا اور گیارہ گاؤں معافی میں ملے جن کی آمدنی دس ہزار روپئے سالانہ کی تھی۔

(گزیٹر مراد آباد صفحہ ۱۲۸ (الہ آباد ۱۹۱۱ء))

۱۰ اپریل ۱۸۵۸ء کو لکھنؤ پر سخت حملہ ہونے والا ہے اور یقین ہے کہ اس روز فتح ہو جائے گی اس وقت لکھنؤ آنا، چنانچہ ہم دونوں بھائی اور مرزا محمد حسن معہ ملازم محمد خاں کے موضع بنسی بنتھرہ پہنچے نریندر کو اطلاع مل چکی تھی۔ بہت آرام پایا اور دو تین وقت سے کھانا نہیں کھایا تھا اس لئے سیر ہو کھانا کھایا۔ ۸۔۹۔ ۱۰ اپریل ۱۸۵۸ء تک ہم وہاں رہے۔

فتح لکھنؤ کے بعد انگریزوں کے انسانیت سوز مظالم

انہیں تاریخوں میں قاصد نے خبر دی کہ رات میں لکھنؤ کے تین جانب یعنی یعنی کیمپ عالم باغ، کیمپ موتی باغ اور کیمپ کوٹھی دل کشا کی طرف سے ایک بجے رات کو سرکار انگریزی کی فوج نے لکھنؤ پر بہت سخت حملہ کیا اور دشمن کے فرار ہونے کے لئے گوشائیں گنج کی طرف کا راستہ چھوڑ دیا۔ سرکاری فوج بندوقیں اور توپیں داغتی ہوئی شہر میں داخل ہوئی اس وقت رات میں شہر میں ایک قیامت برپا تھی۔ رعایائے شہر میں جو مسلح تھے ان کا جدھر کو منہ اٹھتا بھاگتے تھے۔ شور و غوغا، فوج کے نعرے اور بندوق و توپ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اس سخت معرکہ میں بیگم لکھنؤ یعنی والدہ برجیس قدر گوشائیں گنج کے راستے سے مرشدی پور کی طرف جنگ کرتی ہوئی معہ اپنے لڑکے کے بھاگ گئی اور اس کے بعد شہر کی پریشان رعایا بھی معہ زن و بچہ جان کے خوف سے بھاگ اٹھی کہتے ہیں کہ فوجیوں کی لاشوں کے علاوہ چھبیس ہزار مرد و زن اور بچوں کی لاشیں پائی گئیں۔

چونکہ اہل شہر ہتھیار بند تھے اس لئے بہت سی لاشیں مکانوں، محلوں اور چھتوں پر ملیں بہت سی پردہ نشین عورتوں نے جن کے سینے سے بچے چمٹے ہوئے تھے شہر کے یا مکانات کے کنوؤں میں گر کر خود کو ہلاک کیا۔

لکھنؤ میں پھانسیوں کا منظر

جب میں (مرزا نصیر الدین) اور بھائی (نظام الدین) لکھنؤ پہنچے تو لکھنؤ کی فتح کو تین دن ہوئے تھے چونکہ میں یہ تمام واقعات بیالیس سال کے بعد لکھ رہا ہوں لہذا واقعہ کی تاریخ میں دو ایک دن کا فرق ہو تو کوئی تعجب نہیں ہے ہم ۱۱ یا ۱۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو لکھنؤ پہنچے آقا کے سامنے حاضر ہوئے اس وقت کرنل سیر وصاحب اسپشل کمشنر اور مارشل لا افیسر تھے اور جنرل اوٹرم صاحب کے ماتحت تھے حضرت گنج میں جس کوٹھی میں اوٹرم صاحب مقیم

تھے اس کے سامنے بڑی بڑی لکڑیاں دروازوں کی شکل میں کھڑی کردی گئی تھیں اور ہر دروازہ میں پھانسی کے لیے رسیاں لٹکادی گئی تھیں اور احاطہ مذکور میں چند آدمیوں کی لاشیں درختوں میں بھی لٹک رہی تھیں۔

ایک باد شدہ حویلی کا ذکر

ہیرو صاحب نے میرے بھائی کو دو سو روپئے دیئے اور فرمایا کہ عنقریب تمھیں کام پر بھیجا جائے گا ان روپیوں سے اپنی ضروریات اور سفر کا سامان خرید لو دو تلواریں اور ایک بندوق دونالی مجھے مرحمت ہوئی اور بھائی سے کہا کہ اپنی ضرورت کے لحاظ سے ہتھیاروں کے ذخیرے میں سے جس قدر بندوقیں اور تلواریں چاہئیں لے لو اور گولہ بارود کی جس قدر ضرورت ہو وہ بھی لے لو۔ میں اور بھائی قریب ٢٥ تلواریں، اتنی ہی بندوقیں اور دوسرا عمدہ سامان اپنی قیام گاہ پر جو چاہ کنکر یعنی روشن الدولہ کی حویلی کے پاس تھی لے گئے وہاں ہم نے سیکڑوں کتابیں اور کاغذات کا ذخیرہ ڈھیر کی صورت میں پڑا ہوا دیکھا اور مکان کی صفائی کے وقت کچھ لاشیں چھت سے کوٹھریوں سے اور کوئیں سے جو احاطہ میں واقع تھا نکلیں کنوئیں سے عورتوں کی لاشیں معہ بچوں کے برآمد ہوئیں تیغ اور تلواریں نکلیں لاشیں کوتوال کی معرفت اٹھوادی گئیں۔ مکان مذکور نہایت عمدہ۔ فرحت افزا اور نفیس تھا۔ اس کے بعد کرنیل صاحب کے حسب الحکم حضرت گنج میں قیام تجویز ہوا تاکہ صاحب بہادر سے صلاح و مشورہ میں دیر نہ ہو۔

مرزا نظام الدین (برادر مرزا نصیر الدین) کا انگریزوں کی طرف سے اضلاع اودھ کا انتظام

بھائی مرزا نظام الدین کے لیے تین اضلاع پرتاب گڑھ، سلون اور رائے بریلی کے انتظام کا حکم صادر ہوا کیونکہ وہ پہلے مرشد پور اور پھر سلون میں رہ چکے تھے میرے متعلق حکم ہوا کہ لکھنؤ میں رہوں بعد کو بھیجا جاؤں گا چنانچہ بھائی صاحب معہ اپنی چچا مرزا عبدالحی بوجہ امید روزگار وہاں پہونچے تھے اور چودہ دوسرے باشندگانِ اودھ یعنی شیخ عبدالغفار جائسی عبدالخالق معہ پسر شیخ مبارک علی ملیح آبادی، عبدالستار معہ ہمشیر زادہ ماما دین جمعدار اور چند دیگر حضرات کے ساتھ (جن سے غدر سے پہلے سے خاص تعلقات تھے) لکھنؤ سے روانہ ہوئے نیز پندرہ سوار اور دس پیادے تھے۔

پہلے مقام تولی پہونچے جہاں کا زمیندار راجہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور سرکار کا خیر خواہ تھا۔ نظام الدین نے تھانے بٹھانے تحصیلدار مقرر کرنے، تحصیل مالگذاری اور بینی مادھو، اننت گوپی اور غلام مرتضیٰ ناظم بوبگم

اودھ کی طرف سے کیمپ بیسواڑہ میں ناظم تھے کے حملے کا انتظام وغیرہ واقعات جن کا ذکر میں نے دوسری جگہ کیا ہے اس جگہ چھوڑتا ہوں اور اپنا ذکر لکھتا ہوں۔

مرزا نصیر الدین کا تحصیلدار ہو کر دریاباد جانا

القصہ بماہ مئی ۱۸۵۸ء مجھے حکم ہوا کہ دریاباد پہنچوں اور چودھری سرفراز احمد کی رائے سے جو راجہ علی بخش خاں کے بھتیجے اور سنیچہ کے زمیندار ہیں تحصیلداری کا کام انجام دوں۔ اپنی اور اپنے عملہ کی تنخواہ چودھری سرفراز احمد صاحب سے لوں۔ تمام اخراجات کا حساب صحیح اور مفصل لکھا جائے فوراً روانگی کا حکم ہوا۔ ملازم نہ ملنے کی وجہ سے تذبذب تھا کیونکہ لکھنؤ ویران تھا۔

حیدر گڑھ ۱۸۵۸ء میں

میں شیخ غلام محمد کے ساتھ جس کو بھائی راستوں کی واقفیت کی وجہ سے لائے تھے اور اس علاقہ کی زبان اور محاورہ دانی کی وجہ سے میرے پاس چھوڑ گئے تھے دو بندوق اور دو تلواریں لے کر گوشائیں گنج کے راستے سے حیدر گڑھ کی طرف جو سنیچہ سے نزدیک ہے چل پڑا۔ قریباً ایک پہر دن باقی ہوگا کہ شام کے وقت بارجی گنج جہاں سرکاری تھانہ تھا اور انتظام درست ہو چکا تھا پہونچے رات وہاں گزاری اور راستے کے خطرے کی وجہ سے دن بھر گزارا سرکار کے دشمن گروہ کے گروہ سوار و پیادہ دور سے نظر آتے تھے وہ لوگ دیہات کو آگ لگاتے تھے دور سے آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے رات کو سفر کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ رات کی اندھیری میں روانہ ہوئے چند ایسے خطرناک مقامات سے گزرے جہاں مرنے اور قتل ہونے کا موقع آگیا۔ آدھی رات تک چلے نہایت مضمحل ہو گئے راستے میں کوئی مسافر نہیں ملا پیروں پر ورم آگیا ساتھی (غلام محمد) نے کہا کہ نہیں معلوم ہم کہاں پہونچ گئے، قیاس یہی ہے کہ حیدر گڑھ کے قریب آگئے ہیں مگر رات کے اندھیرے کی وجہ سے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ حیدر گڑھ کہاں ہے آخر یہ مشورہ ہوا کہ چونکہ چاروں طرف سے کتوں کی آواز آرہی ہے۔ حیدر گڑھ بڑا مقام ہے لہذا جدھر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں زیادہ آئیں اسی طرف حیدر گڑھ ہے چنانچہ اسی قیاس پر اس طرف چل پڑے جدھر کتے زیادہ بھونک رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک کنوئیں پر پہنچے رات کا اخیر وقت تھا کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں وہاں ایک بوڑھا بھی بیٹھا ہوا تھا جو سانس کا مریض تھا اور کھانس رہا تھا۔ پہلے ہم نے کنوئیں کے پاس ان عورتوں سے

پانی مانگا اور سیر ہو کر پیا پھر اس بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کون گاؤں ہے اس نے بتایا کہ حیدر گڑھ ہے وہاں سے بسیحہ تین کوس ہے لہذا اطمینان ہوا کہ جلدی وہاں پہونچ جائیں گے۔

چودھری علی بخش زمیندار کا انگریزوں کے حلیف اپنے بھتیجے چودھری سرفراز علی پر حملہ کرنا

بندوق اور توپوں کی آوازیں راستے میں بھی سنی گئی تھیں اور اب اور زیادہ معلوم ہوئیں۔ بوڑھے سے پوچھا کہ بندوقوں اور توپوں کی یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟ اس نے بتایا کہ چودھری سرفراز نے اُن انگریزوں سے جو لکھنؤ میں آئے ہیں سازباز کرلی ہے لہذا اس کے چچا علی بخش نے اس پر حملہ کر دیا اور بسیحہ کو غارت کر دیا اور آگ لگا دی ہے بہت سے لوگ قتل ہوئے ہیں۔ یہ آوازیں بسیحہ ہی سے آرہی ہیں۔

مرزا نصیر الدین کا اپنے بھائی مرزا غلام الدین کے پاس تلوئی پہنچنا؛

اس وقت غلام محمد کی یہ صلاح ہوئی کہ مجھے تلوئی کا راستہ جہاں آپ کے بھائی ہیں معلوم ہے اب بہت تھک گئے ہیں شام تک حیدر گڑھ کی سرائے میں ٹھہریں اور جب رات ہو جائے تو تلوئی کا راستہ پکڑیں اور وہاں بھائی کا جو مشورہ ہو اس پر عمل کریں بسیحہ کا حال دگرگوں ہے معلوم نہیں سرفراز احمد زندہ ہے یا مر گیا یا قتل ہوا۔ چنانچہ اس کی رائے پر عمل کیا اور اس حیرانی و پریشانی کی حالت میں تلوئی پہونچے۔

تلوئی میں انقلابیوں سے مقابلہ

کچھ دیر تلوئی میں ٹھیرے، قلعہ تلوئی کو غلام مرتضےٰ اور بینی مادھو نے تین طرف سے گھیر لیا تھا۔ جنگ و قتال شروع ہو گیا۔ میرے بھائی غیر معروف راستہ سے میرے اور دس سواروں کے ہمراہ اس ارادہ سے چلے کہ لکھنؤ سے نئی کمک لے آئیں۔ تھوڑی سی رات رہ گئی تھی راستے میں آنند گوری کی فوج سے جس نے گنگا گنج کی ندی پر آمد و رفت کا راستہ بند کر رکھا تھا مقابلہ ہوا۔ خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال اور زندگی باقی تھی کہ ہم سب سوار اُن کے درمیان سے رات کی تاریکی میں ایسے نکل گئے کہ جیسے کوئی ہمارے سامنے آیا ہی نہ تھا۔ اور لکھنؤ پہونچ گئے۔ میں بھائی سے رخصت ہوا اور صاحب (ہبر و صاحب) سے وعدہ لیا کہ انتظام و اطمینان کے وقت اور تمام صوبہ کی فتح ہونے کے بعد حاضر ہوں گے تو نوکری ملے گی۔

مرزا نصیر الدین کا آگرہ پہنچنا اور حاکم عدالت دیوانی صدر سے ملنا

میں سکندر آباد روانہ ہوا کیونکہ دہلی کی فتح کے بعد

میری بیوی اور خاندان کے تمام مرد اور عورتیں وہاں آگئی تھیں۔ ستمبر ۱۸۵۸ء میں وہاں پہونچا اور وہاں سے آگرہ گیا اور حاکم عدالت دیوانی صدر آگرہ جو میرے والد کے آقا اور سرپرست تھے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے فتح ہندوستان کی تاریخ جو سکندر آباد میں تصنیف کی تھی آقا کے سامنے پڑھی۔ اس کا مطلع یہ ہے :-

ملک بادشہ ہندو فرنگ ہو مبارک تجھے تاج و دیہیم
زور شمشیر وہ غالب ہوا تیرا ایک جھلک سے سر دشمن ہو دو نیم

صاحب نے ہم لوگوں کا حال پوچھا میں نے شہزادہ سے جنگ کی کیفیت اور دہلی سے باہر آنے کی روداد بیان کی اور نوکری کا خواستگار رہا۔

مرزا نصیر الدین کا پیشکار مقرر ہونا

صاحب بہادر نے میری مصیبتوں سے متاثر ہو کر میری نوکری کے لئے ایک سفارشی خط بالارک صاحب کلکٹر مین پوری کے نام لکھ دیا اس میں تمام وہ حالت اور سرگزشت تحریر کر دی جو میں نے عرض کی تھی بالارک صاحب نے میرا حال نواب سیف اللہ خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر سے دریافت کیا جو نہایت خیر خواہ سرکار اور نواب نجیب الدولہ کے خاندان کے آدمی تھے نواب صاحب نے میرے والد اور بھائی کی خیر خواہی اور میرا حال صاحب کے روبرو بیان کر دیا چنانچہ پچیس روپیے ماہوار پر درجہ سوم کی پیشکاری مرحمت ہوئی۔ یہ نومبر ۱۸۵۸ء کا واقعہ ہے۔ روزانہ انگریزی فوج کی فتوحات کی خبریں ملتی تھیں۔

شہزادہ فیروز شاہ اور سیف اللہ خاں ڈپٹی کلکٹر آگرہ میں مقابلہ

اسی سال ۱۸۵۸ء میں فیروز شاہ پسر مرزا دارابخت بن بہادر شاہ[1] مرادآباد و بریلی سے معہ پچیس ہزار باغی فوج کے بھاگا اور اس نے قلعہ خام چندن پور پر جو ضلع اٹاوہ میں واقع ہے اور وہاں کا زمیندار راجہ کہلاتا ہے حملہ کر دیا۔ دن اور رات توپوں کی آواز آتی رہی میں اس وقت نواب سیف اللہ خاں بہادر (ڈپٹی کلکٹر آگرہ) کے لشکر کے ساتھ شکوہ آباد میں تھا۔ نواب صاحب کمبوہوں اور اہیروں کی فوج کی فراہمی میں مصروف تھے جو ضلع مین پوری کی بہادر قومیں ہیں۔

---

[1] شہزادہ فیروز شاہ کا یہ نسب نامہ درست نہیں ہے۔ شہزادہ فیروز شاہ، مرزا ناظم کا بیٹا تھا جو شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے

اس زمانہ میں ہم نے تین کبڑی عورتوں کو دیکھا کہ جن کی بغلوں میں پوٹلیاں تھیں لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اماں کہاں سے آرہی ہو انہوں نے جواب دیا کہ فیروز شاہ کے خوف سے بھاگے ہیں کہ کہیں وہ ہمارے اسباب کو غارت نہ کردے اور ہمیں قتل نہ کردے۔

راتوں رات جنگی توپ خانے کو شکوہ آباد سے نکال لائے اور دشمن کے سر پر گولے برسائے فیروز شاہ بھاگ گیا اور سنا گیا ہے کہ سرکاری فوج کی مدد پہونچنے تک راجہ چندن پور قلعہ کے اندر سے فیروز شاہ کے ساتھ جنگ کرتا رہا۔

۱۸۵۸ء میں چالیس روپے ماہوار پر قائم مقام پیشکار ہوا اور اسی سال پچاس روپیہ ماہوار پر شکوہ آباد میں پیشکار مقرر ہوا۔

۱۸۶۰ء میں قحط عظیم پڑا میں قحط کے انتظام پر مامور ہوا اور اسی سال بڑے بھائی کی سفارش سے پرکسن صاحب ڈپٹی کمشنر سلطان پور کی سرکار سے پروانہ گڑھ امیٹھی کی تحصیلداری کا بطور قایم مقام موصول ہوا جس کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تھی۔

اور اسی سال مارچ ۱۸۶۱ء میں میری بیٹی ممتاز جہاں بیگم پیدا ہوئی جب تحصیلدار سابق بحال

بسلسلہ صفحہ گزشتہ :-

فیروز شاہ کی والدہ کا نام عابدی بیگم تھا مرزا منگو کی بیٹی تھیں مرزا منگو شاہ عالم ثانی کے بھتیجے تھے۔ مرزا ناظم کا انتقال ہو گیا تو عابدی بیگم نے نکاح ثانی مرزا علی محسن سے کر لیا جو بڑے عالم و فاضل تھے۔ مرزا علی محسن نے فیروز شاہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی۔ فیروز شاہ اور ان کی والدہ عابدی بیگم ۱۸۵۵ء میں حج کے لئے گئیں۔ جب وہ ۱۸۵۷ء میں حج سے واپس ہوئے اور بمبئی پہونچے تو برصغیر ہند پاکستان میں جنگ آزادی کا آغاز ہو چکا تھا شہزادہ فیروز شاہ نے بڑی بے جگری اور بہادری کے ساتھ اس جنگ میں حصہ لیا اور اپنی بہادری اور جلادت کا سکہ دشمنوں کے دلوں میں بٹھا دیا آخر وقت تک مقابلہ کرتا رہا جب انگریزوں کا دوبارہ مکمل تسلط ہو گیا تو شہزادہ برصغیر سے افغانستان ایران وغیرہ پہنچا اس علاقہ میں شہزادہ کی سرگرمیوں کا ۱۸۶۹ء تک ذکر ملتا ہے۔ اس مرد مجاہد شہزادہ فیروز شاہ کا عالم غربت و مسافرت میں انتقال ہوا تاریخ انتقال معلوم نہ ہو سکی ۱۸۸۱ء تک بقول گارساں دتاسی وہ زندہ تھا۔ ع　　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(۱) ملاحظہ ہو HISTORIE DE LA LITTERATURE HINDOUE ET HINDOUSTANIE BY M. GARCIN DE TASSY (PARIS, 1870)

(۳) ﺗﺬکرے ادب بمبئی جولائی ۱۹۵۹ء

ہوگیا میں ٹھکرہ آباد کی پیشکاری پر واپس آگیا۔ جون ۱۸۶۱ء مطابق ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ میں بڑے بھائی (مرزا نظام الدین) کی رحلت کی خبر ملی اور ۱۸۶۲ء میں تحصیل مصطفےٰ آباد کو میرا تبادلہ ہوا کیونکہ وہاں کے تحصیلدار رحیم الدین خاں جنہوں نے ایام غدر میں بہت خیر خواہی اور جانفشانی کی تھی ناخواندہ تھے اور صرف دستخط کر سکتے تھے۔

۱۸۶۳ء میں سیف اللہ خاں کی تبدیلی مراد آباد ہوئی اور ۱۸۶۳ء میں ہی عارضۂ فالج میں سیف اللہ خاں کا انتقال مراد آباد میں ہوگیا۔

مرزا نصیر الدین کا تحصیلداری کے امتحان میں کامیاب ہونا اور تحصیلدار مقرر ہونا

اسی زمانہ میں میرے والد (مرزا عبد الہادی) کو جان اسٹریچی صاحب ڈپٹی کلکٹر نے ٹھاکردوارہ کا بندوبست سپرد کیا۔ ۱۸۶۴ء میں تحصیلداری کے امتحان کا قانون یاد کیا۔ اسسٹنٹ ڈویژنل کمیٹی میں امتحان دیا صیغۂ تحصیلداری اور فوجداری میں کامیاب ہو کر واپس ہوا۔ میری ترقی ہوئی اور ساٹھ روپیہ ماہوار پر بھوگام کا نائب تحصیلدار مقرر ہوا۔ اگست ۱۸۶۵ء میں حسب الطلب جان انگلس صاحب کمشنر روہیل کھنڈ نجیب آباد ضلع بجنور کا تحصیلدار مقرر ہوا مجھے مختلف صیغوں سے بہ تفصیل ذیل تنخواہ ملتی تھی:۔

حق رجسٹری تقریباً	تنخواہ تحصیلداری	تنخواہ انتظام	تنخواہ صدر منصفت	کل میزان
[illegible] روپیہ ماہانہ	[illegible]	مسکن شتران و فیلان [illegible]	[illegible]	[illegible] روپے ماہانہ

ایک رتھ، ایک بگھی، تین گھوڑے۔ ایک اونٹ اور چند جوڑی کتے شکاری میرے پاس رہتے تھے۔

۱۸۶۵ء میں میرے والد مولوی مرزا عبد الہادی ٹھاکردوارہ کے بندوبست کا کام ختم ہونے کی وجہ سے امروہہ کے تحصیلدار ہوگئے۔

نواب کفایت اللہ خاں تحصیلدار سنبھل کی کلکٹر مراد آباد سے گستاخانہ گفتگو اور کلکٹر کا مرزا عبد الہادی (والد نصیر الدین) سے بدظن ہونا!

۱۸۶۶ء میں نواب کفایت اللہ خاں تحصیلدار سنبھل ولد نواب سیف اللہ خاں اور میڈرسن صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ مراد آباد سے گستاخانہ گفتگو صاحب ضلع کے لشکرگاہ کے باغ کی صفائی کے سلسلے میں ہوگئی اسی وجہ سے وہ ضلع جونپور کو تبدیل ہوگئے

اور اس ضلع کے حاکم (کلکٹر مراد آباد) نے اس ضلع کے حاکم (کلکٹر جونپور) سے نواب کفایت اللہ خاں کی تخریب کی کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برخاست ہو گئے اور اسی سال حاسدوں نے حاکم ضلع میڈرسن صاحب کو والد صاحب (مولوی عبدالہادی) سے برہم کر دیا۔

کلکٹر کا مرزا عبدالہادی سے استعفا طلب کرنا

کلکٹر صاحب نے تخلیہ میں فرمایا کہ کفایت اللہ خاں تحصیل دار سنبھل نے جو ہم سے گستاخانہ گفتگو کی وہ تمہارے سکھانے کی وجہ سے کی چونکہ اسکے باپ نواب سیعت اللہ خاں سے تمہاری دوستی تھی اور تم اس کو بجائے فرزند کے سمجھتے ہو اس لئے اس نے جو کچھ کیا تمہارے کہنے سے کیا تم اس وقت استعفا دے کر میرے پاس سے چلے جاؤ ورنہ تم کو اس مقدمہ قتل میں جو امروہہ میں ہوا ہے اور ابھی اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلا ہے ماخوذ کرلوں گا اور اس سلسلے میں تمہاری سازش کی یہ دلیل ہے کہ قاتلان مشتبہ سادات امروہہ ہیں اور ان کا تم سے بہت ربط ضبط ہے والد صاحب نے اس وقت صاحب کی میز سے کاغذ اٹھایا اول جو کچھ کہنے کے لائق تھا زبانی کہا کہ کوئی باپ اپنے صلبی فرزند کو بھی ایسی تعلیم جو بدگویوں نے حضور کے دل میں نقش کردی ہے نہیں کرے گا چہ جائیکہ وہ تو دوست کا بیٹا ہے اور وہ صاحبِ شعور، تجربہ کار، اور مدت سے ملازمِ سرکار ہے اور یہ شرفاء کا طریقہ بھی نہیں ہے۔ بہر حال حضور کا مقصد میرا استعفا لینا ہے اسی وقت بموجب حکم استعفا دیتا ہوں۔ چنانچہ لکھا کہ حضور کے زبانی حکم کے مطابق اپنی نوکری سے استعفا دیتا ہوں اُمید کہ منظور کیا جائے گا اور دستخط کر دیئے۔

کلکٹر صاحب نے کہا کہ دوسرا لکھو اور حسب الحکم شامل مت کرو چنانچہ والد نے استعفا اس مضمون کا لکھا کہ میں نے گورنمنٹ کی ملازمت نیکنامی، دیانت اور خوشنودیِ حکام کے ساتھ تیس سال سے زیادہ مدت تک کی لیکن اب مجھے نوکری کرنا منظور نہیں ہے اس لئے استعفا دیتا ہوں۔ اس کو بھی سُن کر کہا کہ اس کو بھی چاک کرو۔ اور دوسرا لکھو کہ بخوشی خاطر نوکری چھوڑتا ہوں اور استعفا دیتا ہوں چنانچہ والد صاحب نے اس کو بھی چاک کر کے لکھا کہ چونکہ بالفعل مجھے نوکری کرنا منظور نہیں ہے لہذا بخوشی خاطر بلا جبر و اکراہ استعفا دیتا ہوں اور دستخط کر دیئے۔

والد صاحب

صاحب نے کہا کہ لفظ بالفعل سے اگرچہ وجہ ظاہر ہوتی ہے مگر خیر استعفا دیجئے اور جایئے، والد صاحب

بغیر سلام کیے استعفا دے کر گھر آگئے۔ میں اس وقت نجیب آباد میں تھا مجھے اطلاع دی میں نے خیال کیا کہ والد صاحب کے وابستگان زیادہ ہیں اور یہ حادثہ پیش آیا، اس وقت تک میں نے دو ہزار دو سو روپے جمع کر لئے تھے کیونکہ قریب چار سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اور بعد مصارف کم و بیش ہر ماہ ڈھائی سو روپے ماہانہ پس انداز ہوتے تھے وہ سارے روپے میں نے والد صاحب کو بھیج دیئے کہ یہ جو کچھ ہے جناب کی جوتیوں کا صدقہ ہے اس کے خرچ کرنے میں تکلف نہ فرمائیں اور ضروریات میں صرف کیجئے اور آئندہ نصف تنخواہ جب تک جناب کا معاملہ طے نہیں ہوتا ہے روانہ کرتا رہوں گا۔ اور اسی طرح میں نے کیا۔

کمشنر روہیل کھنڈ کا دورہ ضلع بجنور اور مرزا نصیر الدین کا کلکٹر مراد آباد کی شکایت کرنا!

۱۸۶۶ء میں کمشنر روہیل کھنڈ دورہ کے سلسلے میں ضلع بجنور تشریف لائے اور ضلع کے تمام تحصیلدار ضلع کے صدر مقام میں حاضر ہوئے کمشنر صاحب نے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی جب میری نوبت آئی تو میں حاضر ہوا اور اپنا مختصر حال کہنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور کے عہد میں جو ظلم کہ میرے باپ پر ہوا ہے وہ انگریزی عملداری کے آغاز سے اب تک نہیں ہوا۔ کمشنر صاحب نے فرمایا تمہارے والد کا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مولوی عبدالہادی۔ کہا کہاں ہیں اور کیا ہوا؟ میں نے جبر و تخویف کی کیفیت، مقدمہ خون کی ماخوذی اور استعفا لینے کا حال بے کم و کاست بیان کر دیا۔ پورا حال سنا۔ اپنی یادداشت میں درج کر لیا اور کچھ نہ کہا۔ چند باتوں کے بعد میں نے بھی رخصت چاہی۔

میں نے اس گفتگو کی تمام روداد والد صاحب کو لکھ دی۔ وہاں سے عتاب آمیز خط مجھے ملا کہ میں نے تمہیں اس لئے اطلاع دی تھی کہ تم حکامِ وقت کی شکایت حکامِ بالادست سے کرو۔ اور میری سفارش کرو۔ یہ تم نے نہایت نامناسب کیا میرے باپ (مولوی عبدالقادر نے) صدر الصدوری کا عہدہ محض ایک سخت بات کی بنا پر چھوڑ دیا تھا تمہیں کیا پڑی تھی کہ بغیر میرے پوچھے میرے معاملہ میں دخل دیا، اس معاملہ میں جلدی کی کہ میری بیکاری کی وجہ سے روپے کا بار پڑتا ہے آگاہ رہو کہ تمہاری (ارسال کردہ) رقم کا جمع حساب لکھا جاتا ہے اور خدا ہمیں اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے کہ

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

اگر تمہارے کہنے سے کمشنر صاحب مجھے اب روزگار بھی دیں تو تمہارے وسیلے سے ہرگز نہ کروں گا سوائے اس کے کہ خدا خود بخود میرے رزق کا کوئی سبب مہیا فرما دے۔

جب مجھے یہ خط ملا تو میں نے بہت افسوس کیا شرمسار ہوا اور آئندہ خط و کتابت بھی بند ہو گئی میں نے یہاں (نجیب آباد) سے خرچ بھیجا انہوں نے واپس کر دیا میں حیران تھا کہ اے خدایا! میں نے تو یہ کام والد صاحب کی خوشنودی کے لئے کیا تھا، یہ کیا ہو گیا کہ ان کے مزاج کے خلاف ہوا۔

کمشنر کا دورہ ضلع مراد آباد اور مرزا عبد الہادی کی طلبی

کمشنر صاحب کا دورہ مراد آباد میں بھی ہوا اور صاحب کمشنر کا اردلی والد صاحب کے پاس پہنچا اور کہا کہ صاحب کمشنر طلب فرماتے ہیں۔ ادھر سے چپراسی کو جواب دیا گیا کہ اب میں ملازم نہیں ہوں نوکری چھوڑ کر اپنے گھر بیٹھ گیا ہوں اور آئندہ نوکری کرنی بھی منظور نہیں ہے لہذا بخوشی خاطر نہیں آؤں گا۔

چپراسی نے یہی جواب صاحب کمشنر کو پہنچا دیا اس کے بعد صاحب کمشنر نے سوار بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ نہیں ٹھیریں گے جلدی آیئے کہ تم سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے۔ اس طرف سے سوار کو جواب دیا گیا کہ مجھے نہ حضور سے کچھ کہنا ہے نہ پوچھنا ہے اور نہ ہی میں مجرم ہوں کہ پہلی مرتبہ انکار کے باوجود پھر سوار کے ذریعے طلب کیا گیا، میں رضامندی سے حضور میں حاضر ہونا نہیں چاہتا پس میں حاضر ہونے کے لئے ہرگز ہرگز رضامند نہیں ہوں۔ ہاں اگر میری طلبی جبراً ہے تو بغیر وارنٹ گرفتاری نہیں آؤں گا اور بخوشی حاضر نہیں ہوؤں گا۔ کمشنر صاحب شریف پرور نے بہ القابہ شائستہ اس مضمون کا پروانہ لکھا۔

"ہمارا دل تمہاری ملاقات کو چاہتا ہے اور ہم اس وقت بریلی جا رہے ہیں امید ہے کہ اسی ہفتے بریلی پہونچکر ہم سے ملاقات کریں گے"

والد صاحب نے جواب میں لکھا کہ جب تک کلکٹر صاحب مجھے بریلی کی روانگی کے لئے مجبور نہیں کریں گے مجھ سے حضور کے حکم کی تعمیل ممکن نہیں ہے اور حضور جو کچھ لکھیں کلکٹر صاحب کو لکھیں بالا بالا مجھے تحریر نہ فرمائیں

ورنہ جواب نہ دوں گا۔

کلکٹر مراد آباد کا مرزا عبدالہادی سے ملنا

ایک روز کلکٹر صاحب بہادر شہر کی صفائی دیکھنے کی غرض سے مراد آباد میں گشت کر رہے تھے جناب والد صاحب کے مکان پر پہونچ کر آدمی کو بھیجا کہ مولوی صاحب کو خبر کرو کہ کلکٹر صاحب آئے ہیں جب والد صاحب کو یہ اطلاع ہوئی تو بالاخانے سے اُتر کر نیچے آئے سلام کیا اور کہا کہ کیا حکم ہے؟ (کلکٹر صاحب نے) آہستہ سے فرمایا کہ کمشنر صاحب نے تم کو بلایا ہے اور تاکید ہے کہ جلد آئیں لہذا جلد جائیے اور کچھ شکایت نہ کیجئے فرمایا کہ ہرگز مطلق شکایت نہ کروں گا میں نے خوشی سے ملازمت ترک کی ہے اب کیا شکایت ہے۔

مرزا عبدالہادی کا کمشنر روہیل کھنڈ سے حسب طلب ملنا اور ملازم ہونا

غرض وہ بریلی پہونچے اور کمشنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے حکم ہوا کہ ایک مفصل عرضی کلکٹر صاحب کی شکایت میں لکھیں انہوں نے ایسا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا کمشنر صاحب نے اپنی میز سے کاغذ نکال کر ان کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اچھا ایک عرضی اس مضمون کی اسی وقت لکھ کر ہمیں دیجئے۔

"میں نے سنہ ۱۸۳۱ء سے سنہ ۱۸۶۶ء تک ملازمت کی اور بخوشی استعفاء دیا اب بیکاری کی وجہ سے زندگی بڑی دقت اور پریشانی سے گزرتی ہے لہذا میرا دل ملازمت کو چاہتا ہے اگر ممکن ہو تو کسی مناسب جگہ میرا تقرر فرما دیا جائے۔"

چنانچہ یہی لکھ کر دستخط کر دیئے اور کمشنر صاحب کے حوالے کر کے مراد آباد روانہ ہو گئے۔

کمشنر صاحب نے چپراسی کو پھر سرائے بھیجا کہ ان (مرزا صاحب) کو لاؤ کچھ کہنا ہے۔ چپراسی واپس آگیا اور کہا کہ وہ تو مراد آباد چلے گئے۔ کمشنر صاحب نے عرضی مذکور کی بنیاد پر اپنے سررشتہ میں مقدمہ درج کر لیا اور کلکٹر صاحب بہادر سے کیفیت طلب کی کہ ایسے قدیم خیر خواہ سرکار ملازم کی معزولی کا کیا سبب ہے کہ جو دوران ملازمت میں ہمیشہ نیک نام رہا، کلکٹر صاحب نے طول طویل رپورٹ لکھ کر جسمیں سرکاری کاموں میں غفلت، کاہلی۔ پندرہ سالہ لڑکے کا امروہہ میں قتل کا ذکر، اس کے قاتلوں کا معلوم نہ ہونا، اپنا اور تمام ساکنان امروہہ کا سادات امروہہ پر شبہہ، والد صاحب کا سادات امروہہ سے ربط و ضبط، ان (سادات امروہہ) کی قوت اور ان (مرزا عبدالہادی) کی رازداری سے قاتل

کا معلوم نہ ہونا سادات کی محبت کی بنا پر جستجوئے قاتل میں ان کی غفلت کرنا اور ان کا بخوشی استعفا دے دینا رپورٹ میں درج کیا۔ کمشنر صاحب نے مسل طلب کر لی مسل کو رپورٹ کے خلاف پایا اور والد صاحب کے انکار کے باوجود ان کو امروہہ کی تحصیل داری پر بحال کر دیا۔ پہلے تحصیل بسولی ضلع بدایوں اور پھر پوایاں ضلع شاہجہان پور میں ۱۸۶۶ء میں مقرر ہوئے ۲۳ جنوری ۱۸۶۹ء مطابق ۸ شوال ۱۲۸۵ھ بروز یکشنبہ والد صاحب (مرزا عبد الہادی) نے بعارضہ درد گردہ رحلت کی ان کی قبر پوایاں کی عید گاہ کے چبوترے کے سامنے ہے۔

مرزا نصیر الدین کی تحصیلداری کے زمانہ میں نجیب آباد کی سرائے اور بازار کا تعمیر ہونا

میں (مرزا نصیر الدین) نجیب آباد میں ۱۸۸۳ء تک تحصیلدار رہا۔ نجیب آباد کی سرائے میرے زمانہ کی یادگار ہے[1] اور اس کی تعمیر کی تاریخ ایک پتھر پر میری تصنیف کردہ نصب ہے ؎

بعہد لارنس صاحب بہادر　　بنا شد ایں سرائے پختہ بنیاد
نصیر الدین محمد سال تاریخ　　چنیں گفتا سرائے پختہ آباد
۱۲۸۶ھ

سرائے کے دروازے کے سامنے وسیع میدان بازار کے لیے چھوڑا گیا پہلے یہ بازار نواب پورہ میں نواب جھنجھو خاں کی محل سرا کے دروازے کے سامنے تھا اب دروازہ پر کوتوالی اور اندرون صحن میں تحصیل کے مکانات ہیں میں نے وہاں سے ہٹا کر بازار، سرائے کے سامنے قائم کیا جو تا تحریر ہذا کہ جس کو تقریباً ۳۵ سال کا عرصہ گزرا جاری ہے اور صحن مذکورہ کے سامنے ایک پختہ کنواں بھی میرے زمانہ کا بنا ہوا ہے۔

تصنیفات مرزا نصیر الدین

کارپنٹر صاحب بہادر مہتمم بندوبست کے زمانے میں جو نہایت عقیل زمانۂ قدیم کی تاریخ کے شائق اور اس ضلع کے روسا کی تاریخ کے متلاشی تھے مجھے بندوبست کے کام کی مصروفیت کی وجہ سے ہر قسم کی تحقیقات کا موقع ملا اور ضلع بجنور کے ہر قسم کے حالات کی تحقیقات میں مصروف رہا۔

---

[1] نجیب آباد کے تاریخی حالات کیلئے ملاحظہ ہو "نجیب آباد" از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، رسالہ عبرت۔ نجیب آباد فروری تا مئی ۱۹۱۶ء

جغرافیہ تاریخ نما میں نے ایک کتاب جغرافیہ تاریخ نما" لکھی جس کے تین حصے ہیں۔ (۱) پہلا حصہ حالات دیس میں ہے۔ (۲) دوسرا حصہ جنگلات کے حالات کی بابت ہے اور تیسرے حصہ میں نجیب الدولہ کے خاندان کے تاریخی حالات ہیں۔[1]

تشریح الاقوام دوسری کتاب تشریح الاقوام کے نام سے لکھی ہے جس کا پہلا حصہ ضلع بجنور کی اقوام ہنود کی بابت ہے اور دوسرا حصہ ضلع بجنور کے مسلمانوں کے احوال میں ہے۔

سدا سہاگ ۱۸۶۹ء میں مدارس نسواں کے لیئے میں نے ایک کتاب "سدا سہاگ" کے نام سے لکھی۔ مسٹر کیمپسن صاحب ڈائرکٹر جنرل کے ذریعہ سے گورنمنٹ میں پیش ہوئی۔ نقد انعام عطا ہوا اور پانچ سو جلدیں نصف قیمت پر لارڈ میور صاحب لفٹنٹ گورنر شمالی مغربی کی طرف سے خریدی گیئں، اور لفٹنٹ گورنر صاحب نے کتاب تواریخ کے ملاحظہ فرمانے کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تحسین و آفرین فرمائی اور یہ تحسین جان اسٹریچی صاحب کے ذریعہ موصول ہوئی۔[1]

گزیٹر ضلع بجنور کی تیاری میں مدد میں تاریخی حالات جمع کرتا تھا کتاب گزیٹر (ضلع بجنور) کی ترتیب میں جو لارڈ میو صاحب گورنر جنرل کشور ہند کے حکم سے ہر ضلع میں تیار ہوئے تھے میں نے بہت مدد دی۔ چنانچہ ضلع بجنور میں جیمس ویٹ صاحب اس کام کے لئے مامور تھے انہوں نے اس کام میں میری امداد کی میری لیاقت سے زیادہ تعریف کی اور کارمنٹر صاحب کے چلے جانے کے بعد میرے مجموعہ سے مسٹر الگزینڈر ہتمم بندوبست نے انتخاب کیا۔

---

[1] ان کتابوں کے علاوہ (۱) سانحہ غدر (۲) رسالہ ولایت چغتان (۳) نجیب التواریخ (۴) دانش نامہ علیل (۵) کلام علیل (۶) تضمین قصیدہ محسن کاکوروی (۷) کیفیت سیلاب گنور اور (۸) وقائع نصیر خانی بھی مرزا مرزا نصیر الدین سے یادگار رہیں جن کا تفصیلی تعارف اس کتاب کے "ابتدایہ" میں کرایا گیا ہے۔

کمشنر روہیل کھنڈ کا مرزا نصیر الدین تحصیلدار نجیب آباد سے خاندان نواب نجیب الدولہ کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی کیفیت طلب کرنا

۱۸۶۹ء میں نواب لفٹننٹ گورنر ولیم میور صاحب نے قحط سالی کے انتظام اور ملک کے حالات کے ملاحظہ کی غرض سے دورہ فرمایا۔ ہردوار اور آم سوت کی راہ سے نجیب آباد بھی تشریف لائے اور ایڈورڈ جان کمشنر بھی ان کے ہمراہ تھے کمشنر صاحب نے نواب نجیب الدولہ کے خاندان اور ایام غدر کے پسماندگان کے حالات مجھ سے دریافت کیے، میں نے اپنی تحصیلداری کے زمانے میں ان کے حالات سے کماحقہٗ آگاہی حاصل کرلی تھی کیونکہ غدر کو تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا تھا جب میں نجیب آباد پہونچا تھا پس نواب جلال الدین خاں برادر نواب محمود خاں کی بے قصوری کی بابت جن کو محض بغاوت کے شبہ پر بلا تحقیقات معہ نواب سعد اللہ خاں منصف. جو نواب غلام قادر خاں نبیرہ نواب نجیب الدولہ کے متبنیٰ تھے کرنل جونس صاحب کے حکم سے نور پور کے ڈیرہ پر توپ کے لوگوں سے اُڑادیا تھا نواب جلال الدین کے بیٹوں عظیم الدین خاں[۱] اور حمید الظفر خاں کی عسرت اور ان کی جائداد کے ضبط ہونے کی وجہ سے ان کی تباہی اور شکستہ حالی کی کیفیت بیان کردی صاحبزادہ محمد اصغر علی خاں جرنیل رام پور خلف نواب جعفر علی خاں بن نواب نظام علی خاں ولد نواب فیض اللہ خاں (سابق فرمان روائے رام پور) نے مجھ سے اصرار کیا تھا مجھے بھی امر حق کے کوشش کرنے میں کوئی باک نہ تھا اس قسم کی کوشش کا اعتبار طمع اور خود غرضی کی حالت میں نہیں ہوتا ہے (میرے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا)

عظیم الدین خاں و حمید الظفر خاں پسران نواب جلال الدین کی کمشنر سے ملاقات اور مرزا نصیر الدین کا نواب جلال الدین کی بے قصوری بیان کرنا

دونوں صاحبزادے اپنی پھوپی زاد بہن (اہلیہ نواب اسمٰعیل خاں ولد نواب سعد اللہ خاں) کے یہاں مقیم تھے میں نے ان کو کمشنر صاحب بہادر کا حکم پہنچایا کہ صبح کمشنر صاحب بہادر کے سلام کے لئے کوٹھی پر پہنچیں چنانچہ سلام کے بعد کمشنر صاحب نے ان سے میری معرفت فرمایا کہ بمقام بڈھا پور حاضر ہوں اور مجھکو بھی حکم ہوا کہ اگرچہ دوسری۔

---

[۱] جرنل عظم الدین خاں (صحیح نام یہ ہی ہے) المقتول ۱۸۹۱ء تفصیل کے لیے دیکھئے اخبار الصنادید جلد دوم صہ ۳۱۸ تا ۳۲۸

تحصیل ہے مگر ان کو بمقام بڈھا پور پیش کرو۔ چنانچہ بڈھا پور کے پڑاؤ میں اول کمشنر صاحب بہادر
نے جلال الدین و سعد اللہ خاں کی بے قصوری کی تمام داستان جو مجھ سے سُنی تھی اور جس سے
سید احمد خاں کی تحقیقات کی تکذیب[له] ہوتی تھی لارڈ صاحب کے روبرو بیان کی اور لارڈ صاحب کے
حضور سے حکم ہوا کہ مارشل لا میں جو کچھ ہوگیا وہ ہوگیا ان کی نسبت عہدہ ہائے جلیل القدر کا وعدہ
انگریزی لیاقت کے حاصل کرنے کی شرط پر کیا جاتا ہے اور ان کی والدہ قدسیہ بیگم کے لئے مناسب
گزارہ مقرر کیا جاتا ہے۔
اور ان کے خالو اصغر علی خاں کے لئے ہدایت ہوئی کہ ان کی تعلیم میں کوشش کریں تاکہ اسکے
نتیجہ میں مدارج اعلیٰ حاصل کریں۔

۱۸۶۷ء میں بسلسلہ میلہ ہردوار راستہ نجیب آباد کا انتظام کرنا

۱۸۶۷ء میں ہردوار میں جہاں ہر بارہ سال کے بعد کنبھ کا میلہ ہوتا ہے
ہزارہا مخلوق میلہ میں اور راستہ میں وبائی ہیضہ میں مرگئی مجھے نجیب آباد

غدر میں انھوں نے اور ان کے خاندان کے دوسرے ارکین
[له] مرزا نصیر الدین انگریزی حکومت کے خیرخواہ اور وفادار ہیں
خصوصاً بڑے بھائی مرزا نظام الدین نے انگریزی حکومت کی خیرخواہی اور جاں نثاری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا مرزا نصیر الدین
نے نواب جلال الدین خاں اور نواب سعد اللہ خاں کی بے گناہی کی رپورٹ حکومت کو مہیا فرمائی اس میں کسی جانبداری کو شبہ نہیں ہو سکتا
مرزا نصیر الدین نے جو حالات فراہم کئے ان سے سرسید احمد خاں موقعہ سرکشی ضلع بجنور کی تحقیقات غلط قرار پائیں لفٹنٹ گورنر
ولیم میور نے مرزا نصیر الدین کی تحقیقات کے نتیجہ میں مرزا جلال الدین کی بیوہ کو وظیفہ اور بچوں کو اعلیٰ عہدہ دینے کا وعدہ کیا۔
سرسید احمد خاں کی تحقیقات کے نتیجہ میں نواب جلال الدین خاں اور سعید اللہ خاں پر کیا گزری تھی یہ سرسید احمد خاں کے قلم سے
سُنئے ۔ "۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو خبر ملی کہ جلال الدین خاں بھائی ناممود خاں کا اور سعد اللہ خاں جو پہلے منصف امروہہ تھا کوٹ
قادر میں ہیں اسی وقت جناب صاحب کلکٹر اور میر اسمٰعیل صاحب بہادر کچھ سوار ساتھ لے کر ان کی گرفتاری کو گئے مگر پہنچنے
سے پہلے ان دونوں نے اپنے تئیں ملتانی سواروں کے سپرد کر دیا تھا وہ دونوں گرفتار آئے اور گوروں کے پہرے میں مقید ہوئے
اور ۲۰ تاریخ سے ان کا کورٹ شروع ہوا اور بعد ثبوت جرم کے جنرل جون صاحب بہادر کے حکم سے نور پور کے مقام پر
۲۴ تاریخ کو گولی سے مارے گئے۔ ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء کو یہ تجویز ہوئی کہ مکانات ناممود خاں اور جلال الدین خاں جو
ان کی سرداری اور حکومت کے نشان ہیں اڑا دیئے جائیں تاکہ سرکاری کمال ناراضی ان پنشن دار نمک حراموں سے ظاہر
ہو اور لوگوں کو خوبی عبرت ہو۔" سرکشی ضلع بجنور از سرسید احمد خاں ص ۱۳۵-۱۳۶ (آگرہ ۱۸۵۸ء)
جلال الدین سعد اللہ خاں یقیناً بے قصور تھے کیونکہ ولیم میور نے جو ۱۸۶۸ء میں محکمہ مال غرسانی کا افسر اعلیٰ تھا ان کی بے قصوری کو قبول کیا۔

کے راستے کی نگرانی سپرد ہوئی کہ ہیضہ میں مرنے والوں (کی لاش کی) چاہے وہ شہر میں مریں یا اسپتال میں مریں طلبگاروں کو نہ دیں بلکہ شہر کی آبادی کے باہر منصرم جنگی محمد بہرام خاں کے ہمراہ جا کر اپنے سامنے جلوائیں ہنڈؤں میں عجب ہنگامہ اور جوش پیدا ہو گیا، ان کو یہ گمان ہوا کہ تحصیلدار اور منصرم مسلمان ہیں مذہبی تعصب کی وجہ سے ہمارے مذہبی امور میں خلل ڈالتے ہیں۔ خیر اس وقت کو جس طرح ممکن ہوا خوشامد اور چشم نمائی سے گزارا گیا مگر نجیب آباد کے ہندوؤں کے دلوں میں سخت کینہ پیدا ہو گیا۔

ایک ہندو عورت کی نعش جلنے کا عجیب واقعہ

مُردوں کے جلانے کے وقت میں نے ایک جوان نو عمر اور خوبصورت عورت کی نعش کو دیکھا کہ آگ لگاتے وقت یکایک ٹکٹکی سے ہاتھ پاؤں کے رگ پٹھوں کے کھنچنے کے سبب سے اُٹھ بیٹھی اور دونوں ہاتھ پھیلا دیئے، سر کو گردش کی اور دونوں آنکھیں اس طرح کھولیں کہ ان کے دیکھنے سے خوف لگتا تھا۔ پھر گر پڑی اور جل گئی۔ میں نے چونکہ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ اس حادثہ کو دیکھا تھا میرے اوپر اس کا اثر چند روز ایسا رہا کہ سوتے میں بھی اس منظر کو دیکھتا تھا۔

آسمان سے ستاروں کی بارش

نومبر ۱۸۶۹ء میں آسمان سے ہزاروں ستاروں کی ایسی بارش ہوئی گویا آسمان پر آتشبازی ہو رہی ہے۔ چاند نہ ہونے کے باوجود وہ رات بہت روشن تھی اور بے شمار ستارے ہر طرف دوڑتے ہوئے صبح تک دیکھے گئے۔

جزیرہ انڈمان میں لارڈ میو کا قتل

اسی سال ۱۸۷۰ء میں حسب الحکم جارج پامر صاحب بہادر کلکٹر (ضلع بجنور) جنگلی شیروں کے واقف کار لوگوں کو اپنے ہمراہ نجیب آباد سے لے کر ہردوار پہنچا تاکہ گورنر جنرل کشور ہند لارڈ میو کے روبرو پیش کریں چنانچہ سہارنپور کے کلکٹر و مجسٹریٹ کی معرفت پیش کر کے میں واپس آگیا[1]

---

[1] مرزا نصیر الدین نے شکار شیر سے متعلق بطور نصیحت ایک مثنوی لکھی ہے جس کے آخری اشعار ملاحظہ ہوں:-

انجام غرور کہا، تبرا ہے — ذلت جس کے لئے سزا ہے
سمجھا جسے شیر تھا شجاعت — وہ اس کی تھی سر بسر جہالت
کرتا جو نہ شیر خود پسندی — کیوں مرتا بحال مستمندی
دشمن ہو قوی تو طرح دی جائے — دانائی میں جہل کو نہ اُبھائے
دانا کو تو ہے خرد پہ تکیہ — بے عقل کو زور پہ بھروسا
تجھ کو ہے عقل پہ بنسے کام — ہے قصۂ شیر بہر افہام

۱۸۷۲ء میں لارڈ میو صاحب بہادر گورنر جنرل کے قتل کا حادثہ جزیرہ انڈمان یا پورٹ بلیر میں پیش آیا[۱] تمام ملک میں لارڈ صاحب کی تعزیت کا حکم شائع ہوا اور تعزیت کے سلسلہ میں کمیٹیاں مقرر ہوئیں چنانچہ تعزیت کی کمیٹی کے ذریعہ جارج بیلی کلکٹر و مجسٹریٹ کے روبرو میں نے یہ قطعہ تاریخ پیش کیا جو بہت پسند کیا گیا۔

قطعۂ تاریخ برحادثۂ قتل لارڈ میو گورنر جنرل ہندوستان

چو فرمود رحلت ز دُنیائے فانی	سپہدار اکبر دلاور بہادر
فلک زار نالید و گفتا کہ ہے ہے	ارل میو جنرل گورنر بہادر

۳۰ + ۱۲۵۸ = ۱۲۸۸ھ

نجیب آباد میں ہندوؤں کے دو گروہوں میں فساد

۱۸۷۲ء میں ہندوؤں کے دو فریق سراوگیوں اور ویشنو بقالوں کے درمیان ایک بلوۂ عظیم ہوگیا ایک طرف کا سرغنہ امراؤ سنگھ سراوگی تھا، جس کے ساتھ پانچسو بدمعاش تھے اور دوسری جانب کا سرگروہ متھرا داس

---

[۱] لارڈ گورنر جنرل ہند ۱۸۲۲ء میں بمقام ڈبلن (آئرلینڈ) پیدا ہوا ۱۸۶۹ء میں جان لارنس کی بجائے ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے ہوا۔ فروری ۱۸۷۲ء میں جزائر انڈمان میں وہاں کے معائنہ اور بندوبست دیکھنے کے لئے گیا۔ ۸ فروری کو جزیرہ ماونٹ ہیریٹ پہنچا اس جزیرہ میں ایک قیدی شیر علی اطراف پشاور کا رہنے والا تھا اس نے ایک چھرے سے لارڈ میو کا کام تمام کر دیا۔ لارڈ میو ۸ فروری ۱۸۷۲ء عیسوی کو قتل ہوا۔ منشی محمد جعفر تھانیسری اس قتل کے عینی شاہدین میں نے لارڈ میو کے قتل کے تفصیلی حالات اپنی کتاب تاریخ عجیب (تاریخ جزائر انڈمان و پورٹ بلیر) میں دیئے ہیں مولوی ایوب خاں کیفی مرادآبادی (تحریک ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں ایوب خاں کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی تھی) نے اس حادثہ پر ایک طویل نظم لکھی ہے اس سے تاریخ انتقال کے دو شعر نقل کئے جاتے ہیں:-

بس کرائے کیفیؔ قلم کو تھا نہ قصہ ہے دراز	فکر کر تاریخ کی لیکن بیاں ہو تمام
فرق باقی جب نکالا چرخ نے تو بول اٹھا	جان ظالم سے بھی مظلوم سے چھوٹا جہاں

(ظالم و مظلوم کے عدد ۱۹۰۸ ہوتے ہیں اس میں سے فرق باقی (یعنی ب) کے ۲ عدد اور جان و جہاں کے ۱۱۳ یعنی ۱۱۵ عدد نکال دئے تو ۱۷۹۲ رہ جاتے ہیں)

تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ عجیب از منشی محمد جعفر تھانیسری ص ۸۴ (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۹ء)

تھا جس کے ہمراہ ایک ہزار بدمعاش تھے چار روز تک بازار بند رہا اور میں تمام دن گھوڑے پر سوار تحصیل کے چپراسیوں کے ہمراہ ان دونوں فریقوں کے ہمراہ کھڑا رہتا اور سمجھاتا میرے سامنے ٹولیوں میں بیٹھے رہتے اور دونوں فریق خالی دوکانوں پر بیٹھنے کے سوا بات بھی نہیں کرتے مگر جب میں تحصیل اور خانے کی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لیے بھی ان کے سامنے سے دور ہوتا تو دو دو چار چار آدمی طرفین سے لاٹھیوں سے زخمی ہوتے۔ غرضیکہ بھیجنے کے باوجود ضلع سے مدد نہیں پہونچی اس ہنگامہ میں پولیس ایسی خوف زدہ تھی کہ جمعدار سے لے کر تھانہ دار تک کوئی افسر یا سپاہی اس ہنگامہ میں نظر نہیں آتا تھا چوتھے یا پانچویں دن مسٹر جیمس ویمت صاحب جنٹ مجسٹریٹ، صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور میکلوڈ صاحب انسپکٹر پولیس بغیر خبر کے شہر میں داخل ہوئے دونوں طرف کے سرغنہ اور سربرآوردہ بدمعاشوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہتھکڑیاں لگا کر قید کر لیا گیا اسی وقت فوج دونوں طرف پھیل گئی اور اس فساد میں شریک ہونے والوں کی گرفتاری کے لئے حکم ہوا اس وقت مقامی پولیس بھی سپاہیانہ وردی کے ساتھ اپنے مکانوں سے نکل پڑی ناکردہ حضرات کو گرفتار کیا سیکڑوں روپے رشوت لئے اور چھوڑ دیا پھر دوسری طرف مشغول ہوئی۔ اس فساد میں شرکت کرنے والے مجرموں میں سے جو ہاتھ لگا اس کو بھی نہ چھوڑا۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

مرزا نصیر الدین کا تحصیلدار گنور (ضلع بدایوں) مقرر ہونا

سنہ ۱۸۶۱ء میں بولڈرسن صاحب کلکٹر کے زمانے میں میری تبدیلی نجیب آباد سے دھام پور کی تحصیل کو ہوئی سنہ ۱۸۶۲ء میں میری تبدیلی داتاگنج (ضلع بدایوں) کو ہوئی اور پھر سنہ ۱۸۶۶ء میں تحصیل گنور[1] کو تبادلہ ہوا مسٹر ولیم ملول سینڈسن صاحب کلکٹر تھے اور سنہ ۱۸۶۶ء سے سنہ ۱۸۸۰ء تک میں گنور میں رہا۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں گنور میں سیلاب عظیم آیا ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا یہ سیلاب صرف ضلع بدایوں ہی میں نہ تھا بلکہ چند بڑے دریاؤں مثلاً جمنا، رام گنگا اور گھاگرہ وغیرہ میں بھی آیا تھا۔ میں نے اس طوفان کی کیفیت

---

[1] بدایوں سے ۲۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے سلطان اکبر کے عہد میں یہ تحصیل کا صدر مقام ہے۔ (م - ۱ - ق)

علیحدہ لکھی ہے اور جو محنتِ شاقہ ہیں نے اس سلسلے ہیں اُٹھائی ہے اس کے بیان کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے۔

پیلی بھیت میں تقرر اور وہاں کے چند واقعات

جنوری ۱۹۵۵ء میں پیلی بھیت[1] تبادلہ ہوا۔ صدر تحصیل میں تقرر ہوا مگر وہ آب و ہوا کی وجہ سے ہاضمہ خراب ہو گیا میں نے تبادلہ کی درخواست دی پیلی بھیت کی چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں۔

---

[1] پیلی بھیت دامنِ کوہ کا خوبصورت شہر ہے۔ یہ شہر زیادہ قدیم نہیں ہے البتہ اس کے قریب دیول نام کی بستی کے کھنڈرات سے اس علاقے کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیلی بھیت کا قدیم نام دلپت ہے موجودہ نام بنجاروں کی ایک شاخ پیریا (PERIA) سے مشتق ہے جن کی یہاں کثیر تعداد ہے۔ روہیلوں کے زمانے میں اس علاقہ کو اہمیت حاصل ہوئی ۱۷۴۲ء میں راجہ ہرنندن کو نواب علی محمد خاں نے شکست فاش دے کر روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا۔ ذرا استقلال نصیب ہوا تو نواب علی محمد خاں نے پائندہ خاں کی سپہ سالاری میں کافی فوج دیس پت بنجارے کی تادیب کے واسطے پیلی بھیت روانہ کی دیس پت بنجارے اور پائندہ خاں کے درمیان خوب مقابلہ ہوا۔ آخر کار بنجارہ مغلوب ہوا۔ پیلی بھیت اور اس کا تمام علاقہ روہیلوں کے قبضے میں آ گیا۔ نواب علی محمد خاں نے پیلی بھیت معہ تمام ملحق علاقہ کے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو دے دیا۔ ۱۷۵۴ء میں جب روہیل کھنڈ تیسری مرتبہ روہیلہ سرداروں کے درمیان تقسیم ہوا اس وقت سے حافظ الملک کے خاندان نے پیلی بھیت کو دار الاقامت بنایا اور پیلی بھیت کا نام حافظ آباد رکھا اسی وقت سے پیلی بھیت کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ محلسرائیں، بازار، مدرسے، اور حمام وغیرہ تعمیر ہوئے۔ حافظ الملک نے خاص اپنے قیام کے واسطے ایک بڑی عالی شان محل سرا تعمیر کرائی۔ نیز دیوان عام اور دیوان خاص کی عمارتیں بھی بنوائیں۔ شہر کے چاروں طرف ایک پختہ شہر پناہ بنوائی۔ اس کی تعمیر کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۷۶۱ء میں راجپوتانہ میں سخت قحط پڑا تو کثیر میواتی اور مارواڑی اپنا وطن چھوڑ کر روہیل کھنڈ چلے آئے۔ حافظ الملک نے ان مصیبت زدگان کی مدد کی غرض سے شہر کے گرداگرد یہ خام شہر پناہ بنوائی جب ۱۷۶۳ء میں یہ شہر پناہ بن کر تیار ہو گئی اور پھر بھی ان لوگوں کی امداد کی ضرورت باقی رہی تو حکم دیا کہ اس کو توڑ دیا جائے اور دوبارہ از سر نو پختہ شہر پناہ تعمیر کی جائے چنانچہ پختہ شہر پناہ ۱۷۶۶ء میں تمام ہوئی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ (۱) حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی (نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۲ء) (۲) روہیلکھنڈ کی تاریخی عمارات از محمد ایوب قادری۔ العلم کراچی اکتوبر ۱۹۵۳ء (۳) گزیٹیر پیلی بھیت باب پنجم (گورنمنٹ پریس الہ آباد)

(۱) میں نے پیلی بھیت میں ایک بوڑھے کو دیکھا جس کا سید اکبر علی نام لاغر اندام اور لمبا قد تھا بانوے سال عمر تھی عدالتوں میں مختار کاری کرتا تھا بغیر عینک کے لکھنے پڑھنے کا کام کرتا تھا اور لاٹھی کی مدد کے بغیر ہی چلتا پھرتا تھا۔ کئی بیویوں سے اُنتس بچے اور لڑکیاں زندہ موجود تھیں کچھ ان میں سے شیر خوار تھے اور کچھ کی عمر پچاس سے بھی زیادہ تھی اور صاحب اولاد تھے بلکہ اولاد کی بھی اولاد تھی۔

(۲) پیلی بھیت میں امیر خاں نام ایک سپاہی دیکھا جس کی عمر ایک سو پانچ سال اور وضع جوانوں کی طرح تھی۔ جسم درست و چست، کچھا داڑھی اور چوڑی پیشانی تھی، مضبوط دانت۔ تن و توش پہلوانوں کا، سپہ گری کے خصائل سے متصف تھا۔ ایک دن ہم نے اس کی عمر پر تعجب کیا اس نے کہا کہ اگر مجھے اپنے لڑکوں کا غم نہ ہوتا تو دیکھتے کہ میں کیسا تندرست تھا۔ میں نے پوچھا کہ بتایئے کہا کہ میرا پہلا لڑکا ۶۵ سال کا، دوسرا ۵۹ سال کا، تیسرا ۵۵ سال کا، اور چوتھا پچاس سال کا پانچواں ۴۵ سال کا اور چھٹا چالیس سال کا آگے پیچھے مر گئے اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ایک قافلہ موجود ہے، صرف ساتواں لڑکا اب ۳۵ سال کا موجود ہے میں نے اس کی شادی نہیں کی ہے کہ کہیں وہ بھی نہ مر جائے۔ تمام لوگوں اور دوسرے بوڑھوں نے جو اس سے کم عمر اور ضعیف تھے اس کے بیان کی تصدیق کی کہ درست کہتا ہے۔

(۳) پیلی بھیت کے بازار میں مَیں نے ایک گنے بیچنے والے کو دیکھا جس کی عمر ۲۵ سال تھی داڑھی مونچھیں موجود تھیں۔ وہ گنے کی گنڈیریوں کے بیچتے وقت ایسی باریک اور نرم آواز نکالتا تھا کہ میں نے اتنی عمر کے آدمی سے کبھی ایسی آواز نہ سنی تھی اور اگر اس کی صورت نہ دیکھی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ گویا دس بارہ سالہ لڑکے کی آواز ہے۔

(۴) پیلی بھیت چاول اور عمارتی لکڑی کی منڈی ہے اور یہاں پہاڑی علاقہ سے کرانہ آتا ہے پیلی بھیت کی جامع مسجد بہت خوبصورت اور خوشنما ہے[۱]۔ ہندوؤں کے دو مندر بھی انواع و اقسام کی

---

[۱] حافظ الملک کے زمانہ میں پیلی بھیت میں بہت سی مساجد تعمیر ہوئیں۔ جامع مسجد خاص طور سے قابل ہے ۱۷۶۶ء میں تعمیر

گل کاری اور سنہری برجوں سے آراستہ ہیں۔... گنج کی طرزِ تعمیر اور عمارت بہت خوشنما اور دلچسپ ہے لالہ دیبی پرشاد کا مکان اپنی خوشنمائی اور خوش وضعی میں شہر کے دوسرے روساء کے مکانات کے مقابلہ میں ممتاز ہے انناس کی کاشتکاری خوب ہوتی ہے اور باغات بھی کثرت سے ہیں۔ طوائفوں کی کثرت ہے

تحصیل چھبرامئو (ضلع فرخ آباد) کا بیان

۱۸۵۸ء میں چھبرامئو ضلع فرخ آباد میں تبادلہ ہوا۔ چھبرامئو ایک قدیم مقام ہے[لہ] منشی مادھورام عہدِ عالمگیری کا صاحبِ انشاء یہیں رہنے والا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کے نزدیک عملہ کے شمال میں ساگرتال نامی ایک بہت بڑے اور گہرے تالاب کو مسجد کے لئے پٹوایا گیا اگرچہ اس میں کثیر صرفہ ہوا بعض لوگوں نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ دوسرے لوگوں کے مکانات اس مقصد کے لئے حاصل کرلئے جائیں اور ان کو متبادل جگہ مہیا کردی جائے مگر حافظ الملک نے اس تجویز کو پسند نہ کیا جب تالاب پٹ گیا تو حافظ الملک نے علماء و مشائخ کے سامنے اپنے ہاتھ سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور ایک مدت کے بعد جامع مسجد دہلی کے نمونہ پر ایک نہایت خوبصورت اور وسیع اور عظیم الشان مسجد تیار ہوئی جس میں بکثرت حجرے دالان لمبا چوڑا حوض، ایک بڑا گہرا کنواں، بہت سقائے اور غسل خانے موجود ہیں ملا حافظ سعد الدین خطیب اور ملا موسیٰ موذن مقرر ہوئے۔ ایک عالم نے اختتام تعمیر کی تاریخ "المسجد بیت المتقین" سنہ ۱۱۸۹ھ سے نکالی ہے اس مسجد کی تعمیر پر ساڑھے تین لاکھ روپے صرف ہوئے۔ پیلی بھیت کی مسجد اور جامع مسجد دہلی میں بے حد مطابقت ہے چند چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضرور فرق ہے اول یہ کہ دہلی کی جامع مسجد بلند کرسی پر بنائی گئی ہے جس سے اس کی شان دوبالا ہوگئی ہے۔ دوسرے یہ کہ دہلی کی مسجد سنگ سرخ و سپید سے نہایت استحکام کے ساتھ بعد کمال وسعت و فراخی کے ساتھ بنی ہے اور اس کے دروازے بھی زیادہ ہیں پیلی بھیت کی مسجد چھوٹی اینٹ اور گچ سے نسبتاً کم وسعت اور مقابلتاً نیچے دروازے کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے۔ تیسرے یہ کہ دہلی کی مسجد کا دالان اس کے صحن سے قریب قریب ہموار ہے اور سامنے کی محراب مختصر ہے چوتھے یہ کہ جامع مسجد کے چاروں طرف ایک طویل بازار واقع ہے جامع مسجد پیلی بھیت کے چاروں طرف بازار نہیں ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو گلِ رحمت از نواب سعادت یار خاں قلمی ص ۲۰۳ مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی) (۲) حیات حافظ رحمت خاں (۳) روہیل کھنڈ کی تاریخی عمارات از محمد ایوب قادری العلم شعبہ

لہ چھبرامئو کے تاریخی حالات کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ ضلع فرخ آباد مرتبہ پنڈت دیبی پرشاد وزیر فرخ آباد گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۸۵۹ء

تھا قریب ۱۵۰۰ ہزار ہندو مسلمانوں کی آبادی ہوگی دو تین گھر قاضیوں اور سادات کے ہیں شرفا ر پچاس کے قریب ہوں گے برہمنوں میں دوبے چوبے، تواری اور قنوجی زیادہ رہتے ہیں دو سو کے قریب فقتا شیوخ کی آبادی ہے وہاں ایک کنواں ہے جس کے نصف دائرے کا پانی شیریں ہوتا ہے اور نصف دائرے کا پانی تلخ ہوتا ہے۔

وہ جگہ بھی مجھے کچھ اچھی نہ لگی پھر کوشش کر کے دھام پور ضلع بجنور تبادلہ کرایا۔ اسی سال ۱۸۸۹ء میں میرا تبادلہ شکوہ آباد (ضلع مین پوری) ہوا۔

تحصیل داتا گنج (ضلع بدایوں) کو تبادلہ

۱۸۹۰ء میں درخواست کر کے اپنا تبادلہ داتا گنج ضلع بدایوں کرایا۔

۱۸۹۰ء میں تحصیل داتا گنج میں سیلاب عظیم

جولائی ۱۸۹۰ء میں مردم شماری کے کام میں مشغول ہوا جو فروری ۱۸۹۱ء میں ہونے والی تھی مگر مسٹر گلبرٹ کلکٹر بدایوں سے نااتفاقی کی وجہ سے داتا گنج سے میرا تبادلہ میر گنج (ضلع بریلی) ہو گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ماہ جولائی میں رام گنگا میں ایسا سخت طوفان آیا کہ داتا گنج سے بدایوں تک پانی ہی پانی نظر آتا تھا تحصیل مذکور (داتا گنج) کے تمام ندی نالے جوش میں آ گئے تھے۔ دو تین سو دیہات غرق ہو گئے۔ مخلوق نے اونچے ٹیلوں پر پناہ لی۔ طالب نگر کی رعایا کی واویلا اس قیامت خیز سیلاب میں مجھ تک پہنچی کہ اگر خبر نہ لی گئی تو ایک سو جانیں تلف ہو جائیں گی بڑی مشکل سے بیلہ ڈانڈی سے تین کشتیاں فراہم کر کے بلند ٹیلہ تک پہونچائی گئیں ڈھائی سو بھینسیں اس سیلاب میں ختم ہو گئیں جھاڑیوں میں اُلجھ کر رہ گئیں اور سب مر گئیں اور پانی ختم ہونے کے بعد درختوں میں مثل چڑیوں کے لٹکی ہوئی تھیں۔

اس زمانہ میں پانچ روز تک ڈاک نہ گئی کشتی کا گزر ممکن نہ تھا نہ ہاتھی کے ذریعہ اور نہ کسی اور ذریعہ سے (ڈاک بھیجی جا سکی) یہاں تک کہ میں نے ڈاک لے جانے والے کے لئے دس روپیہ کا انعام مقرر کیا لیکن سیلاب کے خوف سے کوئی تیار نہ ہوا کلکٹر صاحب ناراض ہوئے اور میر گنج مجھے تبدیل کر دیا۔

۱؎ بدایوں سے سترہ میل کے فاصلہ پر تحصیل کا صدر مقام ہے داتا گنج کی آبادی تین ہزار کے قریب ہے غیر مسلم اکثریت میں ہیں (م۔ ق)

ملازمت سے استعفا

ایک سال سے زائد وہاں رہا جب میری عمر پچپن سال سے زیادہ ہو گئی تو سرکاری
قاعدہ کے مطابق نصف تنخواہ ایک سو پچیس کا تاحین حیات پنشن کا مستحق ہوا
ملازمت سے دست کش ہو گیا اور ۱۵ ستمبر ۱۸۹۱ء کو کام چھوڑ کر اپنے وطن آ گیا۔

دھام پور میں رجسٹرار مقرر ہونا

۱۸۹۲ء میں بیکاری سے تنگ آ کر دھام پور کی سب رجسٹراری قبول کر لی
اور ۱۸۹۵ء تک سب رجسٹرار رہا کہ اچانک حکم پہونچا کہ سب رجسٹراری سردار
سعادت علی خاں قزلباش ساکن لودھیانہ کو سپرد کر کے علیحدہ ہو جاؤں چنانچہ
میں نے چھوڑ دی اور اپنے گھر آ گیا یہ بھی سنا گیا کہ ساٹھ سال کے بعد اگر خود نہ چھوڑے تو حکماً علیحدہ کر دیا
جاتا ہے اور مہلت عطا ہونے کی صورت میں ۶۵ سال تک کی اجازت ہو جاتی ہے۔

مہتمم ریاست شاہی پور

۱۸۹۶ء میں قحط عظیم پڑا ۱۸۹۷ء میں ریاست شاہی پور میں عہدہ منیجری جو وہاں کا
افسر اعلیٰ بطور مدار المہام ہوتا ہے روسائے شاہی پور کے حسب خواہش کلکٹر بجنور
مسٹر فریزر کی اجازت کے بعد ماعتہ روپیہ ماہوار پر قبول کر لیا۔ ریاست میں میں نے ہر چند چاہا کہ
(اہل الرائے حضرات) متفق اور ایک دل رہیں مگر ایسا نہ ہوا اس لئے میں ہوش مندی کے لحاظ سے علیحدہ
ہو کر اپنے گھر آ گیا اگرچہ ان لوگوں کا اصرار اور التجا بہت ہوئی اور اب بھی طلبی کا پیام آتا ہے مگر میری
طبیعت اس تھکا فضیحتی کو پسند نہیں کرتی۔ اور اس تحریر یعنی نومبر ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۷ھ تک خوش
و خرم، تندرست اپنے بال بچوں میں زندگی گزار رہا ہوں اور اس وقت میری عمر سن ہجری کے حساب سے
۶۳ سال ہو گئی اور اب چونسٹھواں سال ہے [1]

بیوی کا انتقال

میری (دوسری) بیوی سے چار اولادیں ہوئیں۔ اول لڑکی جس کا تاریخی نام دختر بیگم ہے اور
اور یہی لڑکی اپنی ماں کی یادگار باقی ہے ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء میں ایک لڑکا رضی الدین اور پھر
ایک لڑکی پیدا ہوئی اور دونوں مر گئے۔
میری بیوی بھی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں مراد آباد میں ایک نسوانی عارضہ میں فوت ہو گئیں جو عورتوں کو

---

[1] ۱۹۰۹ء میں مرزا نصیر الدین برلاس کا مراد آباد میں انتقال ہوا۔ (م-ا-ق)

اکثر بچہ کی پیدائش کے بعد لاحق ہوتا ہے اور تکیہ کمل شاہ (متصل عیدگاہ) میں دفن ہوئیں ان کے ایک عجیب الخلقت بچہ پیدا ہوا تھا جس کی صورت خرگوش کی طرح تھی تھوڑی دیر زندہ رہا پھر مر گیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ہیبت سے مر گئیں واللہ اعلم بالصواب!

مرزا نصیر الدین کا اپنے خاندان پر تبصرہ

(۱) اس خاندان کے ہر ایک فرد کی وجاہت سے مغل شان و شرافت نمایاں ہے۔

(۲) بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، خوش تقریری، شاعری، عاشق مزاجی، خوش پوشی اور خوش خوراکی سے ان کا خمیر عبارت ہے۔

(۳) شطرنج بازی کی عادت نسلاً بعد نسلٍ اس خاندان میں جاری ہے۔

(۴) بزرگوں مثلاً ماں باپ، چچا، دادا کا ادب جیسا کہ اس خاندان میں ہے دوسرے خاندانوں میں کم دیکھا گیا ہے۔ ماں یا باپ کی زجر و توبیخ پر سر جھکانا اور نامناسب جواب نہ دینا بھی ان کی عادت ہے اور اگر کوئی جوان بیٹا غضب ناک چہرہ کے ساتھ بڈھے باپ کو جواب دیتا ہے تو اسی وقت بوڑھی ماں یا بڈھا باپ اس ناہنجار کی جوتیوں سے خبر لیتے ہیں اور ٹھکائی کرتے ہیں

(۵) حقہ پینا یا پان لگا کر باپ چچا یا دادا کے سامنے جانا سخت بے ادبی ہے۔

(۶) لڑکوں کی سالگرہ کے موقع پر عصر و مغرب کے درمیان سرخ، زرد اور سفید دھاگے میں سبز گھاس کی گرہ لگانا اس خاندان کی رسم ہے اس کے بعد شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔

(۷) بچے کی چار سال چار ماہ چار دن کی عمر ہونے پر بدھ کے دن چار گھڑی دن رہے رسم تسمیہ خوانی ہوتی ہے بچے کو احباب اور بزرگوں کی مجلس میں استاد کے سامنے لباس فاخرہ میں بٹھایا جاتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اقرا بربک الذی خلق . . . . مالم یعلم پڑھانے کے بعد فاتحہ پڑھی جاتی ہے پھر اہل مجلس اس بچے کے لئے دعا کرتے ہیں اور اس کے بعد شیرینی تقسیم ہوتی ہے اس خاندان کی یہ قدیم رسم ہے۔

(۸) وقار، تمکین، تحمل، درگزر، چشم پوشی، حیا، صبر، قناعت، مہمان نوازی، جفاکشی، تنگ دستی کے وقت سیرچشمی، فراخ دستی کے وقت سخاوت، پریشانی کے وقت استقلال، جرأت، شجاعت، ترحم، اخلاق، طاقت سے زیادہ ہمت، نکتہ چینی، حاضر جوابی وغیرہ اس خاندان کے خصائل ہیں۔

(۹) امور خانہ داری میں عورتوں کا اقتدار اس قدر ہے کہ عورتوں کو مردوں پر پورا تسلط حاصل ہے اور مرد کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس کے خلاف بھی واقع ہوتا ہے۔

(۱۰) خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت، بھی اس خاندان کی عادت ہے اور اگر "خود را فضیحت" نہ بھی ہووے تب بھی زیادہ اور بار بار نصیحت کرنا بھی ہماری حماقت و طبیعت ہے۔

(۱۱) جب اس خاندان کے لوگوں کو منصب یا امارت حاصل ہو جاتی ہے تو کاہلی و غفلت کرنے لگتے ہیں اور ناقابلِ اعتماد لوگوں کا اعتماد اور خوشامدیوں کا رسوخ بڑھ جاتا ہے۔

(۱۲) مرد جب دیکھتا ہے کہ نزدیک و دور کے بزرگ عازمِ ملکِ بقا ہوئے تو میدان خالی دیکھ کر بعض پوشیدہ طور سے اور بعض اعلانیہ ہوائے نفسانی میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اس کے نتیجہ میں اولاد ناقص ہوتی ہے۔ مصرعہ

مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد

(۱۳) حکیمانہ طبیعت اور ایجاد و اختراع کا اثر بھی اس خاندان کے اکثر اہلِ علم بلکہ جاہلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

(۱۴) لڑکی یا لڑکے کی شادی کے موقعہ پر حسب و نسب کی تحقیق اور تلاش و جستجو خوب کی جاتی ہے بعض لوگ دولت پر حریص ہو کر مکھی کی طرح نجاست پر بھی رغبت کر لیتے ہیں۔

(۱۵) صاحبقران (تیمور گورگانی) سے اب تک اس خاندان کے اکثر لوگ شیعہ، اکثر خارجی اور اکثر اہل سنت و جماعت ہیں مگر کبھی فریقین میں ایک دوسرے کی نسبت نفرت، مناقشہ، مذہبی مباحثہ یا مذہبی اعتراض نہیں ہوتا ہے اور صلح کل کا یہ طریقہ ہر دلعزیزی کا سبب ہے۔

(۱۶) جس زمانہ سے کہ ہمارے بزرگ ہندوستان میں آئے اس کو قریب دو سو سال کا زمانہ ہوتا ہے

لڑکے کی شادی کے لئے ولایتی لڑکی کا میسر آنا مشکل بلکہ ناممکن ہے اس لئے ہندوستان کی شریف اقوام میں جو شیخ، سید، مغل، پٹھان ہیں رشتہ داری ہوتی ہے زیادہ تر مغلوں میں اور کمتر افغان و شیوخ میں، ادب کی وجہ سے سادات میں شاذونادر رشتہ ہوتا ہے مگر بہرحال میں علاوہ خاندانی اعتبار، حسن کردار اور حسن صورت کی کماحقہ تحقیق کی جاتی ہے چند پشت کے کردار بلکہ دور و نزدیک کے اعزا و اقربا کے کردار کی تحقیق کی جاتی ہے۔

(۱۷) باپ دادا کے نوکروں اور خادموں کی ان کی ضعیفی اور تنگ دستی کی حالت میں مراعات کرنا اس خاندان کا شیوہ ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ خادموں کی اولاد اپنے آقائے قدیم کے پرانے گھر یعنی اس خاندان کو نہیں چھوڑتی ہے۔

(۱۸) ولایت کی رسم کے مطابق اس خاندان کے ایک سر برآوردہ اور با اقبال شخص کو بزرگ خاندان قرار دیا جاتا ہے جو اپنے کم حیثیت اعزہ کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ولایت میں خان قبیلہ، ملک، بزرگ یا جرگہ اور خاندان کا بڑا ہوتا ہے۔

(۱۹) اس خاندان کی بیشتر یہ عادت ہے کہ وہ اپنے خانگی نزاع کو دوسروں یا غیر لوگوں پر کم ظاہر کرتے ہیں جہاں تک ہوتا ہے اپنے معاملات آپس میں طے کر لیتے ہیں یا صبر کرتے ہیں حتی المقدور مقدمہ بازی اور عدالت سے عار اور پرہیز کرتے ہیں۔

(۲۰) خاندان کا بزرگ، اپنے وابستگان کو وقار و شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ہرگز ایسا کوئی کام انکے سپرد نہیں کیا جاتا ہے جن سے ان کی توقیر یا شان میں خلل واقع ہو۔

(۲۱) اس خاندان کا شیوہ ہے کہ تنگ دستی کی حالت میں چاہے فاقے اور جان دینے تک کی نوبت آجائے مگر کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی مزدوری یا خدمت مل جائے یا بزرگِ خاندان مدد کردے (تو مضائقہ نہیں ہے۔)

(۲۲) شادی میں تورہ بندی کی رسم کم و بیش جاری ہے اور یہ قدیم زمانے کے تورہ چنگیز خانی اور سلسلۂ صاحبقرآنی کی رسم ہے۔

(۲۳) اس خاندان کی ایک قدیم رسم ہے کہ اس خاندان میں جو برگزیدہ ہوتا ہے وہ حادثۂ عظیم کے

بعد ایک خواب بطور الہام یا بشارت دیکھتا ہے جس میں دقیق سوالات کے جوابات اور عجیب و غریب حالات معلوم ہوتے ہیں کیا تعجب ہے کہ یہ امیر قاچوبی کے خواب کا اثر ہو کہ جو ان کی اولاد میں پیدا ہو گیا ہے۔ (امیر قاچوبی) امیر قراچار برلاس کے دادا اور امیر تیمور صاحبقران کے جدِ اعلیٰ تھے " تزکِ تیموری میں امیر تیمور نے خود اپنے بہت سے عجیب و غریب خواب لکھے ہیں اور ان کی تعبیر جو خدا پرست مفسرین نے بتائی اس کے مطابق واقع ہوئی۔

(۲۴) اس خاندان کے اُمرا کا یہ شیوہ ہے کہ ادنیٰ شکایت پر مشتبہ اور دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص (جس کی شکایت کی جائے) دلائل و براہین پیش کرتا ہے تو صاف دل ہو جاتے ہیں اور شکایت کرنے والے سے بددل ہو جاتے ہیں یہ تلوّن مزاجی کی عادت ہے۔

(۲۵) اس خاندان کے بچے جب تک سِنِ تمیز کو نہیں پہونچتے ہیں اور نا سمجھ رہتے ہیں اُس وقت تک ماں اور ننہال سے مانوس رہتے ہیں اور خوب ان سے اپنی خدمت لیتے ہیں اور جب سِنِ تمیز کو پہونچتے ہیں تو اُدھر سے متنفر ہو جاتے ہیں اور ماں باپ اور دادھیال سے محبت و رغبت کرتے ہیں اور ننہال سے التفات اور رغبت کم کر دیتے ہیں۔

(۲۶) اس خاندان کی رسم ہے کہ جب لڑکے کی عمر اٹھارہ سال ہوتی ہے اور اس کی مونچھیں نکلنی شروع ہوتی ہیں تو خاندان کی عورتیں رسم کی ادائیگی کے لئے جمع ہوتی ہیں اور ڈومنیاں ناچتی گاتی ہیں لڑکے کو دولھا بنایا جاتا ہے مونچھوں پر صندل گھس کر لگایا جاتا ہے۔ مُبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوتی ہیں عورتیں اس تقریب میں شب بیداری کرتی ہیں۔ پہلے حمدِ الٰہی بعدہٗ نعت اس کے بعد اہل بیت یا پیرانِ طریقت کی منقبت کے نغمات گائے جاتے ہیں پھر شیرینی سے بھرے ہوئے ایک یا کئی کونڈوں پر فاتحہ دے کر اس کا ثواب پیشوایانِ دین کی ارواحِ طیبات کو پہنچا دیا جاتا ہے شیرینی تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اس رسم کو عرفِ عام میں "کونڈہ سیل" کہتے ہیں۔

(۲۷) اس خاندان کا یہ معمول ہے کہ جو بات وعدہ یا عہد کے طور سے کہی جاتی ہے کبھی اس کے خلاف نہیں کیا جاتا ہے۔

ذکر قوم چغان

جب میں گنور (ضلع بدایوں) میں تحصیلدار ہو کر پہونچا وہاں کے زمیندار اپنے کو "چغانی" قوم کہتے تھے اس وقت تک مجھے اس لفظ کی تلاش نہ تھی جب میں نے ان کے بوڑھوں سے پوچھا کہ کچھ معلوم ہے کہ آپ کی قوم جو چغان کہی جاتی ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ بعض نے بتایا کہ ہم لوگ ولایت (ماوراء النہر) سے سالار مسعود غازی کے ہمراہ آئے ہیں، اور بعض نے بتایا کہ ہم بابر بادشاہ کے زمانے میں آئے ہیں[1]۔ اور یہ نہیں معلوم کہ "چغان" کیا قوم ہے لہذا تلاش کی ضرورت ہوئی اور تزک بابری سے باقی بیگ چغان جو قوم چغان کا سردار تھا اور فتح ہندوستان تک بلکہ بابر اور رانا سانگا سے جو جنگ ہوئی تھی اس وقت تک بابر کے ساتھ رہا تھا کا حال معلوم ہوا۔ اس کے بعد تاریخ گزیدہ سے معلوم ہوا کہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں ترک بن یافث تھا جس کی اولاد میں چند پشت کے بعد ایک بادشاہ تخت نشین ہوا جس کا نام مغل اور دوسرے کا نام تاتار رکھا گیا جب جوان ہوئے تو دونوں میں سخت عداوت ہوئی اور ملک تقسیم ہو گیا تبت کی حکومت تاتار کے حصہ میں پہونچی تاتار کے سلسلے میں چند قومیں پیدا ہوئیں ان میں سے ایک قوم چغان ہے اور مغل کی اولاد کے حصہ میں ترک و ترکمان کا لفظ اور تاتار کی اولاد کے لئے تاتاری کا لفظ استعمال ہوا کہ اس سے چغان وغیرہ قومیں پیدا ہوئیں۔

احباب گنور[2] کی خاطر سے علحدہ ایک رسالہ ولایت چغان اور حدود ولایت چغان کے متعلق جو کوہستان تبت میں واقع ہے مع اس موقعے کے نقشے کے لکھا ہے لہذا یہاں اسی قدر پر

---

[1] ہندوستان کے مشہور محدث مولانا رضی الدین حسن صغانی صاحب مشارق الانوار کا وطن بھی "چغان" تھا جو معرب ہو کر صغان ہو گیا اور اسی نسبت سے ان کو صغانی کہتے ہیں۔ رضی الدین حسن صغانی کا تعلق بدایوں سے بھی رہا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی رح کا قول ہے "او از بداؤں است" معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چغان سے کچھ خاندان منتقل ہو کر بدایوں اور نواح بدایوں گنور وغیرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ رضی الدین حسن صغانی کے حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند

[2] مرزا نصیر الدین نے باشندگان گنور کی قومیت کے مسئلہ کو تاریخ کی روشنی میں حل کیا ہے مولوی رضی الدین بدایونی مولف کنز التاریخ نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ افسانوی روایت لکھی ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ (اگلے صفحہ پر دیکھو)

اکتفا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قوم چک جس نے کشمیر میں چند پشت تک سلطنت کی ہے تاتاریوں میں سے ہیں اور کوہستان گلگت و پامیر کی طرف تبت کے سلسلہ میں ان کا ملک ملا ہوا ہے۔

مراد آباد کی مختصر تاریخ

مراد آباد کا قدیم نام چوپالہ ہے۔ جو چار گاؤں بھدورہ وغیرہ سے مل کر بنا ہے آئین اکبری میں بھی اس کا نام چوپالہ مرقوم ہے شاہجہان بادشاہ کے زمانے میں ۱۰۴۳ھ ۱۶۳۳ء میں رام گنگا کے کنارے قلعہ رستم نگر مرزا یوسف چغتائی نے بکمال استحکام بنوایا ممالک دکن میں فتوحات حاصل کرنے کی وجہ سے اس کو رستم خاں کا خطاب اور صوبہ سنبھل جاگیر میں ملا مراد آباد کی جامع مسجد اور قلعہ کی مسجد اس کی یادگار ہیں قلعہ شہر کے متصل رستم خاں نے تین بازار آباد کئے اور شہر کا نام شہزادہ مراد بخش کے نام پر مراد آباد رکھا۔[۵۱]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) "کسی زمانہ میں عہد اسلام میں شیخ طاہر محیی الدین ایرانی گنوری ملک ایران میں سبزوار کے قریب ایک قصبہ گنور ہے وہاں کے رہنے والے تھے اس مقام پر بطور سیاحت کے آئے اور معز الدین و تاج الدین ان کے دو قریب ان کے ساتھ تھے۔ شیخ موصوف شاہ مخدوم کے نام سے ملقب تھے چونکہ یہ موضع (گنور) برہمنوں کا تھا برہمنوں نے ان کا قیام پسند نہیں کیا کچھ جھگڑا ہوا برہمنوں نے راجہ مجھولہ سے مدد چاہی۔ راجہ موصوف معہ چند ہمراہیوں کے دو میل گنور تک واسطے اخراج شاہ صاحب کے آیا کہ دفعتاً راجا اور اس کے ساتھی سب اندھے ہوگئے۔ تب راجہ نے خیال کیا کہ یہ فقیر کی کرامت ہے اور شاہ صاحب سے اپنے قصور کی معافی چاہی شاہ صاحب کی دعا کی برکت سے راجہ معہ ساتھیوں کے بینا ہوگیا۔ اُس وقت راجہ نے یہ موضع اور دیگر جائداد شاہ صاحب کو عطا کی چنانچہ مخدوم پور ایک موضع متصل گنوران کے نام سے آباد ہے اُس وقت سے اس مقام کا نام گنور ہوا کہ مخدوم صاحب گنوری تھے۔ چار گروہ شیخوں کے یہاں رہتے ہیں ایک گروہ تاج الدین و معز الدین کی اولاد میں اپنے آپ کو کہتا ہے اور ایک گروہ مخدوم صاحب کی اولاد میں اپنے کو بتاتا ہے اور تیسرا گروہ چودھریوں کا ہے جو اپنے کو شیخ زادہ کہتے ہیں اور چوتھا گروہ قاضی زادوں کا ہے وہ آپ کو شیخ عثمانی کہتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔"

۵۱؎ رستم خاں دکنی ۱۰۴۳ھ ۱۶۳۳ء میں شاہجہان بادشاہ کی ملازمت میں پنجہزاری منصب پر سرفراز ہوا اور رستم خاں خطاب پایا شاہجہان کے زمانے میں کٹھیریوں کے سردار رام سنگھ نے سر اُٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لئے رستم خاں کو سنبھل میں تعینات کیا گیا راجہ مغلوب ہوا۔

(باقی اگلا صفحہ پر)

باشندگان مراد آباد مراد آباد جن چار گانوؤں سے مل کر بنا ہے وہ چاروں دیہات ملحق ہو گئے۔ اطراف وجوانب سے بہت سی مخلوق مثلاً شیخ زادہائے کسرول (کلال)، راجپوت، جاٹ اور قصاب وغیرہ آکر سکونت پذیر ہو گئے ایک بازار قلعہ سے امروہہ دروازے تک شرقاً غرباً اور دوسرا بازار سنبھل دروازے سے نواب پورہ تک جنوباً شمالاً اور ان کے علاوہ دوسرے بازار بھی قائم ہوئے وقتاً فوقتاً مختلف گنج اور کٹرے آباد ہوئے اور شہر کی رونق میں اضافہ ہوا۔

۱۰۵۷ھ/۱۶۴۸ء میں تعمیر شہر کا کام ختم ہوا۔ شہر میں کل ایک سو گیارہ محلے ہیں۔ ۱۸۹۱ء میں شہر مراد آباد کی مردم شماری پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) نفوس تھی۔ ریلوے، کثرت تجارت اور مال کی آمد و رفت کی وجہ سے شہر کی رونق میں اضافہ ہو رہا ہے اس لئے عنقریب اسکی آبادی ایک لاکھ ہو جائے گی۔

مراد آباد میں ہندو کثرت سے آباد ہیں مسلمانوں میں شرفائے قدیم اور ذی حیثیت اہل اسلام کمتر بلکہ معدوم ہیں[۱]۔ مراد آباد کے تمام لوگ خوش پوش ہیں چاہے ادنےٰ ہوں یا اعلےٰ، مذہب تعصب

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) رستم خاں شجاعت و بہادری میں لاثانی علم دوست اور فقرا کا معتقد تھا دارا شکوہ کا طرفدار تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر سے جو معرکہ ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء میں سامو گڑھ میں ہوا اس میں رستم خاں معہ اپنے فرزند رفعت خاں اور اپنے برادر زادے کے مقتول ہوا۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے:-

چو بہادر رستم فیروز جنگ　　　علمے در مدحت او کب کشاد
در شجاعت رستم دستان عصر　　　در سخاوت حاتم آفاق بود
ترک تازی کرد در میدان ہند　　　سرخرو گشت و بجنت رفت زود
سال تاریخ وفاتش عقل گفت　　　برد رستم گوئے ز میدان جود

[۱] ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص۱۰۲ حاشیہ (۲) گزیٹیر مراد آباد ص۱۵۲-۱۵۳ (۳) منتخب اللباب جلد دوم ص۱۱ (کلکتہ ۱۸۷۴ء) (۴) مآثر الامراء از شاہنواز خاں جلد دوم ص۲۷۶-۲۷۰ (کلکتہ ۱۸۹۱ء)

[۱] ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق شہر مراد آباد کی آبادی ۷۵۱۲۸ نفوس جنمیں ۴۲۷۴۲ مسلمان، ۳۱۱۴۹ ہندو، ۸۱۶ عیسائی، ۱۳۲ جینی اور ۲۸۹ خاص طور سے آریہ تھے (مراد آباد گزیٹیر ص۲۳۳) آج کل شہر مراد آباد کی آبادی تقریباً ڈھائی لاکھ ہے (م-ا-ق)

میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل اور مفید ہے۔

خاندان نواب عظمت اللہ خاں فاروقی

قدیم رؤسا کا ایک خاندان فاروقی شیخ زادوں کا ہے جو آج کل عسرت زدہ ہیں دو چار آدمی ڈپٹی کلکٹر اور بعض معمولی ملازمتوں سے گزارہ کرتے ہیں۔ عسرت اور قلتِ معاش کے باوجود آثار امارت انکے چہروں سے عیاں ہیں اور مراد آباد میں علم و ادب عقل و دانش اور فراست ان کا حصہ ہے [۱]

مراد آباد کے محلے، مغل پورہ

مراد آباد کے بڑے محلوں میں مغل پورہ ہے، اس کی دو شاخیں ہیں محلہ طویلے میں رستم خانی مغل رہتے ہیں اور کسرول میں شیوخ رہتے ہیں جو کلال کے نام سے مشہور ہیں [۲]۔

دوسرا محلہ کٹگھر ہے جو مثل ایک جداگانہ قصبے کے ہے، اس محلے میں کٹھیریہ راجپوت رہتے ہیں یہ لوگ نہایت پرجوش اور سپاہی وضع ہیں ان میں بہت سے لوگ رسالوں میں رسالدار عہدیدار اور سپاہی ہیں بعض حسن لیاقت کی بناپر تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر بھی ہیں۔ اصالت پورہ میں قصاب رہتے ہیں۔

گھیر سید خاں

دوسرے محلوں میں گھیر سید خاں ہے جس میں اصیل و نجیب افغان نواب فیض اللہ خاں کے زمانہ سے آباد ہیں۔

---

[۱] دنیوی امارت کے اعتبار سے تو یہ خاندان ممتاز تھا ہی مگر علم و فضل کے اعتبار سے بھی مراد آباد میں اس خاندان کا ایک خاص مقام رہا ہے، مولوی رفیع الدین مراد آبادی (ف ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء) اور مولوی محی الدین اور مولوی حکیم منصور علی خاں جیسے علماء اور علی الدین خاں نواب شبیر علی خاں تنہا جیسے ادیب شاعر اسی فاروقی خاندان کے ممتاز اراکین تھے۔

[۲] قوم کلال کا نسبی تعلق جیسوار راجپوتوں کی ایک گوت سے ہے جو کلال کے نام سے موسوم ہے (تحقیق الانساب لمولوی محمد احمد عباسی ص ۱۰۵، جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء)

کلال شیوخ میں مفتی سعد اللہ رام پوری جیسے نامور عالم اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی جیسے مجاہدین قوم پیدا ہوئے ہیں۔ (محمد ایوب قادری)

نواب پورہ ایک محلہ نواب پورہ ہے جو نواب دوندے خاں[1] کی یادگار ہے اس میں نواب دوندے خاں کے نائب، دیوان کانمل کا بازار، بارہ دری اور محل سرا ہیں اور اُس کی یادگار ہیں۔

بھٹی محلہ ایک بھٹی محلہ ہے۔ جس میں بھٹی پٹھان رہتے ہیں یہ لوگ نہایت سخت مزاج، بے رحم سفاک، تُرش رو، بدخواہ اور جاہلِ مطلق ہوتے ہیں[2]۔ عسرت و افلاس کی وجہ سے یہ قوم اسی محلہ یا شہر سے بالکل معدوم ہے البتہ موضع بھر گئیں ضلع ایٹہ، گگرالہ ضلع بدایوں اور گنجڈنڈوارہ ضلع ایٹہ میں پائے جاتے ہیں۔

اب اس محلہ میں پنجابی سوداگرانِ دہلی جو نہایت معزز، مالدار اور صاحبِ حیثیت ہیں رہتے ہیں، شیخ زادگانِ فاروقی، قاضی زادگان، مغل، افغانانِ یوسف زئی اور بچھرایوں کے (مولوی صاحبان) بھی رہتے ہیں۔ پیشہ وروں میں منہار (چوڑی فروش)، اور بڑھئی رہتے ہیں۔

خاندان نواب مردان علی خاں نواب مردان علی خاں رعنا بھی بھٹی محلہ میں رہتے تھے نواب صاحب مرحوم ریاست جودھپور میں وزیر تھے اور نظام الدولہ کے خطاب سے ممتاز تھے ان کی قدیم عمارات حوادثِ روزگار سے مٹ چکی ہیں یہ عمارات جب ان کے بد اطوار بھتیجوں کے قبضہ

---

[1] نواب دوندے خاں سنہ ۱۷۰۰ء میں تور شہالت پور (علاقہ روہ) میں پیدا ہوئے دوندے خاں جب جوان ہوئے تو اپنے وطن سے آکر کٹھیر میں داؤد خاں کے شریک ہو گئے جو اس علاقہ میں قسمت آزمائی کر رہا تھا۔ داؤد خاں کے بعد نواب علی محمد خاں کے جانشین ہوئے تو دوندے خاں ان کے شریک رہے اور اپنے چچازاد بھائی حافظ رحمت خاں کو بھی بلوا لیا ان کے سرداروں کی کوششوں سے تقریباً چوتھائی ضلع بریلی روہیلوں کے قبضہ میں آگیا اس کے بعد شاہ آباد، مراد آباد، سنبھل، پیلی بھیت وغیرہ کے علاقہ پر روہیلوں کا قبضہ ہو گیا۔ جنگ پانی پت میں نواب دوندے خاں وغیرہ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں نواب دوندے کا ۱۱۸۳ھ میں انتقال ہوا بسولی میں دفن ہوئے تفصیل کیلئے دیکھئے (۱)، نواب دوندے خاں از سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ اخبار الصنادیہ جلد اول ص (لکھنؤ ۱۹۱۹ء)

[2] مرزا نصیر الدین کا یہ خیال نہایت مبالغہ آمیز ہے۔ ہر فرقے اور گروہ میں اچھے اور بُرے دونوں صفات کے لوگ ہوتے ہیں۔ (مرتب)

میں آئیں تو انہوں نے تمام املاک برباد کردی اور اب مفلس ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محلہ قزلباشان ایک محلہ قزلباشان ہے اس میں غریب لوگ رہتے ہیں۔ قزلباشوں کا نشان بھی نہیں ہے البتہ قزلباشوں کے دو مکان مغل پورہ میں لبِ دریائے رام گنگا زیر جامع مسجد واقع ہیں ایک مکان مرزا عابد علی بیگ کا ہے جو سب جج اور صدر الصدور تھے اور دوسرا مکان ان کے بھائی عبادت علی بیگ کا ہے۔

محلہ پیر غیب ایک محلہ پیر غیب ہے جس میں شاہ پیر غیب کی درگاہ واقع ہے درگاہ کے دروازہ پر گھوڑے کے نعل کثرت سے نصب ہیں مشہور یہ ہے کہ یہ بزرگ ان سواروں کے سردار ہیں جو سالار مسعود غازی کے ہمراہ جہاد کے لئے آئے تھے ہندوپاکستان میں انہوں (ہمراہیان سالار مسعود غازی) نے لڑائیاں لڑی ہیں اور جہاں کہیں کسی نامور سردار نے شہادت پائی ہے تو اس کی قبر زیارت گاہ بن گئی ہے۔

جب لوگ نیاز دلاتے ہیں تو اظہار عقیدت کے طور پر شیرینی اور نذرانے کے ساتھ گھوڑوں کے نعل بھی آہنی کیلوں سے جڑواتے ہیں۔

محلہ پیر غیب میں کائستھ کثرت سے آباد ہیں وہ لوگ اہلِ قلم اور اچھے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ اس سے پہلے یہ لوگ شاہی درباروں میں معزز رہے ہیں اس محلہ میں ان کی اچھی عمارتیں ہیں اور اخلاق بھی اعلیٰ ہیں۔

عمارات مراد آباد اس شہر (مراد آباد) کی نامی اور مشہور عمارتیں جامع مسجد اور مسجد قلعہ کے علاوہ مدرسہ بالائے قلعہ (ہائی اسکول مراد آباد) بازار اسٹریچی گنج، دروازہ کچہری تحصیل کوتوالی، گھنٹہ گھر، گرجا گھر، صدر دروازہ قاضی شہر روبروئے دیوانخانہ، بادشاہی مسجد کے بازار میں واقع ہیں۔

عمارات میونسپلٹی صدر ریلوے کا آہنی پل اور دمدمہ (بیرونِ شہر) بھی نہایت خوش منظر اور خوش وضع واقع ہے۔

میڈرسن صاحب کلکٹر مراد آباد کے عہد میں ہائی اسکول مراد آباد قلعہ کی بلند زمین پر بنی

خوبی اور نمائش کے ساتھ تعمیر ہوا ہے۔

کوٹھی نواب مجو خاں کوٹھی دمدمہ (ملکیت) نواب مجد الدین احمد خاں ولد محمد الدین خاں جو نواب عظمت اللہ خاں فاروقی صوبیدار مراد آبادی کی اولاد سے ہیں، ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں بغاوت کی وجہ سے ضبط ہوگئی[۱] اور گورنمنٹ انگلشیہ نے خیر خواہیِ سرکار کے صلہ میں راجہ ٹیڑھی کو جو کوہستان گڑھوال میں واقع ہے عنایت کردی۔

درگاہ شاہ بلاقیؒ اس کے قریب شاہ بُلاقی کی درگاہ ہے جو مراد آباد کی آبادی سے پہلے کے مشہور بزرگ ہیں ان بزرگ کا سالانہ عرس بڑے تزک و احتشام، سرود و رقص و غنا اور حال و قال ہوتا ہے عرس میں مخلوق کی کثرت، سیاحوں کا ہجوم دور دور سے فقراء کی آمد، تاجروں کا اجتماع اور نظر بازانِ حسن پرست کی کثرت ہوتی ہے[۲]۔

امام باڑہ محمد قلی خاں دوسرا امام باڑہ محمد قلی خاں مغل کا ہے جو ایران کے رہنے والے تھے وزیر الممالک نواب آصف الدولہ کے زمانے کی یادگار ہے یہ امام باڑہ محلہ چوکی حسن خاں میں واقع ہے[۳]۔

قاضیان و مفتیان مراد آباد اس شہر کے ان لوگوں کے مختصر سے حالات لکھتا ہوں جن سے مجھے تعارف یا ان کی خدمت میں نیاز مندی حاصل ہے۔

قاضی تجمل حسین قاضی تجمل حسین ولد قاضی محمد حسین خاں صدر الصدور ولد قاضی محمد بخش، خدا ان کو زندہ رکھے صاحبِ جود و سخا، پرحشم، سادہ مزاج اور خلیق ہیں علم سے زیادہ

---

[۱] نواب مجد الدین خاں عرف نواب مجو خاں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناظم مراد آباد مقرر ہوئے۔ انگریزوں کے حلیف نواب یوسف علی خاں والیِ رام پور نے ہر موقع پر مشکلات پیدا کیں جب مراد آباد پر انگریزی تسلط ہو گیا اور چند سپاہی نواب مجو خاں کو گرفتار کرنے گئے تو بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا آخر کچھ مدد اور پہنچی اور نواب مجو خاں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ (اخبار الصنادید جلد دوم ص۵۹)

[۲] شاہ بُلاقیؒ مراد آباد کے مشہور صاحب باطن بزرگ گزرے ہیں ۱۱۳۹ھ/۲۷-۱۷۲۶ء میں انتقال ہوا۔ شاہ بُلاقی کی سوانح عمری احمد حسین چمکارنے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں مطبع سعیدی رام پور سے چھپوا کر شائع کی ہے۔

[۳] محمد قلی کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد دوم ص۲۴۹

حصہ نہیں ملا ہے۔

قاضی محمد امداد حسین
قاضی محمد امداد حسین ولد قاضی محمد عباس ولد قاضی محمد بخش، ذی علم ہیں، فقہ، حدیث انشا اور املا میں اپنے زمانے کے علماء میں عزو امتیاز کے مالک ہیں۔ دولت اور تعلقہ داری کی وجہ سے اس شہر کے مشہور رؤسا میں ان کا شمار ہے ضرورت کے وقت اپنی ہمت اور نام کے اعتبار سے خرچ بھی کرتے ہیں مگر جود و سخا میں اپنے باپ کی طرح نہیں ہیں اور وہ (قاضی محمد عباس) ایسے شخص تھے کہ مراد آباد اور اطراف و جوانب میں حاتم ثانی کے نام سے مشہور تھے اور مصارف میں والیانِ ملک کا مقابلہ کرتے تھے مگر بے علم، عیش دوست اور مہمان نواز تھے۔

قاضی (محمد امداد حسین) کا کتب خانہ مشہور ہے اگرچہ مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے قاضی صاحب بہت حلیم الطبع اور سادہ مزاج ہیں ان کی طبیعت میں استقلال کم ہے بلکہ بالکل نہیں ہے۔ ذرا سے اندیشہ سے نہایت مضطرب اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

مفتی مقبول احمد
مفتی مقبول احمد بزرگانِ شہر کے خاندان سے ہیں ان کا اور ان کی اولاد کا حسن طریق حسب و نسب حسنِ عقیدت اور حسنِ لیاقت مشہور و معروف ہے۔

علمائے مراد آباد
علماء کے تین گروہ اہلِ سنت و جماعت، اہلِ حدیث[۱] اور امامیہ ہیں۔ ان تینوں گروہوں کے جن علماء سے میں واقف ہوں ان کا حال بطور یادگار لکھتا ہوں۔

مولوی محمد گل
مولوی محمد گل مدرسہ اسلامیہ امدادیہ کے مہتمم اور کابل کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ذات فائز البرکات سے مدرسۂ اسلامیہ مراد آباد کی رونق و ترقی ہے عالم باعمل اور علما کی جماعت میں بے مثال و بے بدل ہیں ان کے فیوضات کی بدولت ہر سال مجمع علماء میں چار پانچ آدمی (فارغ التحصیل طلباء) دستار فضیلت اور خلعتِ استغنا و قابلیت سے مشرف ہوتے ہیں مولوی محمد گل کا مزاج درویشانہ ہے، ریاست رام پور اور دوسرے مسلمانوں سے مدرسہ کی امداد کے لیے جو کچھ ملتا ہے نہایت امانت اور دیانت سے مدرسے کے کام میں حبۃً حبۃً خرچ کر دیتے ہیں خدا ؤ

۱ؐ مرزا نصیر الدین نے دیوبند کی علما کو اہلِ حدیث لکھا ہے خود امامیہ مذہب تھے لہذا اہل حدیث (غیر مقلد) اور دیوبندیوں میں فرق نہ کر سکے۔

رسول کے بعد بزرگانِ دین اور اولیائے کاملین کے آثار کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں خیرات، طعام مسکین، تقسیم شیرینی، حلوا برائے ثواب رسانی میت یا ارواح بزرگان کو اچھا سمجھتے ہیں اور اہل حدیث کی طرح کفر و بدعت نہیں کہتے ہیں۔ بہت صاف دل اور غیر متعصب ہیں یگانہ و بیگانہ کی رعایت ملحوظ خاطر رکھتے ہیں تقلید کے حامی ہیں غیر مقلدوں کو اپنا مخالف سمجھتے ہیں صوفی بھی نہیں ہیں کہ ان کو بربط و طنبور و نغمہ و غزل پر حال آئے اس قسم کے افعال کو مذموم، نامشروع اور بدعت سمجھتے ہیں ۔[1]

مولوی سید عبدالرشید
(مہتمم مدرسہ غربائے اسلامیہ)

مولوی سید عبدالرشید، عظیم آباد (پٹنہ) کے رہنے والے اور مدرسہ غربائے اسلامیہ مراد آباد کے مہتمم ہیں۔ قانع، صابر، متوکل ہیں چار سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں جو بطور حجرہ کے ہے سکونت رکھتے ہیں تمام شہر میں مشہور ہیں۔ سرکار رام پور یا دوسرے مسلمانوں سے مدرسہ کے طلبار کی امداد کیلئے جو کچھ ملتا ہے کمال احتیاط کے ساتھ بہ اندراج حساب صرف کرتے ہیں فارسی کی اصطلاحات سے خوب واقفیت ہے مدرسہ کی ترقی میں جان و دل سے ایسی کوشش کرتے ہیں کہ گویا اس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ہر سال ان کے مدرسے سے بھی چند علماء فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور علم فقہ و حدیث و تفسیر حاصل کر کے اپنے اپنے شہروں کو جاتے ہیں۔

مسئلہ توحید میں وہ اہل حدیث علماء کے مسلک کے متبع ہیں لیکن بہ ایں ہمہ موافق و مخالف کے ساتھ رسم دوستانہ اور اتحادِ مخلصانہ سے پیش آتے ہیں ہر کسی سے مباحثہ نہیں کرتے ہیں نہایت خوش اخلاق اور خوش بیان ہیں لیکن اکثر خاموش اور ساکت رہتے ہیں اور بے ضرورت بات نہیں کرتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں نہایت مختصر اور مدلل کہتے ہیں۔ مولوی محمد گل کی طرح افراط و تفریط اور مطلق العنانی کے طریقہ کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

---

[1] مولوی محمد گل کا انتقال ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں مراد آباد میں ہوا۔ سید احمد دحلان کی اور شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کے شاگرد تھے "رواح محمد گل ببستان جنۃ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ یہ مدرسہ سرسید احمد خاں کے مخالف ڈپٹی امداد العلی نے قائم کیا تھا۔ (محمد ایوب قادری)

مولوی قاسم علی | مولوی قاسم علی ولد مولوی عالم علی[۱] اصل باشندے نگینہ ضلع بجنور کے ہیں مگر مدت سے مراد آباد میں سکونت اختیار کرلی ہے صاحب علم و فضل اور علم طب میں مسیحائے زمان ہیں۔ سرکار انگریزی سے طبابت کے عہدے کی تنخواہ ملتی ہے جامع مسجد میں نماز جمعہ کی امامت فرماتے ہیں اور وعظ بھی کہتے ہیں اگرچہ ان کا مسلک دیوبندی ہے لیکن کسی کی مخالفت نہیں کرتے ہیں ہر ایک سے دل صاف رکھتے ہیں اور ہر مسلمان ان کو اپنا حامی اور موافق سمجھتا ہے الغرض صلح کل کا مشرب رکھتے ہیں و "ان اللہ لایحب الفساد" پر عمل کرتے ہیں۔ روسائے شہر تسمیہ خوانی، نشرح اور نکاح خوانی وغیرہ کی تقریبات میں مولانا قاسم علی کو بلاتے ہیں اور ان تقریبات میں مولوی صاحب کو شیرینی و نقد و پارچہ بطور نذرانہ دیتے ہیں اگرچہ ان رسوم میں بعض بدعت ہیں مگر مولانا ان سے کراہیت نہیں کرتے ہیں اور نہ زبان سے بطور طنز ان بدعات کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ ان کے حسن خلق سے ساکنان مراد آباد راضی اور خوش ہیں۔

اسی سال ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء کا واقعہ ہے کہ مراد آباد کے اکثر لوگوں نے ہلال رمضان کی خبر آنے والے مسافروں سے سن کر بدھ کے دن روزہ رکھ لیا کیونکہ ریل کے سفر میں منگل کے دن ہلال رمضان لوگوں کو نظر آگیا تھا۔ مگر مولانا کو شرع کے مطابق رویت ہلال کی خبر نہ تھی۔ بدھ کے دن تمام روزہ داروں کو بذریعہ اعلان مطلع کیا کہ فوراً روزہ توڑ دیں کہ ہمیں منگل کے دن کا چاند دیکھنا تحقیق نہیں ہوا ہے اور اگر ممانعت کے باوجود روزہ نہ توڑیں گے تو گنہگار ہوں گے۔

مولوی محمد حسن | مولوی محمد حسن، مولوی احمد حسن[۲] کے صاحبزادے ہیں جو مراد آباد کے متبحر عالم تھے مدرسۃ الغربا

---

[۱] مولانا عالم علی بن کفایت علی، مراد آباد کے نامور عالم تھے شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگرد تھے کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ۹ رمضان ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں انتقال ہوا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری ص ۳۶۰-۳۶۱ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء)

[۲] مولوی احمد حسن نے شفاء قاضی عیاض (نصف اول) پر حاشیہ لکھا ہے یہ کتاب مطبع صدیقی بریلی میں ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں طبع ہوئی ہے مولوی احمد حسن مرادآبادی کا انتقال ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں ہوا۔

(محمد ایوب قادری)

میں طلبا کو درس دیتے ہیں۔ ذہین، وجیہ، جوان صالح اور دیوبندی مسلک رکھتے ہیں چنانچہ عدالت میں انہوں نے اس امر کی صاف صاف شہادت دی کہ وقف کنندگان کی غرض، مصرفِ خیر کی ہوتی ہے نہ کہ رقص و سماع اور ممنوعات شرعیہ کی، اگرچہ وکیلوں نے اپنی شوخ طبیعت کی وجہ سے انہیں متزلزل بھی کیا اور سوال کیا کہ آپ کے والد عرسوں میں جاتے تھے اور سماع سنتے تھے آپ ان کے حق میں کیا فرماتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور میرے اعمال میرے ساتھ ہیں میں نے جوبات حق اور شرع کے مطابق سمجھی کہہ دی [1]

مولوی محی الدین خاں نواب شبیر علی خاں کے بیٹے اور فاروقی شیخ زادے ہیں مراد آباد کے مشہور رئیس ہیں۔ راست گو، صاف باطن، کم سخن، عابد، زاہد، متشرع، تہجد گزار اور عالم باعمل ہیں۔ صحابہ و تابعین کی سُنّت پر عمل کرتے ہیں، اپنے قیمتی وقت کو تفسیر و احادیث کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتے ہیں اور بحث و مباحثہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں [2]

مولوی اسمٰعیل بیگ مولوی اسمٰعیل بیگ نے بھی ایک مدرسہ مدرسۂ اسلامیہ کے نام سے جاری کیا ہے اس مدرسے میں وہ اپنے اوقات علم دین کی تعلیم اور دنیاوی امور میں صرف کرتے ہیں صاحب استعداد اور نیک نہاد عالم ہیں وہ بھی دیوبندی عالم ہیں بات بات میں شرک، کفر اور بدعت کے الفاظ زبان پر لاتے ہیں۔

مولوی محمد اسرار الحق مولوی محمد اسرار الحق ولد مولوی محمد علی ولد مولوی اسد علی عین عالمِ شباب میں دُنیا کو ترک کر کے آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں ریاست و امارت کے باوجود گوشۂ عزلت میں بطریق درویشانہ، نماز، تلاوت اور کتب بینی میں اپنے اوقات عزیز صرف کرتے ہیں، عالم با استعداد، خلیق، سخی، مہذب اور ہردلعزیز ہیں دوست کی غم خواری کے لیے

---

[1] نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ نے ایک وقف بغیہ کا کیا تھا اس سلسلے میں یہ مقدمہ چلا مولوی محمد حسن بدعات عرس کے خلاف تھے اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ وقف کا اصل مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے۔

[2] مولوی محی الدین کچھ دنوں بھوپال میں قاضی بھی رہے ۱۹۳۰ء میں انتقال ہوا۔ (محمد ایوب قادری)

جو کچھ ہو سکتا ہے کرتے ہیں۔

جلسۂ احباب میں کسی خاص موقع پر تفنّنِ طبع کے لئے (کسی کے متعلق) کوئی بات آہستہ سے کہ دیتے ہیں ایک شخص دوسرے پر تیز ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دونوں صاحبوں میں سخت کلامی کی نوبت پہنچ جاتی ہے، دیکھتے ہیں کہ دونوں خوب تیز و تند ہو رہے ہیں اور قریب ہے کہ ایک دوسرے پر حملہ کر دیں۔ اس وقت اپنی شیریں کلامی سے ان کے غصّہ کو فرو کرتے ہیں پھر دونوں میں معانقہ اور صفائی کراتے ہیں ان کی یہ بزم نشاط بھی انبساط سے خالی نہیں ہوتی ہے[1]

مولوی محمد باقر شیعہ مولوی محمد باقر ولد مولوی علی نقی ولد نجف علی، مراد آباد میں امامیہ مذہب کے عالم باعمل ہیں اکثر اوقات نماز۔ اوراد اور وظائف میں صرف کرتے ہیں رضوی سید ہیں امام باڑہ محمد قلی خاں ایرانی کی تولیت باپ دادا کے زمانے سے ان کے خاندان میں چلی آتی ہے۔ ایام عشرہ محرم میں مجالس عزا، سبیل شربت و دعوت طعام کا انعقاد کرتے ہیں۔ کالے کمبل کا تعزیہ اس امام باڑے سے بروز عشرہ نکالتے ہیں اور بازاروں میں گھما کر شام کو امام باڑے میں رکھ دیتے ہیں، خدا، رسول اور آل اطہار کی محبت کو اصولِ دین اور فرائض شرع میں سمجھتے ہیں

صوفیائے کرام مراد آباد میں صوفیا بھی ہیں جو طریقت کو عین شریعت سمجھتے ہیں، رقص، سماع غنا اور مزامیر کو پیرانِ طریقت کی قبروں پر سنت بلکہ فرض سمجھتے ہیں اور جوش میں آکر گانے والے رقص کرنے لگتے ہیں اور گانے والوں کی خوش آہنگی سے متاثر ہو کر یہ خود رقص کرنے لگتے ہیں۔ اس بیخودی و حال کی کیفیت میں نماز فرض بھی قضا ہو جاتی ہے لیکن اس اداے دلربایانہ کی ادائیگی ضروری اور لازمی سمجھی جاتی ہے۔ مجھے مراد آباد کے کسی صوفی کی خدمت میں نیاز مندی حاصل نہیں ہے اس لئے میں معذور ہوں۔

شعرائے مراد آباد

ذکی:۔ شیخ مہدی علی ذکی واجد علی شاہ، بادشاہ اودھ کے عہد کے ملک الشعرا تھے ان کا کلام

---

[1] مولوی محمد اسرار الحق قصبہ بچھرایوں کے رہنے والے تھے مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (محمد ایوب قادری)

اُن کی قادر الکلامی کی دلیل ہے لہ

تمنّاؔ:۔ مولوی محمد حسین تمنّا (تخلص کرتے تھے) اسی سال (۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء میں) نوے سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت میں قصائد اور غزل خوب کہتے تھے ۲ہ

برقؔ:۔ قاضی نجم الدین برقؔ، سکندر آباد، ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے لیکن سالہا سال سے اپنے اصل وطن کو ترک کر کے مراد آباد میں رہتے تھے اسی سال (۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء میں) ان کا انتقال ہوا۔ مومن خاں مومنؔ کے شاگرد تھے بانوے سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ بڑھاپے میں بھی جوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے مذاق و مزاح کو پسند کرتے تھے۔

روسائے مراد آباد

نواب حمید الظفر خاں نواب حمید الظفر خاں بہادر ابن نواب جلال الدین خاں ابن نواب معین الدین خاں ابن نواب ضابطہ خاں ابن بخشی الممالک امیر الامراء نواب نجیب الدولہ مراد آباد کے نووارد رئیس ہیں۔ ریاست بیکانیر میں انگریزی سرکار کی طرف سے نائب الریاست کے عہدے پر سرفراز ہیں۔ ایام غدر میں بغاوت کی وجہ سے ان کی خانہ ویرانی ہوئی۔ نواب محمود خاں رئیس نجیب آباد نے سرکار انگریزی سے بغاوت کی اس لیئے نواب کی تمام جائداد اور ان کے بھائی یعنی حمید الظفر خاں کے والد کی تمام جائداد سرکار نے ضبط کر لی۔ نواب حمید الظفر خاں نے مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی اور امیروں کے سے محل و مکانات بنوا لیئے ہیں۔

لہ شیخ مہدی علی ذکیؔ ولد شیخ کرامت علی مراد آبادی، شیخ امام بخش ناسخؔ کے شاگرد تھے لکھنؤ اور رام پور کے دربار سے وابستہ رہے۔ لکھنؤ سے ملک الشعراء کا خطاب ملا تھا اپنے دور کے نامور شعراء میں تھے کلیات چھپ چکا ہے مراد آباد میں ذکیؔ کے چار شاگرد مولانا کفایت علی کافیؔ، مولوی محمد حسین تمنّاؔ، مولوی معین الدین نزہتؔ اور نواب بشیر علی خاں تنہاؔ خاص طور سے مشہور ہیں۔ ذکیؔ کا ۷۰ سال کی عمر میں انبالہ میں ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو انتخاب یادگار۔

۲ہ مولوی محمد حسین تمنّا حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے بیعت تھے بڑے نیک نفس بزرگ تھے تفصیل کے لئے دیکھیئے انوار العارفین از مولوی محمد حسین ص ۵۰۸ (مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۵ھ)

نواب عبدالسلام خاں

نواب عبدالسلام خاں ولد اسحاق خاں ولد نواب سعداللہ خاں (داماد نواب معین الدین خاں) نے نجیب آباد کی سکونت ترک کر دی ہے اور مراد آباد میں عالی شان عمارت بنوالی ہے آج کل ضلع پرتاب گڑھ میں سب جج ہیں [۱]

نواب محمد سیف اللہ خاں

نواب محمد سیف اللہ خاں بہادر ریاست بھرت پور میں ڈپٹی ایجنٹ اور اضلاع مین پوری و مراد آباد میں ڈپٹی کلکٹر درجہ اول رہے۔ وہ نواب سلطان خاں کہ جن کا خطاب اعتقاد الدولہ تھا اور نواب نجیب الدولہ کے حقیقی بھائی تھے کے بیٹے ہیں۔

نواب محمد سیف اللہ خاں غدر ۱۸۵۷ء میں بمقام آگرہ انگریزی سرکار کی خیر خواہی میں گورنمنٹ کی طرف سے فوج قرولی کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ انہوں نے باغی فوج سے جنگ کی۔ سرکار کی فتح اور ممالک ہند پر کامل تسلط کے بعد نواب صاحب کو خطاب نواب معہ خان بہادر ایک ہزار روپیہ کی قیمتی خلعت فاخرہ، شمشیر باقبضۂ طلائی، بندوق، تفنگچہ شش نال، دستار زریں، پنکہ زرکار اور تحصیل بہیڑی (ضلع بریلی) پرگنہ چھاچھٹ میں پانچسو روپے سالانہ منافع کی جائداد حین حیات عطا ہوئی اور حکم ہوا کہ نواب صاحب کی وفات کے بعد جاگیر مذکور چہارم جمعبندی پران کے ورثا، کو منتقل کر دی جائے۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء میں مراد آباد میں نواب صاحب کا انتقال ہوا۔ پھر یہ جائداد ان کے چاروں بیٹوں نواب محمد کفایت اللہ خاں، نواب محمد اسد اللہ خاں نواب محمد امداد اللہ خاں، اور نواب محمد شجاع اللہ خاں کے نام منتقل ہو گئی۔ نواب صاحب کی سکونت ۱۸۶۳ء سے مراد آباد میں ہوئی انہوں نے نواب رفیع علی خاں کے مکانات خرید لیئے جو بغاوت کی وجہ سے سرکار نے ضبط کر لیئے تھے۔

---

[۱] نواب عبدالسلام خاں بڑے ذی علم رئیس تھے انہوں نے ایک کتاب "نسب افاغنہ" کے نام سے لکھی ہے سنہ ۱۹۱۴ء میں مطبع ریاست رام پور میں طبع ہوئی ہے۔ نواب عبدالسلام خاں کا کتب خانہ نہایت بیش قیمت تھا جو عبدالسلام کلیکشن کے نام سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (محمد ایوب قادری)

مراد آباد کی تجارتی اشیاء

(۱) ظروف قلعی شدہ :۔

ظروف مراد آباد کی اطراف و جوانب میں بلکہ روم، شام، جرمنی، فرانس، لندن وغیرہ کلکتہ اور بمبئی کے بندرگاہوں سے بکثرت جاتے ہیں، مُراد آباد میں ظروف سازی کے کارخانے خوب جاری ہیں۔ دھات کو گلا کر مٹی کے ٹھپّے میں جس کی شکل برتن کی طرح ہوتی ہے ڈالتے ہیں جیسے ہی وہ ٹھپّے میں پہونچتی ہے برتن بن جاتا ہے پھر ایسی قلعی کرتے ہیں کہ چاندی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

(۲) پارچہ گبرون :۔

مراد آباد کے باشندے رنگ برنگ کے سوتوں کے تاروں سے ایسا اچھا اور مضبوط گبرون کا کپڑا تیار کرتے ہیں کہ ولایت کی گبرون اس کے سامنے ہیچ ہوتی ہے۔

اختتام

اب شہر مراد آباد کے ذکر کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔ یہ شہر خطِ استوائے شمالی سے ۲۸ درجہ چند دقیقہ عرض البلاد پر کوہستان ہمالیہ سے متصل واقع ہے اسی لئے اس شہر میں گرمی کا موسم معتدل ہوتا ہے لیکن جاڑوں میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔ اقسام امراض میں وجع مفاصل، دردِ کمر

اور فالج اس شہر کے مخصوص امراض ہیں۔ باقی امراض دوسرے شہروں کی طرح ہیں۔ صلح کل شخص کے مقابلہ میں اس شہر کے ادنیٰ و اعلیٰ تمام باشندے زیادہ تر حاسد، کینہ ور، لڑاکا اور عیب جو ہوتے ہیں [51]

اللہ کا شکر ہے کہ کتاب نگینہ انگشتری سلیمانی کہ جس کے نام سے اس کی تاریخ تالیف نکلتی ہے بتاریخ ۱۷ شوال ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۱۰ء بروز یکشنبہ بمقام مراد آباد ختم ہوئی [52]

نصیر الدین محمد

قطعہ تاریخ جناب میر نذر علی دردؔ کاکوروی

نصیر دیں نے سوانح اپنی، وقائع اپنے لکھے تھے جتنے
زبان فارسی میں تھے یہ سارے مطالعہ میں تھی سرگرانی
جناب ایوب قادری نے، کیا جو اردو میں ترجمہ ہے
ہے اس کے اندر عجب روانی، اسی سے ظاہر ہے جاں فشانی
کمالِ ترتیب اور حواشی، سے بڑھ گئی ہے افادت اس کی
خدا کے فضل و کرم نے ان کو، تمام بخشی ہے کامرانی
ندائے غیبی یہ کہہ رہی ہے کہ "آہِ دل" کے بغیر ہمدم
سنِ طباعت ہے دردؔ اس کا۔ یہ ہے "مرقع نصیر خانی"
۱۴۲۱-۴۰
۱۳۸۱ھ

---

[51] مرزا نصیر الدین کا یہ ذاتی خیال ہے اس کو کلیہ نہیں بنایا جا سکتا ہے (مرتب)

[52] مرزا نصیر الدین کا انتقال ۲ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۰۹ء بروز شنبہ مراد آباد میں ہوا اور عید گاہ میں دفن ہوئے۔ گردش چرخ اور ستی در جنت سے تاریخ انتقال نکلتی ہے۔

(مکتوب چودھری وحید احمد مسعود بنام محمد ایوب قادری)
(مورخہ ۳ اگست ۱۹۶۱ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلامِ علیل[1]

نعت فی خطاب سیّد المرسلین بوقت جنگ روس و روم کہ در ۱۸۷۷ء بمقام پلونا وغیرہ شد و مستجاب شد

آپ ہیں یا شاہ ختم المرسلین — آپ ہی ہیں مہبط روح الامین
آپ مصداق لعمرک بالیقین — آپ ہی ہیں رحمۃً للعالمین

الغیاث اے شاہِ شاہاں الغیاث
الغیاث اے لطفِ یزداں الغیاث

الغیاث اے رحمتِ پروردگار — الغیاث اے شافعِ روزِ شمار
الغیاث اے سرورِ عالی تبار — الغیاث اے صاحبِ جاہ و وقار

روم پر کی ہے چڑھائی روس نے
صور پھونکا ہے دمِ ناقوس نے

خستگی میں ہیں بلادِ مسلمین — چار سو گھیرے پڑے ہیں مشرکین
کٹ گئے صدہا جوانانِ حسین — ہو گئے برباد سب اصحاب دین

مشرکوں کا ہر طرف سے شور ہے
آپ کی اُمّت پہ سخت زور ہے

---

[1] مرزا نصیر الدین علیل کا کلام اُس وقت موصول ہوا جبکہ کتاب کی طباعت قریب الختم تھی لہٰذا اس کا انتخاب آخر میں شامل کیا گیا ہے۔

روس نے کی بند فضا راہِ روم — آپ کے قربان مال وجاہِ روم
آگیا ہے گھن میں اب ماہِ روم — آپ کے در کا گدا ہے شاہِ روم

شرم اب اُس کی تمہارے ہاتھ ہے
اُس کو تو مشکل ہے تم کو بات ہے

آپ کی جانب ہے اب سب کی نظر — آپ پر روشن ہو حال خشک و تر
گھر گیا نرغہ میں شاہِ بحر و بر — لیجئے اب اپنے خادم کی خبر

کشتیٔ اسلام اور منجدھار ہے
تم سہارا دو تو بیڑا پار ہے

روس نے حملے کئے ہیں بیدرنگ — یعنی حد سے بڑھ کے ہیں درپیش جنگ
لیک اب تک ہے قیامِ نام و ننگ — کر دیا ہی دشمنوں کو خوار و تنگ

دھوپ ہے میداں ہے اور شمشیر ہے
دشمنوں پر حملہ با تکبیر ہے

یا رسول اللہ خدا کے واسطے — کعبۃ اللہ کی ردا کے واسطے
حرمتِ آلِ عبا کے واسطے — مومنوں کے خوں بہا کے واسطے

لشکرِ غیبی سے حملہ کیجیئے
لیجیئے دشمن سے بدلہ لیجیئے

دشمنِ دیں کے لئے ہو وہ شکست — کر نہ پاوے تا قیامت بند و بست
حوصلہ ہو سست اور ہمت ہو پست — پھر غرور جاہ سے ہووے نہ مست

رونقِ اسلام تازہ کیجیئے
اور جبینِ دیں پہ غازہ کیجیئے

قوتِ اسلام با شوکت رہے — غازیوں کی عزت و حرمت رہے
دشمنوں کو خواری و ذلت رہے — حفظِ حق میں شاہ کی حالت رہے

ترک سے وہ ہووے حملہ دھوم کا
روس میں پہونچے پھر ہرا روم کا

مُبتلائے درد عصیاں ہے علیل
بیکسی پر اپنی گریاں ہے علیل

بینوائی سے پریشاں ہے علیل
مغفرت کا اپنی خواہاں ہے علیل

گرچہ عاصی ہوں سیہ کاروں میں ہوں
آپ کے میں کفش برداروں میں ہوں

مثنوی در قحط، ۱۸۹۶ء

ہند میں کیسا قحط پڑا ہے
ہر جانب سے وا ویلا ہے

ہے برسات اور ابر ندارد
کیونکہ نہ ہووے صبر ندارد

کچھ تسکیں کی بات نہیں ہے
حشر ہے یہ برسات نہیں ہے

کال نے ایسے پاؤں نکالے
ندیاں سب کرتی ہیں نالے

دریاؤں کو پانی کا غم
ہیں لب خشک بچشمِ پُرنم

کھیتیاں ساری خشک کھڑی ہیں
سخت ہوا سے بچھی پڑی ہیں

ہر خوشہ حیران کی صورت
ہر دانہ نادان کی صورت

حکمِ صبا پتوں پر جاری
کرتی ہے ہر دم ورق شماری

باغ بھی سارے ہو گئے پت جھڑ
گرتے ہیں سوکھے پتے کھڑ کھڑ

کیوں نہ ملیں ہو ہو کر نالاں
دستِ تاسف برگ درختاں

صبا نے جو یہ چھب دکھلائی
کھیتوں سے مانگی خاک اُڑائی

کال کا یارب ہو مونہہ کالا — رزق کے اوپر ڈاکہ ڈالا
جو تھے کھیتی کرنے والے — ہو گئے بھوک سے مرنے والے
روتے ہیں کھیتوں پہ بیٹھے — جیتے جی گویا مر بیٹھے
اپنے گھروں کو آگ دے کر — مائیں چلیں بچوں کو لے کر
صدہا بچے سیکڑوں عورت — اپنے گھروں سے ہو گئے رخصت
یار تھا کوئی نہ وہاں یاور تھا — فاقے پہ فاقہ اور سفر تھا
یاس کی یہ اُمید بر آئی — مُردنی سب کے موہنہ پر چھائی
بھوکوں کے مارے مر گئے اکثر — جانوں سے اپنی گزر گئے اکثر
تڑپ تڑپ کر بھوک کے مارے — رہ گزروں پر مرے بچارے
ماں کوئی بچہ چمٹا لئے — مر گئی آنکھوں کو پتھرائے
بھوک میں کوئی بچہ لے کر — کود پڑی دریا کے اندر
پھرتے تھے روتے سڑکوں پر — بن مَیّا کے بچے اکثر
ماں کو پکار کے روتے تھے وہ — مچل کے جان کو کھوتے تھے وہ
بعضی بچے چھوڑ کے چل دی — بچوں سے موہنہ موڑ کے چل دی
جس ماں کے دو چار تھے بچے — اُس کے لئے آزار تھے بچے
بھوک سے کوئی سسک رہا تھا — فاقے سے کوئی بلک رہا تھا
ایک کو تھی کندھے پر ڈالے — ایک کی تھی اُنگلی کو پکڑے
دو بچے تھے دائیں بائیں — روتے جاتے بھائیں بھائیں
ہر اک کی کرتی تھی تسلی — ہر اک کو دیتی تھی تشفی
دل تھا کباب جگر تفتہ تھی — بچوں کے غم میں خود رفتہ تھی
حال پر اپنے نظر نہیں تھی — اپنی اُس کو خبر نہیں تھی
سب اُمرا کا ناک میں دم تھا — خلق بہت سرمایہ کم تھا

تھک گئے وہ سب دیتے دیتے ۔ تھکے نہ بھوکے لیتے لیتے
آخر سب فریاد کو اُٹھے ۔ قادر سے امداد کو اُٹھے
سینے سے آہیں بھرتے نکلے ۔ گریہ وزاری کرتے نکلے
سب اُمرا اسلام کے پیرو ۔ سب شرفا اسلام کے پیرو
قاضی و عالم خورد و کلاں سب ۔ سب زن و مرد اور پیر و جواں سب
تھا صحرا میں عزم دُعا کا ۔ اور نماز استسقار کا
نیت کرکے حمد و ثنا کی ۔ استسقار کی نماز ادا کی
وقت دُعا با دیدۂ گریاں ۔ مانگی دُعائے بارش باراں
اَبر اُٹھا اور پیہم اُٹھا ۔ خلق ہوئی خوش اور غم اٹھا
شرقی ہوا نے شور مچایا ۔ سب یہ سمجھے پانی آیا
لیکن بختِ بد کی بدولت ۔ بادل سارے ہوگئے رُخصت
رخصت ہوئی ہوائے شرقی ۔ چلنے لگی پھر بادِ غربی
دوسرے دن پھر ہوئے فراہم ۔ جملہ مسلماں با دلِ پُرغم
پڑھا نمازِ استسقار کو ۔ سب نے ہاتھ اُٹھائے دُعا کو
تھی اُمید کہ پانی برسے ۔ رہ گئے سب ترسے کے ترسے
دھوپوں سے چہرے کملائے ۔ گھروں کو وہ سب واپس آئے
کسی کا اس میں اجارہ کیا ہے ۔ مرضیِ حق سے چارہ کیا ہے
آنکھیں ہیں اور خشک نمیں ہے ۔ بادل کا اب پتہ نہیں ہے
تیسرے دن پھر چلے نمازی ۔ بن کے جہادِ نفس کے غازی
عورتیں مفلس بچوں والی ۔ رزق سے جن کی جیبیں خالی
اور کچھ بچوں والی گائیں ۔ بچے پیچھے آگے مائیں
ساتھ مسلمانوں نے لیں ۔ اور وہ سب صحرا میں آئیں

بچوں سے مائیں ماؤں سے بچے ۔ جُدا جُدا پردوں میں رکھے
بچے چیخے مائیں مائیں ۔ مائیں پکاریں ہائیں ہائیں
بچوں نے ایک شور مچایا ۔ اپنی اپنی ماں کو پکارا
مائیں ادھر سے چلاتی تھیں ۔ بیچینی سے گھبراتی تھیں
عورتیں اک جانب چلائیں ۔ ایک طرف گائیں ڈکرائیں
حدّتِ دھوپ اور موسم گرما ۔ حشر ہوا میدان میں برپا
ادھر تو یہ برپا تھی قیامت ۔ اُدھر ہوئی تکبیرِ اقامت
پڑھی نماز خلوصِ دلی سے ۔ کی الحاح وزاری جی سے
وقت دُعا اک بادل اُٹھا ۔ سب جانب سے مسلسل اُٹھا
ایسا گھر کر آیا بادل ۔ دھوپ کے اوپر چھایا بادل
گرج تھی یا نقارۂ رحمت ۔ بوندیں تھیں فوارۂ رحمت
پھر تو ایسا پانی برسا ۔ بھر گئے جل تھل دجلہ و دریا
شکر کناں سب ہنستے خوشی سے ۔ گھر دن تلک اپنے جا پہونچے
حق سے مانگی مرادیں لائے ۔ سوکھے گئے تھے بھیگے آئے

بنیوں کے دل غم سے ہوئے خستہ
غلّہ مہنگا ہو گیا سستا

مرثیہ مرزا عبدالہادی والدِ خود

الٰہی میں غم میں گرفتار ہوں ۔ خدایا میں جینے سے بیزار ہوں
رُلاتی ہے غم کی کہانی مجھے ۔ ستاتی ہے اب زندگانی مجھے
روانی پہ ہے چشم گریاں مری ۔ شرر ریز ہے آہ سوزاں مری

فسانہ مرا درد آمیز ہے — کہانی مری وحشت انگیز ہے
تحیر میں ہے چشم حیراں مری — کوئی دیکھے شکل پریشاں میری
عجب میری حالت پریشان ہے — جنوں مجھ سے دست و گریبان ہے
کبھی شکوۂ آسماں ہے مجھے — کبھی ذکر جورِ زماں ہے مجھے
کبھی مجھ کو اختر شماری سے کام — کبھی پیش ہے آہ و زاری سے کام
کبھی خاک اڑانا بیابان کی — کبھی دھجیاں ہیں گریبان کی
کیا خنجرِ غم نے مجھ کو ہلاک — کوئی دیکھے میرا دلِ چاک چاک
ہوا خالی عشرت سے سینہ مرا — تباہی میں آیا سفینہ مرا
علیلِ حزیں خانہ برباد ہے — الٰہی مری تجھ سے فریاد ہے
بھری ہے جو غم سے حکایت مری — فلک سے ہے یارب شکایت مری
کہ میں فکرِ دنیا سے آزاد تھا — مرا خرمی سے دل آباد تھا
نہ امروز کا غم نہ فردا کی فکر — الٰہی مجھے تھی نہ دنیا کی فکر
کبھی لب پہ آتی نہ تھی غم کی بات — کہ دن عید تھا رات تھی شب برات
پدر کے میں سائے میں پلتا رہا — میں جوشِ خوشی سے ابلتا رہا
عجب روز افزوں تھی طاقت مری — ترقی پہ کیا کچھ تھی حالت مری
بھروسے پہ والد کے نازاں تھا میں — غمِ این و آں سے گریزاں تھا میں
کسی کے مجھے تھا نہ مرنے کا درد — کہ میں جانتا ہی نہ تھا گرم و سرد
ہر اک کے الم کو اٹھاتے وہی — ہر اک کے لیے جی کڑھاتے وہی
وہ ایسے جہاں میں تھے ہر دلعزیز — کہ تھے اُن کے جویا سب اہلِ تمیز
نہ تھی فکر مجھکو نہ تھا مجھکو غم — جواں ہو کے بچوں میں بھرتا تھا دم
نہ کھانے کا غم اور نہ پوشش کی فکر — کسی کام میں تھی نہ کوشش کی فکر
خوشامد سے اُن کو بلانا مجھے — تقاضے سے کھانا کھلانا مجھے

رہے حال کی پرسش و جستجو ہر اک بات میں میری ہی گفتگو

جو مجھ میں تھے عیب آشکار و نہاں سمجھتا میں اپنی انہیں خوبیاں

مجھے شوق کشتی و ورزش سے تھا میں غافل زمانے کی گردش سے تھا

یکایک گرا اُس پہ کوہِ الم دوتا ہو گئی پشت وائے ستم

خبر آئی والد سفر کر گئے ہوئے زندہ جاوید ہم مر گئے

خبر آئی وہ کنبہ پرور اُٹھا مرے سر کا وہ تاج و افسر اُٹھا

جہاں سے وہ صاحب کمال اُٹھ گیا غریبوں کا پرسان حال اُٹھ گیا

وہ صاحب وجاہت جہاں سے گیا تعلق کو چھوڑ اپنی جاں سے گیا

خردمند و حق جو و بے حرص و آز حلیم و خدا ترس و عاجز نواز

سرِ انجمن قدوۂ داستاں وہ با زہد و تقویٰ و با عز و شاں

وہ خوش رو وہ خوش خو وہ موزوں لباس فصیح و خردمند و دانش اساس

جہاں سے اُٹھا صدر اصحاب علم وہ عالم کہ سرخیل اربابِ علم

دل غم زدہ غم سے ہے داغ داغ کہ گل کھل کے پھر ہو گیا گل چراغ

زباں میں تھی ایسی فصاحت بھری کہوں کیا جو کچھ تھی لطافت بھری

میں کس کس صفت کو کروں اُنکی یاد خرد علم و شفقت سخاوت و داد

کسی دشت میں جا کے میں خاک اُڑاؤں یا کہیں جا کے گریہ سے دریا بہاؤں

کسی بن میں ٹکڑوں میں تقدیر سے کسی گھر میں اُلجھوں میں تدبیر سے

کسی قبر پہ سوگواری کروں کسی گور پر اشکباری کروں

کروں اپنا میں پیرہن چاک چاک و یا جان کو اپنی کر دوں ہلاک

میں کس در پہ سر اپنا ٹکڑے کروں حقیقت مصیبت کی کس سے کہوں

ارے کوئی فریاد سُن لو مری ہوئی مجھ پہ بیداد سن لو مری

مرا باپ کنبہ کا سرتاج تھا مجھے تخت تھا ملک تھا راج تھا

سلامت جو پاتا تھا میں باپ کو / خوشی سے تھا بھولا ہوا آپ کو
مرا باپ تھا سرورِ انجمن / مرا باپ تھا ماہرِ علم و فن
مرا باپ تھا سایہ گستر مدام / کہ اولاد تھی خرّم و شاد کام
ملی خاک میں عیش و راحت مری / ہوئی نیست نابود عشرت مری
شبِ تار ہے میرا روزِ سیاہ / اندھیرا سا چھایا ہے زیرِ نگاہ
مجھے زندگی اپنی بھاتی نہیں / الٰہی مجھے موت آتی نہیں
گیا باپ اپنا پرساں ہے کون / شفیق اپنا جز چشمِ گریاں ہے کون
غضب ہے کہ وہ سرپرست اُٹھ گیا / بندھا تھا جو کچھ بندوبست اُٹھ گیا
میں حیران ہوں اے خدا کیا کروں / پریشان ہوں اے خدا کیا کروں
مرے چھوٹے بھائی پریشان ہیں / وہ مجھ سے بھی زیادہ ہراسان ہیں
اگر روتے ہیں وہ تو گھٹتا ہے دل / مرا اُن کے رونے سے پھٹتا ہے دل
میں کس طرح اُن کی تسلی کروں / وہ بیتاب ہیں کیا تشفی کروں
دُعا ہے کہ جبتک میں جیتا رہوں / میں خونِ جگر اپنا پیتا رہوں
فنا کر دوں رو رو کے میں آپ کو / کروں یاد جب اپنے ماں باپ کو
انہیں مغفرت کیجو پروردگار / بہشت بریں میں ہو دار القرار
عطا صبر کر بھائیوں کو مرے / عطا عمر کر اور دولت بڑھے
مرے باپ کا نام قایم رہے / خدایا ترا لطف دائم رہے
الٰہی مری عاقبت ہو بخیر / نہ دُنیا میں چاہوں مدد تجھ بغیر

جلیل آہ کرکے بحالِ تباہ
کہو تم غمِ قبلہ و کعبہ آہ
ھ۱۲۸۷ = ۶ + ۱۲۸۱

مرثیہ

مرزا نظام الدین برادرِ کلاں

پلا ساقیا بادۂ لالہ فام
کہ قلقل کی قلیا ہو بالکل تمام

وہ بھر کر دے اک جام آتش مزاج
کہ سینہ ہو رشکِ سراجاً وہاج

مئے شعلہ گوں وہ پلائے مجھے
کہ پیتے ہی بالکل جلائے مجھے

جلا کر کرے قیدِ ہستی سے پاک
مری ہڈیاں جل کے ہو جائیں خاک

دہکتا ہو ہر داغ اخگر کی طرح
چمکتا ہو سینے میں اختر کی طرح

مری خاک ریگِ رواں میں پھرے
غبارہ بگولے ہیں بن کر اڑے

مری خاک کے ذرے تاباں ہیں
غبارے سے شعلے نمایاں رہیں

اگر زندگی ہو تو جلتا رہوں
سدا دست افسوس ملتا رہوں

مری چشم نالے بہاتی رہے
مری آہ شعلے اڑاتی رہے

مرا گریہ طوفاں دکھایا کرے
مری آگ عالم جلایا کرے

مجھے دیکھ کر لوگ وحشت کریں
جو وحشت ہوں مجھ سے محبت کریں؟

خس و خار سے آشنائی کروں
میں تنکے چنوں کہربائی کروں

مرے دیدۂ زار گریاں رہیں
مری زاریاں رشکِ طوفاں رہیں

مجھے دیکھ دریا نہ قائم رہے
سواری پہ موجوں کی چڑھ کر بہے

مرے آنے کا موج اشارہ کرے
جو بہہ نکلوں تو دریا کنارہ کرے

وہ آنکھوں سے گریہ کا دریا بہے
کہ آنکھوں کی کشتی بھی بہتی بہے

مرے مردمِ دیدہ لہریں کریں
رواں سیر کشتی میں لہریں کریں

رہیں مردمِ دیدہ گردش کناں
تو ہو پتلیوں کا تماشا عیاں

سر شعلۂ آہ پر دل اُڑے — کہ جس طرح تختِ سلیماں چلے

سرِ دل پہ دودِ جگر ہو چتر — کرے نالہ قرنا کے مانند اثر

جلو کش گرِ اشک کی ساتھ ہو — کہے چشمِ پُرنم کہ آگے بڑھو

پسِ فوج میں خاک اُڑاتا چلوں — پریشانی اپنی دکھاتا چلوں

کروں میں گریبان کو تار تار — ہنرہائے وحشت کروں آشکار

کبھی پیرہن کے میں ٹکڑے کروں — کبھی تار سے آنسوؤں کے سیوں

کبھی قطع دامانِ صحرا کروں — کبھی پاٹ دریا کا ناپا کروں

کسی در پہ آنکھوں سے دریا بہاؤں — کسی گھر پہ آہوں سے شعلے اُٹھاؤں

زمیں پر کہیں خوں گراتا پھروں — خیاباں میں لالہ جماتا پھروں

کبھی اپنی وحشت کا چارہ کروں — غزالوں کا جا کر نظارہ کروں

جو دیکھے مرے دل کی بیتابیاں — تو سیماب ہو پارہ پارہ وہاں

مصیبت کی گاہے حکایت کروں — زمیں سے فلک کی شکایت کروں

بچھادوں زمیں پر میں دل کے شرر — دکھادوں میں گن گن کے داغِ جگر

بگڑنے کا احوال سارا جتاؤں — میں بن کے درختوں کو جا کر سناؤں

جو پیدا ہو اشکوں میں خوں کا اثر — لٹا دوں میں آنکھوں سے لعل و گہر

رہے ہر پلک اس طرح خونچکاں — کہ ہر اشک سے ہوویں شعلے عیاں

سرِ ہر مژہ پر جو ہوں خوں کے داغ — کہے تو لبِ جو ہیں جلتے چراغ

یہی صورتِ اشکباری رہے — یہی حال آنکھوں پہ طاری رہے

تڑپ میرے دل کی جو بجلی سُنے — تو ہمدرد ہو کر وہ لوٹے پھرے

دُھواں دل کا اُٹھے تو ہو ابرِ گم — مری آہ سے برق ہو نوک دُم

مری آہ سے ابر پیدا رہے — شراروں سے بجلی ہویدا رہے

کسی کی ہنسی کا ہو گریہ میں دھیان — تو ہو عین بارش میں اولوں کی شان

وہ ہو شور نالوں سے میرے عیاں … گرج جس سے بادل کی ہووے نہاں
جو نالہ زمیں کو ہلایا کرے … تو سر پر فلک کو اٹھایا کرے
سُنے درد دل کا کسے تاب ہے … کہ اس غم میں جو دل ہے سیماب ہے
سناؤں اگر میں تو آفت اُٹھے … ہراک جا سے شورِ قیامت اُٹھے
کسی کا گریبان ہو چاک چاک … کوئی جان کھووے کوئی ہو ہلاک
لہو کوئی روئے کوئی خوں بہائے … گریبان پھاڑے کوئی خاک اُڑائے
کلیجا کوئی اپنا پکڑے ہوئے … پھرے چشمِ پرخوں میں آنسو بھرے
کسی کا گریبان ہو تار تار … کوئی شور سے رووے بے اختیار
تڑپنے میں وہ ہو ہراک دل کی شان … کہ ہر دل میں ہو مرغِ بسمل کی شان
ہراک سمت سے نالۂ دل اُٹھے … کہ سُننے سے جسکے مکاں ہل اُٹھے

سنو درد مندو! فغانِ علیل

سُنو دوستو داستانِ علیل

کلاں مجھ سے تھا اک برادر مرا … مربی مرا اور افسر مرا
وہ ملک اودھ میں تھا تحصیلدار … متین و خردمند صاحب وقار
حسین و خلیق و وجیہ و شکیل … دیانت لیاقت میں تھا بے عدیل
شجاعت میں رستم تھا وہ مثلِ شیر … کئے غدر[۵۱] میں پہلواں اُسنے زیر
تھا ایک شاہزادہ کریم الشجاع … اودھ میں کیے فتح جس نے قلاع
پدر اُس کا دارا[۵۲] تھا اور جد ظفر … بھتیجا مُغل[۵۳] کا تھا وہ نامور

---

۵۱ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ۔

۵۲ یعنی مرزا دارا بخت ولیعہد اوّل شاہ ظفر یعنی بہادر شاہ ثانی ۵۳ یعنی مرزا مغل سپہ سالار افواج باغی مقیم دہلی (نصیر)

برادر[2] تھا اک اُس کا فیروز شاہ　　بنا تھا بریلی کا جو بادشاہ
تکوئی[1] میں بھائی تھے مسکن گزیں　　ہوا حملہ آور وہ[3] با فوج کیں
بہم ان کی اُن کی لڑائی ہوئی　　بہت سخت جنگ آزمائی ہوئی
گڑھی سے نکل کر برادر مرا　　مقابل میں اُس کی صف آرا ہوا
بجا کوس و قرنا و بوق و طنبور　　نمایاں ہوئی صورت نفخ صور
سواران جنگی بگڑنے لگے　　پیادے پیادوں سے لڑنے لگے
عجب دشت میں ترک تازی ہوئی　　سواروں سے بھی نیزہ بازی ہوئی
چلے تیر و نیزہ ہوئی تیغ عَلَم　　ہوئے یک دگر سیکڑوں سر قلم
چلی باڑ توپ اور بندوق کی　　صدا تیز تھی طبل اور بوق کی
جلو کے سواروں کو دیکر قسم　　بڑا بھائی میرا لیے تیغ علم
عدو پر گرا جا کے مانند برق　　کیا خاک اور خوں میں دشمن کو غرق
وہ دُشمن کے خیمہ پہ جب اڑ گیا　　تو کُل فوج میں زلزلہ پڑ گیا
گریزاں عدو کی ہوئی سب سپاہ　　فراری ہوا دفعتہً کینہ خواہ
وہ شہزادہ گھوڑا اُڑا لے گیا　　تو شرمندگی سے یہ کہتا چلا
نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　کہ جاہا سپر باید انداختن
در خیمہ پر تھا جو فتح نشاں　　اُسے بھائی لے کر بصد عز و شاں
سوئے قلعہ آیا بہ ہنگام سعد　　سلامی کی توپیں چلیں مثل رعد
کئی معرکوں میں ہوا فتحیاب　　شجاعت میں خانی کا پایا خطاب

---

[1] راج تکوئی متعلقہ اودھ (نصیر)

[2] یعنی مرزا کریم الشجاع (نصیر)

[3] یعنی مرزا نظام الدین احمد خاں ناظم ضلع سلون از جانب سرکار انگریزی (نصیر)

جو اس فتحمندی کا چرچا ہوا / تو کرنیل بیرو[۵۱] ثنا خواں ہوا
ہوا جنرل اوٹرم[۵۲] بہت شادماں / ثنائے بہادر میں کھولی زباں
رہا حکمراں وہ جواں چند سال / باعزاز و اکرام و جاہ و جلال
تھا اُنتیس سالہ وہ نامی جواں / کہ آیا پیامِ اجل ناگہاں
یکایک اُٹھا درد گردہ لے / کیا ایک دم میں فسردہ اُسے
کھڑے سے وہ بیٹھا گرا درد سے / نمایاں تھی حیرت رُخِ زرد سے
کری چپقلش کشمکش نے اُسے / نہ لینے دیا ہوش غش نے اُسے
تڑپتا تھا بستر پہ مانند دل / قضا نے کیا یک بیک مضمحل
بجز نوکروں کے نہ تھا کوئی واں / عزیز و اقربا اور نہ باپ اور ماں
رہی دو پہر اُس پہ تکلیف سخت / پھر آخر گرا وہ ثمر در درخت
سدھارا سوئے خلد وہ باوقار / روانہ ہوا سوئے دار القرار
وہ صورت جو کہلاتی تھی چاند سی / دریغا کہ وہ خاک میں مل گئی
نہ وہ دن رہے اور نہ راتیں رہیں / نہ وہ بزمِ عشرت نہ باتیں رہیں
سکوں اُس کے اُٹھنے سے ویراں ہوا / ہر اک شخص نالاں و گریاں ہوا
غریبوں کا فریادرس اُٹھ گیا / وہ مظلوم کا دادرس اُٹھ گیا
پدر نے سُنا جبکہ حالِ پسر / بسا دل میں ہر دم خیالِ پسر
ہوا حال اس غم میں اُس کا تباہ / ہوا روزِ روشن نظر میں سیاہ
پدر پر گرا غم کا کوہِ عظیم / کہ بیٹے نے چھوڑا تھا بچہ یتیم
وہ بچہ کہ ماں بھی سفر کر گئی / یہ تھا ایک سالہ کہ ماں مر گئی

---

۵۱ کرنل بیرو یعنی گورنر اودھ (نصیر)
۵۲ جنرل اوٹرم کمانڈر انچیف افواج ہند۔ (نصیر)

صد افسوس یہ پنجسالہ پسر
کرے گا نہ کیونکر خیالِ پدر

رہے اُس کے سر پر نہ مادر پدر
پلے کس طرح کس طرح ہو بسر

اسی غم کا والد کو تھا سخت درد
کبھی گریہ کرتے کبھی آہِ سرد

پسر کی کبھی نوجوانی کا غم
کبھی اُس کی چھوڑی نشانی کا غم

کہا پھر بتا رنجِ مرگِ پسر
ثمرہ حیف ہے وائے لختِ جگر

۱۲۷۸ھ = ۸ =۱۲ ۷۰ + ۸

سرِ آہ سے پھر وہ گریاں پدر
پکارا ہمیشہ دریغا پسر

۱۲۷۸ھ = ۱ + ۱۲ ۷۷

سرِ آیتِ طبتم آیا نظر
۹
تو پھر داخلِ خُلد بولا پدر

۱۲۷۸ھ = ۹ + ۱۲ ۶۹

نہ ہوگی یہ غم کی کہانی تمام
علیلِ حزیں تو جگر اپنا تھام

نامۂ عاشق بہ معشوق

جا تو ہی صبا پیام لے جا
اُس گل کو مرا سلام پہونچا

کہنا تجھے کیا خبر کسی کی
تھمتی نہیں چشمِ تر کسی کی

تو ہے بغرورِ کبریائی
تو ہے مصروفِ بے وفائی

یہاں تجھ کو ہے شوقِ بادہ خواری
اور وہاں ہے اشکِ خون جاری

یاں تجھ کو ہوا چمن کی بھائی
اور وہاں وحشت کا ہو گئی

یاں شانہ کشی ہے گیسوؤں میں
وحشت ہے بلا وہاں دلوں میں

رخساروں پہ یاں ہے رنگِ روغن
واں رنگِ صبا ہے دستِ دامن

یاں سُرمہ ہے اور چشم جادو
واں خاک ہے اور ہجوم آہو

یاں تیغِ دو دم ہے ابروئے یار
بسمل ہو وہاں وہ تو گرفتار

یہاں پیشِ نگاہ آئینہ ہے
حیرت کا وہاں یہ سامنا ہے

یہاں لب پہ نمود ہے ہنسی کی
لب پر وہاں آہ ہے کسی کی

یہاں خندہ ہے رشکِ خندۂ گل
واں شور و فغاں بشکلِ بلبل

یاں تجھکو خودی پہ ناز کیا کیا
اور اُس کو وہاں نیاز کیا کیا

یہاں چشم و مژہ کے ہیں اشارے
وہاں اشکوں میں آہوں کے شرارے

چتون ہے یہاں بلا کی چتون
واں قتل پہ وہ جھکائی گردن

یہاں لوح جبیں خدا کی قدرت
واں ماتھے پہ سرنوشت قسمت

یاں تن پہ لباسِ نو عروسی
خلعت ہے وہاں غبار دشتی

رہتا ہے بحال خود گرفتار
جینے سے ہے اپنے سخت بیزار

زاری سے ہے رات دن اُسے کام
یاد رُخ و زلف صبح اور شام

دِل اُس کا قیام گاہِ حسرت
اور آنکھیں ہیں قفلِ راہِ حسرت

ہونے لگا غم سے درد دل میں
رہنے لگی آہ سرد دل میں

حیرت سے ہے رنگ زعفرانی
اُٹھنے نہیں دیتی ناتوانی

پرجوشِ جنوں جو سر میں آجائے
وحشت کی عجب بہار دکھلائے

گو ضعف سے زار ہو بدن سب
یا صورتِ خار ہو بدن سب

لیکن وہ اُٹھے تو پھر نہ بیٹھے
پھر صورتِ گردباد چل دے

وحشت اُسے یوں اُڑا رہی ہے
اُلفت کا مزہ چکھا رہی ہے

کھنچتی ہے کبھی وہ آہ حسرت
کرتا ہے کبھی نگاہِ حسرت

مانع تھی سفر کی رُخ کی زردی
وحشت نے سکھائی رہ نوردی

دکھلا کے کمال آہ و زاری
کہتا ہے بحال بے قراری

غزل

بتلادے خزاں چمن کہاں ہے — وحشت میرا وطن کہاں ہے
لاشے پہ پڑی ہے چادرِ خاک — اے دستِ جنون کفن کہاں ہے
غنچوں میں ہے بات گومگو کی — کہتے ہیں کہ وہ سمن کہاں ہے
میں تو ہوں حباب سے بھی کم تر — اب میرا پیرہن کہاں ہے

دُنیا سے عقیل جاکے پوچھو
نل کیا ہوا اور دمن کہاں ہے

پھر خاک بسر بحالِ وحشت — کہتا ہے کہ وائے وائے الفت
تو نے مجھے زندگی سے کھویا — بحرِ غم و رنج میں ڈبویا
کیا خاک ہو میری زندگانی — غارت ہوئی میری نوجوانی
میں اور یہ بادیہ نوردی — میں اور یہ بلائے کوچہ گردی
اندوہ سے دل میں داغِ حسرت — آہوں کے شرر چراغِ حسرت
اک جانِ ضعیف پر یہ غم ہے — سرتا بہ قدم الم الم ہے
چین اُس کو کسی طرح نہیں ہے — الفت تری نقش بر نگیں ہے
کیا کیا تری آرزو ہے اُس کو — کب سے تری جستجو ہے اُس کو
کیسا ہے ترا وہ عاشقِ زار — کیسا ترے عشق میں گرفتار
کیسا ترے رُخ کا ہے ثنا خواں — کیسا ترے خال لب پہ قرباں
کیسا ترے گیسوؤں پہ مائل — کیسا ترے ابروؤں کا گھائل

کیسا تری آشنائی میں طاق کیسا تری دید کا ہے مشتاق
ناکامی تمام کرچکا ہے بدنامی میں نام کرچکا ہے
کر رحم کہ ناتوان بچ جائے کر رحم کہ اُس کی جان بچ جائے
تجھ پر وہ جان کھو چکا ہے اپنے لئے آپ رو چکا ہے
سُن کر بخدا علیل کا حال سُن ہو ویگا وہ بت خوش اقبال

شاید یہ پیام اثر کرے کچھ
شاید وہ ادھر نظر کرے کچھ

مثنوی شکار شیر بطور ہند

هنگام شیر افگنی چارلس وارن میلر صاحب کلکٹر ضلع بجنور در بیابان نجیب آباد
کہ مصنّف تحصیلدار آنجا بود

سچ سچ یہ بدایت سخن ہے یوں نظم حکایت سخن ہے
ہے زیر ہمالیہ کلاں دشت شیروں کا ہُوا ہیں رمند و گشت
کجری بن عرف میں وہ بن ہے یعنی فیلوں کا وہ وطن ہے
دہاں بستے ہیں مول ہاتھیوں کے پھرتے ہیں غول ہاتھیوں کے
چیتل پاڑھا لہاڑ و کانکر صدہا پھرتے ہیں بن کے اندر
کثرت سے ہیں نیل گاؤ اُس میں ہے جھانکوں کا بھاؤ تاؤ اُس میں
گینڈا۔ خرگوش و خوک صحرا ارنا بھینسا شغال و چیتا
دیکھا گیا خرس بھی ہے اکثر ہیبت میں جو شیر کا ہے ہمسر
بن راؤ بھی ایک جانور ہے اور طائروں میں وہ خوش سیر ہے

سر اُس کا کلاں دراز منقار
پر سر کی چمک دمک میں زرتار

منقار ہے اک وجب برابر
سُرخ و خمدار و نیک منظر

ساقیں بھی سُرخ تا بہ پنجہ
اور پنچوں میں شاخ در شکنجہ

آنکھیں بڑی سرخ شکل بادام
زرّیں پر خوش نوا و گلفام

گردن بھی دراز مثل طاؤس
آواز میں گونج مثل ناقوس

سر کی طبلی میں اُس کی اکثر
رکھتے ہیں شکاری چھترہ بھر کر

جثہ قوی اور مزاج نازک
اور سر پہ پروں کا تاج نازک

سرداری میں اُس کی کیا عجب ہے
بن راؤ اسی لئے لقب ہے

راؤ راجہ و خان و نواب
سرداروں کے واسطے ہیں القاب

پھل دار درخت پر ہے رہتا
دیکھا نہ زمیں پہ اُس کو اصلا

ہے بن کے طیور میں جو ممتاز
سرداری کے سب ہیں اُس میں انداز

القصہ ہے سب شکار بن میں
جھانکوں کی بھی ہے قطار بن میں

وہ بن کہ جہاں درخت گنجان
وہ بن کہ ہو جس سے عقل حیران

انسان کا وہاں گذار مشکل
پیش آتی ہیں وہاں ہزار مشکل

اُس دشت میں خوف سر بسر ہے
جو جاوے وہاں وہ بے جگر ہے

بدامنی میں کچھ سخن نہیں ہے
ہے موت کا گھر وہ بن نہیں ہے

صدہا فیلانِ کوہ پیکر
چہتے پھرتے ہیں سبزۂ تر

پہونچے ہے گزند ہاتھیوں سے
رستے ہیں بند ہاتھیوں سے

پھرتے ہیں کھلے قضا کی صورت
کھولے ہوئے مونہہ بلا کی صورت

بن میں اندھیر کر رکھا ہے
عالم کو زیر کر رکھا ہے

جڑسے وہ شجر اکھاڑتے ہیں
بادل کی طرح دہاڑتے ہیں

بگڑے ہوئے ہیں پناہ بن میں
پھرتے ہیں وہ روسیاہ بن میں

رکھتے نہیں وہ خطر کسی کا — جز شیر نہیں ہے ڈر کسی کا
شیروں سے پناہ مانگتے ہیں — چھپ جانے کو راہ مانگتے ہیں
شیروں کی بھی اس قدر ہے کثرت — ہے برج اسد وہ دشتِ وحشت
واں گشت کناں ہیں شیر ہر سو — غراتے ہیں وہ دلیر ہر سو
وہ نعرہ کہ ابر جس سے ہٹ جائے — دل برق کا جھجکے ڈر سے پھٹ جائے
وہ رنگ وہ روپ اور وہ صورت — گویا کہ ہے موت کی مہورت
تصویر اجل اُتارتے ہیں — ہاتھی کے طمانچہ مارتے ہیں
کہلاتے ہیں بن کے بادشاہ شیر — ہیں جن سے وحوش دشت سب زیر
اللہ کی ہے عجیب قدرت — دی ایک کو ایک پر فضیلت
انساں کو وہ دی ہے عقل و ہمت — کیا شیر کی اصل اور طاقت
ایک روز چلے جناب میلر — بجنور کے جو کہ تھے کلکٹر
شیروں کے حملے سے ہو کے آگاہ — ہاتھی لئے بیس تیس ہمراہ
بندوقوں میں کارتوس بھر کر — صیّاد چلا سوار ہو کر
لے فیلوں کو بن میں گھس پڑا وہ — ہر سو نظر افگناں چلا وہ
چلایا جو شیر ہاؤ کر کے — یہ شیر بھی پہنچا داؤ کر کے
فیلوں کی ہوئی جو گھڑگھڑاہٹ — تو سامنے آیا شیر نٹ کھٹ
شیر اُٹھا تو گولیاں چلیں چار — بیٹھیں دل میں وہ چار ناچار
گولی کھاتے ہی سو گیا شیر — بالکل خاموش ہو گیا شیر
سب ہو گیا جسم سرد اُس کا — گولی نے مٹایا درد اُس کا
کھایا پیا سب پچا گیا شیر — چورن کی سی گولی کھا گیا شیر
گولی تھی عجب دوا کی گولی — تھی شیر کی وہ شفا کی گولی
گولی جو سچی بات کی تھی — دل میں اُسے شیر نے جگہ دی

گولی پہ جان کھو گیا شیر — قربان گولی پہ ہو گیا شیر

اِک دم میں مٹا خروش اُس کا — اور ہو گیا سرد جوش اُس کا

انجامِ غرور کیا بُرا ہے — ذلّت جس کے لئے سُنا ہے

کرتا جو نہ شیر خود پسندی — کیوں مرتا بحال مستمندی

سمجھا جسے شیر تھا شجاعت — وہ اُس کی تھی سربسر جہالت

دُشمن ہو قوی تو طرح دی جائے — دانائی میں جہل کو نہ اُبھائے

دانا کو تو ہے خرد پہ تکیہ — بے عقل کو زور پر بھروسا

تجھکو ہے علیل پند سے کام

ہے قصۂ شیر بہرِ افہام

شہر آشوب بیماری وبائی بخار بابت سنہ ۱۲۹۶ھ مطابق سنہ ۱۸۷۸ء

بمقام دہلی

دھوم تپ لرزہ نے مچائی ہے — خوب دُنیا کی خاک اُڑائی ہے

ہر طرف خواہش دوائی ہے — زردروئی جہاں پہ چھائی ہے

صبح پکڑی تو دن قیامت ہے

شام آئی تو وہ بھی شامت ہے

مچا ہر گھر میں ہائے ہائے کا شور — جہاں دیکھو بخار کا ہے زور

ہند سے پہونچا تا بکابل و غور — مردے تو مردہ زندہ ہیں درگور

رستم ایسی ہی تپ سے ہانپ اُٹھے

نام لرزہ سے زال کانپ اُٹھے

کیا بیاں ہو ہر ایک گھر کا حال — سب پڑے چارپائیوں پہ نڈھال
کر رہے پانی پانی کا ہیں سوال — گویا ہر گھر بنا ہے اسپتال

اوڑھے کمل کوئی اُچھلتے ہیں
کسی کے کوئی تلوے ملتے ہیں

قبل سابع کسی کو ہے یرقاں — کسی کا ہو گیا غلط بحراں
ہے طبیبوں کو ایک آفت جاں — کہ نمایاں ہے فوج بیماراں

عَلَمِ آہ کو بلند کیے
ہیں پڑے گیرے گھر طبیبوں کے

صبحدم جب حکیم جی نکلے — بہر تسلیم مجرئی نکلے
آ کے قارورے سب دکھانے لگے — نذر اور نبض پہ بھی ہاتھ چلے

چھوٹے چھکے مریضوں کے
کہیں پوبارے تھے طبیبوں کے

ظلم عطاروں کے بھی ہیں مشہور — کم نہیں ہیں ٹھگوں سے یہ مقہور
وہ کمایا دوا میں بے دستور — لٹ گئی خلق بے گناہ و قصور

کچھ نہ تھا شدّتِ مرض سے کام
اُن کو تھا اپنی ہی غرض سے کام

مجھ سے کہتا تھا دہلی کا عطار — پانی بیچا عرق کے جا بسیار
پانسو پانی کے ملے اے یار — اس کے نفع کا کچھ نہیں ہے شمار

دام بھی دونے اور سوائے لئے
جائے عناب خشک بیر دیئے

پتے املی کے اور نیم کی چھال — کالی مرچیں ملا کے استعمال
کر لیا جس نے بچ گیا فی الحال — بیش قیمت بکی دوا امسال

تب میں رگرپا کری نرائن نے
دی شفا پوست بکائن نے

زعفران کی جسے ضرورت تھی — اُسے دیدی کسمبہ کی پتی
گردوا کو کنار رکھی تھی — اُسے گلنار کی کلی دے دی

مہنگے مولوں بکا ہے اب کے سال
جائے گلقند شیرۂ کھنڈسال

آخرش بے گناہ مرنے لگے — نوجواں جان سے گزرنے لگے
جو بچے تھے وہ حیف کرنے لگے — سانس مایوسیوں کی بھرنے لگے

گورکن روز بروز بڑھ نکلے
مردہ شو بھی بہت ہی چڑھ نکلے

میں نے اک مردہ شو سے یہ پوچھا — مُلّا کتنوں کو تم نے غسل دیا
تب وہ مردود ہنس کے کہنے لگا — صرف دو تین ہزار نہلایا

خلق کی گو ہوئی ہے بربادی
ہم نے دو لڑکیوں کی شادی

یعنی جو چادریں کفن کی رہیں — پانچ چھ آنے تک فروخت ہوئیں
یک ہزار و دو صد تک وہ بکیں — شادیاں دونوں دختروں کی کیں

شادیاں وہ کریں کہ نام ہوا
حسبِ دلخواہ انتظام ہوا

اب اگر دو ہزار چادر آئے — پانسو تک بھی کوئی دام لگائے
چھوٹی لڑکی بھی جلد تر اُٹھ جائے — اتنا پروردگار اور دلائے

پھر تو بالوں میں حق سے داد اپنی
یعنی بھر پاؤں سب مراد اپنی

سُن کر اُس کا کلام نا فرجام ۔۔۔ رہ گیا دنگ میں کلیجا تھام
آیا اتنے میں مُردہ شو کو پیام ۔۔۔ چلا خوش خوش مجھے وہ کر کے سلام

آستینیں چڑھاتا جاتا تھا
اور قدم تیز وہ اُٹھاتا تھا

ایک دن نکلا میں سرِ بازار ۔۔۔ لاشیں آئیں نظر قطار قطار
کچھ مسلماں تھے کچھ تھے ہندو زار ۔۔۔ لاشیں کندھوں پہ تھیں رواں اکبار

ایک طرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
ایک طرف رام رام ست کی سیاہ

ہے گھروں میں صدائے شیون و شین ۔۔۔ سب غمِ رفتگاں سے ہیں بیچین
دل کے ٹکڑے ہوں گریباں ہوں بین ۔۔۔ شہروں سے اُٹھ گئی ہے زینت و زین

کوئی بابا کو اپنے روتا ہے
کوئی بیٹے پہ جان کھوتا ہے

کوئی یادِ پدر میں ہے خاموش ۔۔۔ غمِ فرزند میں کوئی بے ہوش
غمِ زوجہ میں کوئی خانہ بدوش ۔۔۔ بھائی کے سوگ میں کسی کو جوش

غمِ ہمشیرہ میں کوئی نالاں
مرگِ دختر میں کوئی ہے گریاں

کوئی ناشاد نوجواں جو مرا ۔۔۔ لاش پر اُس کی ماں نے نوحہ کیا
باپ نے سر کو پیٹ کر یہ کہا ۔۔۔ چھوڑ کر ہم کو تم چلے بیٹا

تم سے گھر میرے اُجالا تھا
تم کو مرنے کو میں نے پالا تھا

مثنوی

ابرِ سیہ ہے سرد ہوا ہے — رعد کے دل میں جوش بھرا ہے
رحمتِ باری نامتناہی — فصلِ بہاری فضلِ الٰہی
کالی گھٹا میں طور کا عالم — برقِ تجلّی نور کا عالم
رعد کے شور میں طرزِ تعلّی — عاشقِ صادق محوِ تجلّی
برگِ گیاہ انگشتِ شہادت — سبزۂ صحرا خضرِ طریقت
مطرب و رندو ہوش میں آؤ — آتا ہے ساقی غزل سناؤ

غزل

چارہ ہے حاضر آؤ غزالو — آؤ غزالو، کھاؤ غزالو
خضر سے کہدو عشق کے ہاتھوں — ڈوبتی ہے اب ناؤ غزالو
ہم سے اِتنی وحشت کرنا — دل میں تو شرماؤ غزالو
مونہہ سے نہ بولو چشم و مژہ سے — کچھ ایما فرماؤ غزالو
آمد و شد کی راہ کھلی ہے — آؤ غزالو جاؤ غزالو
اپنا جمگھٹ ہر دم قایم — ہم کو یوں ترساؤ غزالو
چشمِ لیلا وحشتِ مجنوں — ہم کو بھی دکھلاؤ غزالو
انس سے تم ہو آنکھ چراتے — رستا پکڑو جاؤ غزالو

غزل علیل کی چارہ بھجو
کودو اُچھلو گاؤ غزالو

مانگے نہ کیوں چرخِ مینائی — چشمِ بتاں سے کاہ چرائی
ثورِ فلک نے کندھا مارا — دیکھ کے گاؤ زمیں کا چارا

بلبل و طوطی زمزمہ سنجاں
اشک زن ہیں برگِ درختاں

بادِ صبا کے پیہم جھونکے
حرص و ہوا کے رمز و اشارے

شاخوں کا باہم جھوم کے لڑنا
وجد کا عالم گر گر پڑنا

دیدۂ دریا جوش میں پُرنم
موج میں عشق کے لہر کا عالم

مجمعِ رنداں صحنِ گلستاں
بزمِ طرب کا سب سرو ساماں

ذکرِ ساقی جاری بر لب
بیٹھے سب باشانِ مؤدب

خواہش مے کی کلفت دل میں
منتظر آنکھیں حسرت دل میں

دروازے پر سب کی نگاہیں
ٹھنڈی سانسیں لب پر آہیں

اتنے میں مطرب ساز ملا کر
کہنے لگا یوں ہات اُٹھا کر

ساقی کو دیکھو جینے والو
اے مئے عیش کے پینے والو

جام و صراحی شیشہ لایا
میکشو! مژدہ ساقی آیا

تختِ رواں پر جلوہ نما ہے
صورتِ زیبا صلِ علےٰ ہے

چاہتے تھے تم جیسا ساقی
حق نے بخشا ویسا ساقی

پھولوں کا پہنے گہنا ہے
سبحان اللہ کیا کہنا ہے

گل رُخسارہ غنچہ دہن ہے
ہنستی صورت بھولاپن ہے

چاند سا چہرہ بدر درخشاں
انجم تاباں گوہرِ دنداں

شوخی شکل نگارے ٹپکے
چنچل پن رفتار سے ٹپکے

غیرتِ چشمِ آہو آنکھیں
سحر و طلسم و جادو آنکھیں

لعل و گہر اُس کے لب و دنداں
غنچہ دہن ہے سیب زنخداں

آنکھوں میں عالم نشو و نما کا
پھر کیا کام ہے اُن کو حیا کا

اُس کی ایک تماشا باتیں
رتی، تولہ، ماشا باتیں

گردشِ چشم میں تیزی کیسی
باتوں میں گلریزی کیسی

کیسی سخن میں شیرینی ہے — کیسا مزا اور نمکینی ہے
سامری سحر کا نسخہ پایا — شہد کے اندر نمک ملایا
الحاصل جب ساقی آیا — جیسا سُنا تھا ویسا پایا
رندوں کو اُس نے جام پلاکر — لطفِ سخن اپنا دکھلاکر
کرلیا بندہ بے داموں کا — نام ہوا سب بدناموں کا
پھر وہ علیلؔ کی جانب آیا — ہنس کے یہ بات زباں پر لایا
مثنوی اپنی مجھکو سُنادے — محنت کا تیری اجر خدا دے
عذر بہت میں زباں پر لایا — لیکن اُسے نہ باور آیا
پھر انکار بھی ترک ادب تھا — وہاں انکار کا موقع کب تھا
آخر حسبِ حال کسی کا — میں نے حرف بحرف سُنایا

حکایت و آغاز مثنوی

یوں کہتا ہے راویِ صادق — اپنا حال بقولِ واثق
تھا میں صالح عابد وزاہد — نفس کشی میں بڑا مجاہد
کرتا تھا میں شب بیداری — خوفِ خدا سے گریہ وزاری
حق کی عبادت کام تھا میرا — محنت میں آرام تھا میرا
رُخ سے میرے ظہورِ ریاضت — چہرے پر میرے نورِ عبادت
روزہ دن کو شب میں نوافل — ایک گھڑی بھی نہ رہتا غافل
کوئی حسین اگر آجاتا — خود بخود اُس سے آنکھ چُراتا
دل میں دھڑک گو ہوجاتی تھی — بیتابی سی دکھلاتی تھی
پر میں وصلِ حق کا طالب — نفس پر اپنے پورا غالب
تھا میں جہادِ نفس میں غازی — عابد وزاہد بڑا نمازی

ایک دن مجھ پر جو آفت ٹوٹی — آفت کیسی قیامت ٹوٹی
ایک پریوش سامنے آیا — با قدِ رعنا صورتِ زیبا
پریوں سے حسن میں سبقت اُس کو — حوروں سے تھی نسبت اُس کو
آئینہ سا رنگ چمکتا — جوبن رنگ سے اُس کے جھلکتا
بالوں کو کھولے مانگ نکالے — چاند کے ہالے گھونگروالے
گوری پشت پہ یوں لہرائے — چاند پہ جیسے بادل چھائے
سانپ ہو کر ہر اک لہرایا — بال بال کا فرق نپایا
ہر اک بال وبال ہے ہمدم — یا شبِ ہجر کے طول کا عالم
آنکھیں غیرتِ چشمِ آہو — تیغِ ستم وہ کشیدہ ابرو
حالتِ دل از خود رفتہ تھی — پیشانی مہِ یک ہفتہ تھی
بینی نازک گل رُخسارے — گورے گورے پیارے پیارے
بینی سے ظاہر خود بینی — اور لب و خال سے نکتہ چینی
کان تھے اُس کے کانِ ملاحت — بندے تھے اُن میں جانِ ملاحت
زُلف کو چھو کر گال پہ چلنا — تھا کالے کا زہر اُگلنا
کانوں میں دادرسی کا بالہ — جس سے حاصل عزت کا پایہ
کانوں میں بندوں کا ہلنا — خضر کا غوث سے آکر ملنا
کانِ جمالِ حسن ہیں دونو — قطبِ کمالِ حسن ہیں دونو
پھر بیدادِ فلک کا کیا غم — قطب و خضر و غوث ہیں باہم
غنچہ دہانی اور وہ تبسم — موجِ حسن کا زور و تلاطم
وہ لبِ لعل اور غنچہ دہانی — دانتوں میں ہیروں کا پانی
کم سخنی میں ناز کی شانیں — ہونٹوں میں اعجاز کی شانیں
نور کا پتلا اُس کی گردن — صاف و مجلّے اُس کی گردن

بھرے بھرے وہ بازو دونو
ٹھیک، ہموزن ترازو دونو

مسجد کے آثار ہیں دونو
سر گنبد مینار ہیں دونو

فرشِ مسجد سینہ صافی
بہرِ سجودِ عاشق کافی

عشق کا حکم ناطق یہ ہے
جائے نمازِ عاشق یہ ہے

سینے پر تشبیہ مثالی
قطبِ جنوبی قطبِ شمالی

یا سرمایہ حسن و شبابی
قبۂ نور ہیں شکل حبابی

یا دو کوکبِ ثاقب رخشاں
ہیں ہم پلۂ برجِ میزاں

کہلاتی ہیں غزال جو آنکھیں
سینوں پر رکھتی ہیں شاخیں

سینوں پر پیکان کھانے والو
یہ دو تیر بھی شوق سے کھالو

بے شک یہ رہزن ہیں دونو
کس کس کر باندھا ہے ان کو

بندھ کر بھی یہ لوٹ رہے ہیں
عقل کے چھکّے چھوٹ رہے ہیں

ہو کر قید نہ کچھ شرمائے
بندھ کر بھی یہ باز نہ آئے

کھلیں تو ہوں مستی کے بہانے
بندھیں تو چوری کھلے خزانے

ہر انگشتِ دست حنائی
شمعِ شبستانِ زیبائی

ایک اک حسن کا ہے گلدستہ
ایک اک ہے سترِ سربستہ

طالبِ وصل کی سن تو کوئی
تھا وہ شکم میدہ کی لوئی

یا سنجاب و سمور و قاقم
نازشِ گل پر جس کو تبسم

صفا میں آئینہ سے اوّل
نرمی میں کاشانی مخمل

ٹپکا پڑے ہے رس جوبن سے
جھلکے بدن ہے پیراہن سے

آخر اس سے لڑ گئیں آنکھیں
باہمدیگر پڑ گئیں آنکھیں

کھنچ گئیں دونوں طرف آہیں
دل کو دل سے ہو گئیں راہیں

اس کو ادھر جب مائل پایا
ہوش و خرد کو زائل پایا

کبھی اجالے کبھی اندھیرے
اُس کو کرنا سو سو پھیرے

رُک رُک کر وہ اُس کا چلنا
پاؤں کے نیچے دل کا مسلنا

رُخ مری جانب اور سے باتیں
ٹھہر ٹھہر کر غور سے باتیں

مدِ نظر رُک جانا اُس کو
تھا باتوں کا بہانا اُس کو

میری طرف وہ جب آتا تھا
چلتے چلتے رُک جاتا تھا

قصداً چھیڑ کی باتیں کرنا
رمز و اشارے گھاتیں کرنا

دیر میں جب وہ وہاں سے جاتا
میں اُسے آہ کے ساتھ سُناتا

تو تو چلا کرتا البیلی
جانے والے اللہ بیلی

الغرض اُس نے ڈبویا مجھ کو
دونوں جہاں سے کھویا مجھکو

کرلیا اُس نے مائل مجھکو
کردیا اُس نے گھائل مجھکو

اُس کی نظریں کھا گئیں دل کو
اُس کی ادائیں بھا گئیں دل کو

مجھے جب اُس نے مخاطب پایا
پھانسنے کا پورا ڈھب پایا

پھر وہ نظر بچا کر نکلا
مجھ سے آنکھ چرا کر نکلا

گہہ غصہ کی شکل بناتا
جا کا طیش میں ہونٹ چباتا

رُخ پر گاہ نقاب کا پردہ
قتل ہو جس سے گہہ ناکردہ

سامنے آکے پلٹتا گا ہے
آتے آتے ہٹتا گا ہے

ادھر سے پھیر کے مونہہ کو چلنا
کج گردن کو کرکے نکلنا

رنجش جس سے صاف ہو ظاہر
پائی جاوے شانِ قاہر

آخر اک دن موقع پا کے
بیتابی اپنی دکھلا کے

میں یہ پکارا اے بُتِ رعنا
غصہ تیرا غضب خدا کا

آپ ہی کی تھی یاری تو نے
آپ ہی کی بیزاری تو نے

جان ہے حاضر جانی لے لے
زلفوں سے اپنے پھانسی دیدے

کافی ہے قتل کو فکر نہ کر تو
تیرِ مژگاں تیغِ اَبرو

میں نازاں تھا تیری وفا پر
علم نہ تھا کچھ اپنی خطا پر

میں نے جو کی یوں گریہ وزاری
آنسو اُس کے بھی ہو گئے جاری

آرسی پھر اُس نے دکھلائی
اور پھر اوپر خاک اُڑائی

آنکھوں کو آنکھوں سے لڑا کے
اور پیشانی پہ ہات لگا کے

رخصت ہوا تو پھر وہ نہ آیا
میں نے اُس کا پتہ نہ پایا

میں نے پکڑی راہ بیاباں
کر لیا اپنا چاک گریباں

نقشِ قدم پر آنکھیں ملتا
گیا جدھر اُسی جانب چلتا

پہونچا آخر آنکھیں ملتے
رفتہ رفتہ چلتے چلتے

بقعۂ نور اِک قریہ پایا
لکّۂ حور اِک قریہ پایا

جس کے گرد تھا سبزۂ صحرا
جس صحرا میں خضر کا تکیا

سبزۂ وصحرا تھا یا بن تھا
آہو و قیس کا یا مسکن تھا

ختم وہاں پر نقشِ قدم تھا
رستا بھی درہم برہم تھا

خاک کے اک ٹیلے پر جا کر
جا بیٹھا میں اشک بہا کر

چاروں طرف تکتا رو رو کر
وحشت میں بکتا رو رو کر

یار نے آنکھ لڑانا چھوڑا
آنا چھوڑا جانا چھوڑا

چھا گئی میرے دل پر وحشت
اے میرے طالع اے میری قسمت

دے کر مجھ کو پیامِ رخصت
چل دیا کر کے سلامِ رخصت

یاد ہے آرسی کا دکھلانا
یاد ہے اُس پر خاک اُڑانا

آبرو میری بلا سے جائے
اُس پہ یا رب حرف نہ آئے

اے صحرا کے چرنے والو
سبزہ میں غمزے کرنے والو

اُس ٹیلے کی خاک چھنے گی　قبر ہماری یہیں بنے گی
جاؤ تو اُس سے جا کر کہدو　سارا حال سُنا کر کہدو
وحشت کا احوال بھی کہنا　زردیِ رُخ کا حال بھی کہنا
اشکوں کا پیہم جاری کرنا　بیتابی اور زاری کرنا
آنکھیں وا کر کے رہ جانا　رمز ہیں حیرت کو کہہ جانا
بربادی میری سمجھانا　سینگوں سے اپنے خاک اُڑانا
پیٹنا میرا سر سمجھاؤ　کھروں سے اپنا سر کھجلاؤ
ضعف مرا اُس کو سمجھا دو　سوکھے تنکے منہ میں اُٹھا لو
مطلب عاشق پالے شاید　بال کی کھال نکالے شاید
شاید پہونچے مغز سخن کو　آوے کسی بہانے بن کو
دور سے چاند سا چہرہ چمکے　رُخساروں پہ جوبن دمکے
آوے مسک مسک خراماں　بن کو کردے صحنِ گلستاں
آخری اُس کا دیدن کرلوں　زیرِ کفِ پا آنکھیں رکھدوں
ہے ارماں کہ اُس کے آگے　جان کو دیدوں تڑپ تڑپ کے
مثنوی اُس کو میں نے سُنائی　اُس پر اک حیرت سی چھائی
مثنوی سُن کر ساقی رویا　اور کہا یا بندہ جویا
دے کر پھر رندوں کو پیالے　ہات میری گردن میں ڈالے
لب میرے لب پر رکھکر رویا　طوطیِ ہند ہوا یوں گویا
مجھ سے کہا او بھولے بھالے　میری طرف دیکھ اے متوالے
کون تھا کس گلرو پر عاشق　کس کو تھی کس سے الفتِ صادق
میں ہوں وہی پہچان لے مجھکو　اے میرے بیخود جان لے مجھ کو
تو ہے وہی جو خاک بسر تھا　میری خاطر خستہ جگر تھا

تھوڑے دنوں میں بھول گیا تو — عقل کو کھو بیٹھا ہے کیا تو
پہلے تو صیاد ہوا تھا — پھانس کے مجھ کو شاد ہوا تھا
اُڑ کے میں تیرے دام سے نکلا — حیلہ جوش انجام سے نکلا
پہلے تو تم نے جوبن لوٹے — ہار گئے تو چھکے چھوٹے
اَب وہ کہاں ہیں حسبِ مزاجے — اَب وہ کہاں ہیں رمز و اشارے
کہاں وہ عالم گل بدنی کا — جلوہ کہاں جوشِ پیرہنی کا
رُخساروں پر زردی کیوں ہے — آہ میں گرمی و سردی کیوں ہے
آرسی پر وہ خاک اُڑانا — کچھ نہ سمجھے یا کچھ بھی سجانا
تم سے رہی جب ربط کی حالت — ہونے لگی تجھے خبط کی حالت
حق و ناحق پھیرے کرنا — اُسی طرف سو بار گزرنا
نظروں میں سب نے تاڑا مجھکو — جیتا قبر میں گاڑا مجھکو
پھبکنے لگیں پھر باتیں مجھ پر — قہر کی گزریں راتیں مجھ پر
پچھلی بات سُنائی میں نے — اپنی سچائی جتائی میں نے
تجھ سے میں نے مونہہ کو چھپایا — غصہ بھرا چہرا دکھلایا
ایسا کاری کیا چلتر — کُنبے والے کھا گئے چکر
اِک مُدت تک یوں ہی گزاری — بگڑی بات بنا کے سنواری
تجھ پر جو کچھ حالت گزری — گوشۂ چشم سے میں نے دیکھی
میرا ہراس تھا مانع مجھ کو — وضع کا پاس تھا مانع مجھکو
رمز سے دے کے پیام رخصت — اور تجھے کر کے سلام رخصت
آرسی پر پھر خاک اُڑائی — عزت جاتی ہوئی سمجھائی
دل پر جو گزرا سو گزرا — پر اللہ نے پردہ رکھا
شکر کہ اُس نے دکھایا تجھ کو — ہمرازوں میں بلایا تجھکو

پھر آغوش کو کھولا اُس نے — مجھ کو اُٹھا کر تولا اُس نے
وہ تو گلوں سے بڑھ کر نکلا — میں پرِ کاہ سے کمتر نکلا
حالتِ غشی طاری ہوئی مجھ پر — یار کے زانو پر سر رکھ کر
غشی نے ایسا آکر گھیرا — سوتے سوتے ہوا سویرا
بانگ سُنی جب مرغِ سحر کی — اور آئی آواز گجر کی
اُٹھ بیٹھا میں ہوش میں آ کر — کہتا ہوا اللہ اکبر
اُٹھ کر اور اُدھر جب دیکھا — سب میدان وہ خالی پایا
حیرانی جب مجھ پر چھائی — وحشت لب پر بات یہ لائی
اُٹھ گئے کب ہمراز ہمارے — ہائے وہ سب ہمراز ہمارے
کیا ہوئی بزمِ بادہ پرستاں — کہاں گیا وہ رہزنِ ایمان
پائی جو تھی بیدار اک دولت — غفلت خواب میں ہوگئی رخصت
سویا تو بیدار تھی دولت — جب جاگا تو سوگئی قسمت

پند

غافل رہنا کام بُرا ہے — غفلت کا انجام بُرا ہے
دُنیا ہو یا دین کا مطلب — غفلت سے برباد ہو وہ سب
اے غافل اب روتا کیوں ہے — وقت قلیل کو کھوتا کیوں ہے
بن پڑے جو کچھ کوشش کرلے — شاید تیرا مطلب نکلے
دین کو کھو کر دُنیا لے لی — سب برباد عبادت کر دی
جب ہوئی دُنیا تجھ کو حاصل — اُسے کیا غفلت سے زائل
اب بھی کرلے خوف خدا کا — مت کر خیال بُتِ ترسا کا
جس نے تجھ کو شکل دکھائی — دُنیا صورتِ ساقی آئی

اپنی طرف بجھے مائل کرکے | ہوش و خرد تیرے زائل کرکے
چھوڑ کے تجھ کو حسب عادت | غافل کرکے ہوگئی رخصت
دُنیا کے پھندے سے نکل جا | اب بھی چلتے چلتے سنبھل جا
کر یہاں کی پریوں پر لعنت | وہاں کی حوریں رہیں سلامت
خواب میں مل کر یار سدھارا | کر گیا تعمیہ میں اشارا
ضرب لگی تب سال پکارا | آہ عقیل کو چاہ پہ مارا

۱۴۶ ۹ ×

یعنی یک صد و چہل و شش کو
نو سے ضرب کرو اور سمجھو ۱۳۱۴ھ

قصیدہ

در مدح جناب سی۔ ایف ہال صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بدایوں
در دسمبر ۱۸۹۵ء

جہاں میں کیوں نہ ہو آسائش اور امن و امان | ہے عہد دولت سی۔ ایف ہال عالی شان
خدا کے سایہ ہیں وہ اُس کا سایہ خلق پہ ہے | بجا ہے اُس کو کہا جائے سایۂ رحمان
حیات و موت لبوں میں نگہ میں رحمت و قہر | زبان اُس کی ہے گویا کہ عدل کی میزان
نگاہِ لطف سے بیکس کو زندگی بخشے | اور اُس کے قہر سے ظالم کا گم ہو نام و نشان
کہے ہے شیر محبت سے بُز کو لختِ جگر | سپرد گرگ کے اس عہد میں ہے کارِ شبان
سخا و جود میں ہمتائے حاتم طائی | بہادری میں وہ ہمپائے رستمِ دستان
ہے اُس کے وقت میں علم و ہنر ترقی پر | بدایوں عہد میں اُس کے ہے خطۂ یونان
وہ خود ہے عالم و فاضل عقیل و دانشمند | ہیں اُس کے طفل دبستاں ارسطو و لقمان
مصوری میں وہ شاگرد دست قدرت ہے | بنا دے لمحہ میں اشکال صورتِ انسان

ہزار سالہ اُسے عمر دے خداوند — کہ اُس کے ملک سلیمان تابعِ فرمان
خوشی و خرمی و دولت و حشمت و جاہ — ہمیشہ اُس کو میسّر ہے بعزت و شان
مسیح حضرت عیسےٰ کی ہو مدد اُس کو — مبارک اُس کو ہو یا ربّ عیدِ روزِ کلان
یہ روز وہ ہے کہ سیارے اپنے محور پر — خوشی سے کرتے ہیں ہر لحظہ دورِ رقصان
یہ روز وہ ہے کہ مہتاب و آفتاب و نجوم — ہیں جلوہ ہائے تجلی و نور سے رخشان
یہ روز وہ ہے کہ روح القدس سے مریم کو — ملا وہ نور کہ عالم ہے جس سے نور افشان
وہ نور زندہ ہے موجود آسمانوں پر — خدا سے قرب ہے اُسکو یہی ہے عین ایمان
یہ دن ہمیشہ ہمیشہ ہو میرے آقا کو — یہی خوشی یہی نوروز اور یہی سامان
خوشی ہے سارے جہاں کو مگر میں گریاں ہوں — کہ پہلی بھیت کو بدلی مری گئی ہر آن
میں ایسے آقا سے چھٹتا ہوں جو کہ تھا میرا — قدر شناس و دیانت پسند و ذیشان
اُسے تو سیکڑوں چاکر ملینگے مجھ جیسے — نہال جس نے کیا مجھکو اب وہ ہاں کہاں

علیل زندگی جب تک کہ دے خدا مجھکو
دُعا کروں گا میں آقا کے حق میں بے پایاں

بدُعائے علیل در حق سارق قلمدان کہ دراں چند روپیہ و دو اشرفی بودند

کہو کہ اک چورِ دین و ایمان — افسوس کہ لے گیا قلمدان
چوری سے جو مال لے کسی کا — پھل پاوے نہ اپنی زندگی کا
مر جاوے وہ نامراد و بدذات — جس کا میری چیز پہ پڑا ہات
دُنیا سے وہ نامراد اُٹھ جائے — ناکام وہ بدنہاد اُٹھ جائے
یارب اُسے روسیاہ کیجو — کشتی اُس کی تباہ کیجو!
ہو جاوے غم اُس کی شادمانی — برباد ہو اُس کی نوجوانی

گر بچہ ہو وہ تو آپ مر جائے ‏ یا ہووے یتیم باپ مر جائے
گر صاحبِ آل ہو وہ ناشاد ‏ یارب اُسے کیجیو خانہ برباد
نے وہ ہو نہ آل اور نہ گھر ہو ‏ گھر کا شجر جو بے ثمر ہو
تقدیر گر نہ ہووے اب موت ‏ تو جینا ہو اُس کا بدتر از موت
کوڑھی ہو جسم داغ ہو جائے ‏ اُس کا گھر بے چراغ ہو جائے
باقی نہ ہو کوئی نام لیوا ‏ نے ہو پسِ مرگ پانی دیوا
جس نے مری شی پہ ہات ڈالا ‏ مونہہ اُس کا ہو دو جہاں میں کالا
جس نے مری چیز کو چرایا ‏ اندھا اُسے کیجیو خدایا
دُنیا میں کبھی نہ پائے راحت ‏ ہو ہر دم زندگی مصیبت
مرجائے تو قبر پہاڑ ہو جائے ‏ گنبد اُس کا پہاڑ ہو جائے
اُس گلخنِ قبر میں وہ بے جان ‏ بھنتا رہے جوں نخودِ بریاں
جی جی کر پھر ہلاک ہو جائے ‏ ہر بار وہ جل کے خاک ہو جائے
جو قبر کے خاص ہیں فرشتے ‏ ماریں گھسے گُرزِ آتشیں سے
وہ چوری کی شی دکھائیں اُس کو ‏ ماریں اُسے پھر جلائیں اُس کو
اُس سے کہیں بول ابنِ شیطان ‏ تو نے کیوں چرایا یہ قلمدان
کی دونوں آنکھیں پھوٹیں ‏ شل دست ہوں اور گھٹنے ٹوٹیں
اُس پر قہرِ خدا ہو نازل ‏ دُنیا میں کوئی بلا ہو نازل
پھنس جائے کہیں اسیر ہو جائے ‏ روٹی نہ ملے فقیر ہو جائے

کر صبر علیل ہو اب خاموش
بس ہو چکی قال و قیل خاموش

ساقی نامہ

بطور تقریظ بر مثنوی قیامت نامہ مولوی محمد محسن صاحب کاکوروی وکیل ججی مین پوری

پلا ساقیا اُس محبت کا جام ۔۔۔ کہ سب نشے ہوں جسکے آگے حرام

پلا ساقیا وہ شرابِ طہور ۔۔۔ نہ ہو جس سے اندیشۂ نفخ صور

نہ کچھ لطف ہو آب انگور کا ۔۔۔ نشہ ہو تو ہو چشم مخمور کا

مجھے ہووے اُس دخترِ رز سے کام ۔۔۔ کہ گھر کو کہیں جسکے بیت الحرام

شرابِ محبت کا ہوں جرعہ کش ۔۔۔ نہیں ساقیا شکوۂ العطش

نہ مجھ کو کسی غم کی فریاد ہے ۔۔۔ کہ ساقیِ کوثر کی امداد ہے

نہیں ساقیا خوف حشر و ممات ۔۔۔ کہ تیرے لبوں میں ہے آبِ حیات

نہیں ساقیا خواہشِ جام مے ۔۔۔ کہ کوثر تری خاص جاگیر ہے

نہیں ساقیا خوف حشر و نشور ۔۔۔ نہ صیحہ کا خوف اور نہ کچھ ہول صور

نہیں شکوۂ تیزیِ آفتاب ۔۔۔ علم ہے ترا رحمتِ حق کا باب

تمازت نہ حدت نہ گرمی کا غم ۔۔۔ کہ ہے سایہ افگن درفشِ علم

یہ مانا کہ شوق آسماں ہو گئے ۔۔۔ ہوا و ہوس سب ہوا ہو گئے

نہ بزم طرب ہے نہ ساقی نہ دم ۔۔۔ سرود اور نغمہ ہے نے جام جم

نہ مے ہے نہ نے ہے تو کیوں بولے نے ۔۔۔ کہ کے کی طرب کردو کاؤس کے

یہ مانا کہ با حدت بے حساب ۔۔۔ زمیں پر ہے آتش فگن آفتاب

یہ مانا کہ ہے خلق میں کشمکش ۔۔۔ یہ مانا کہ ہر سو صدا العطش

یہ مانا کہ سب کے لبوں پر ہے جاں ۔۔۔ ہر اک لب پہ ہے الاماں الاماں

مگر اُس شہنشاہ کا ہوں غلام ۔۔۔ خدا کا ہے جس پر درود و سلام

لہ عذاب

وہ ہے کار پرداز رب جلیل — وہ ہے ساقیِ کوثر و سلسبیل
وہ ہے صاحب مہر و تاج و نگیں — کہ دربان ہے جس کا روح الامیں
جب آدم کو خالق نے پیدا کیا — تو اُس کا ہوا پیش خیمہ بپا
سرِ خیلِ پیغمبران و رُسل — وہ ہے ہادی و رہنمائے سبل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر — امام الہدیٰ صدر ایوان حشر
شفیع مطاع نبی کریم — قسیم و جسیم و نسیم و وسیم
سوار جہانگیر یکران براق — کہ بگزشت از قصر نیلی رواق
وہ مصداق ہے قولِ لولاک کا — وہ باعث ہے ایجاد افلاک کا
اگرچہ در توبہ مسدود ہے — پہ بہرِ شفاعت وہ موجود ہے
وہ خلعت کو رحمت کے پہنے ہوئے — وہ تاجِ شفاعت کو سر پر رکھے
پہن کر رسالت کی انگشتری — کہے ہے سَعَوا اُمّتی اُمّتی
گنہگار سب باکمال و ثوق — چلے ہیں اُسی کی طرف جوق جوق
گنہگار اُسی کی ہیں جانب چلے — گناہوں کے دفتر بغل میں لیے
ہیں اُن سب میں با علم اور بد عمل — فرشتے یہ کہتے ہیں ضرب المثل
سیہ نامہ اور علم سے بہرہ یاب — میاں جی میاں جی بغل میں کتاب
بھروسہ خدا کی عنایت کا ہے — سہارا نبی کی شفاعت کا ہے
نہ صالح نہ عابد نہ زاہد ہوں میں — نہ اس نفسِ بد کا مجاہد ہوں میں
اگرچہ سراپا ہوں نامہ سیاہ — خدا کی خدائی کا پر ہوں گواہ
اُسی شاہ کا نام لیتا ہوں میں — شہادت رسالت کی دیتا ہوں میں
دُعا میری اُدھو دیا ہو قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسول
فقط یاں محبت ہے اور اعتقاد — عمل اور عبادات سب ہیں فساد
خدایا بحقِ نبی فاطمہ — کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

نہ کیوں اتروں جسرِ جہنم سے پار
کہ تیغِ قضا میں ہے رحمت کی دھار

پلا ساقیا وہ شرابِ نجات
کہ اک کھیل سمجھوں حیات و ممات

میں ہوں جبکہ موجود حور و قصور
تو بازیچہ سمجھوں میں شورِ نشور

جو نیرِ فروزی ہو آتش فشار
تو سمجھوں اُسے گرمیٔ حسنِ یار

تلاطم جو محشر میں ہووے عیاں
مجھے آمدِ یار کا ہو گماں

میں نادیدہ وہ عاشقِ زار ہوں
کہ محوِ تماشائے دیدار ہوں

نمایاں ہو محشر میں جب شانِ قہر
میں سمجھوں اُسے عدل و رحمت کی لہر

دہوں مجھ میں باقی جو ہوش و حواس
تو پھر ہولِ محشر سے کیا ہو ہراس

نہ پروا ادب کی نہ تہذیب کی
تمنا ہو پیری میں تشبیب کی

یہ ہے حضرتِ عشق کی کائنات
کہ چھوٹا سا مُنہ اور بڑی بڑھ بات

تو عشقِ مجازی کے حالات سے
نہ نسبت دے اللہ کی ذات سے

مجازی میں ہے فحش کا التزام
اور اس جا سراسر ادب کا مقام

تو بیہودگی سے زباں اپنی تھام
محبت غلامانہ رکھ اے غلام

جو ہے شاہِ شاہان و آقا تیرا
بیاں اُس کے کرتا ہے ناز و ادا

کہیں سرمگیں چشم کا ہے بیاں
کہیں قدِ رعنا کی ہے داستاں

نہیں شاعری کا یہ لطفِ کلام
خدا اور نبی پر ہے یہ اتہام

تو بیہودہ بک بک نہ کر جوش میں
زباں اپنی تھام اور آ ہوش میں

وہ تالیفِ محسن کی جو کچھ کہ تھی
کہ اُس پر یہ تقریظ تم نے رکھی

سخنور وہ اُستادِ فنِ ادب
ترا مونہہ کرے طنز ہیں پُر غضب

سخن پر اکابر کے یہ قال و قیل
زباں بند کر اور چُپ رہ علیل

۲۸۶

کلام محزون

قطعہ

دیکھنا قسمت کی خوبی کرتا ہوں جو بندوبست — اُس میں ہو جاتی ہے پیدا ناگہانی اک شکست
حسرتیں "ملتی" ہیں میری ہائے کیا کیا خاک میں — انقلابِ دہر سے سب حوصلے ہوتے ہیں پست
ہیں اقارب کا لعقارب یار ہیں مانند مار — دشمنِ جاں ہیں مرے سب بت پرست و حق پرست
جان تک فدیدوں کسی کو گر نہو تو بھی خیال — جنسِ اُلفت ہو رہی ہے اب متاعِ زیرِ دست
کون ہے رحم آئے جس کو میرے حالِ زار پر — دیکھتا ہوں جس کو وہ ہے بادۂ نخوت سے مست
کوئی سُنتا ہی نہیں فریاد مجھ دلگیر کی — کوئی دیتا ہی نہیں مجھ کو جواب نیست ہست

انچہ رحم از دل برد تاثیر فریاد منست
وانکہ نسیان آورد خاصیت یاد منست

جب کہا میں نے کہ میں جانتا ہوں خوب تمہیں — بولے کیا خوب بڑے جاننے والے آئے
بزم میں اپنے رقیبوں کو نہ آنے دیجے — ہم نہ آئیں گے اگر اب یہ رذالے آئے

اپنی روداد مصیبت وہ ہے جس کو سن کر — دوست تو دوست ہے، دشمن کا بھی جی بھر آئے
حالِ دل یار سے کہنے کو گئے تھے محزوں
پر یہ سُنتے ہیں کہ کچھ آپ ہی سُن کر آئے

محو دلدار ہوں ای ناصحِ ناداں میں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کسے سمجھاتا ہے

واہ کے ساتھ جو آہوں کی صدا آتی ہے
کوئی شاید کہیں محزوںؔ کی غزل گاتا ہے

جھڑکیاں دیتے ہو ہر وقت گھڑکتے ہو مجھے
کیا انہیں باتوں کو شیریں سخنی کہتے ہیں
سچ وہ کہتے ہیں نہیں کچھ بخدا شک اس میں
دارِ غم جو تجھے دُنیائے دَنی کہتے ہیں
ننگِ اسلام ہوں محزوںؔ رہِ الفت میں مگر
ہے عقیدہ وہی جو پنجتنی کہتے ہیں

تم عیادت کو نہ محزوںؔ کی گئے آج ای جان
صبح سے اُسکے تو ہی جان پہ بنی کہتے ہیں

مجھ سا ناشاد بھلا عیش کا خواہاں کیوں ہو
جس کا دل خاک ہوا اُسکو کوئی ارماں کیوں ہو
جب کہا میں نے میرے دل میں رہو تو یہ کہا
ایسے ویرانے میں آ کر کوئی مہماں کیوں ہو
دل ہو پہلے سے جو قابو میں تو پھر اے ناصح
کوئی انجامِ محبّت سے پشیماں کیوں ہو

قبر پر اُن کے جو آنیکا یقیں ہو محزوںؔ
جان و دل سے نہ مجھے موت کا ارماں کیوں ہو

خیر میں توبہ شکن ہوں تو ہوں لیکن دل شکن
سچ بتا واعظ کسے خوفِ خدا جاتا رہا
اُف رہی شوخی جبیں کر دل کو میرے کہتے ہیں وہ
فکر یہ کیسی ہے کچھ کہیئے تو کیا جاتا رہا
تو جو تھا سب کچھ تھا اب جو تو نہیں کچھ بھی نہیں
سچ تو یہ ہے زندگانی کا مزا جاتا رہا

نامِ الفت سے تھی نفرت یا یہی اب یہ لولے
حضرتِ محزوں کہاں وہ اتقا جاتا رہا

بے حجابی غیر سے ہوتی رہے ۔۔۔ دیکھتے ہی ہم کو پردا ہو گیا
شادی و بربادی وصل و فراق ۔۔۔ عمرِ دو روزہ میں کیا کیا ہو گیا
آ گئی پیری ہوا رخصت شباب ۔۔۔ چونک او غافل سویرا ہو گیا

کچھ سنا ہے تم نے بھی محزوں کا حال
لوگ کہتے ہیں کہ سودا ہو گیا

گلۂ جور عبث شکوۂ بیداد عبث ۔۔۔ نالہ بے سود ہے اے دل تری فریاد عبث
ہائے سودا سرِ شوریدہ سے جائیگا کہاں ۔۔۔ قیدِ گیسو سے ہوئے بھی جو ہم آزاد عبث
ایسی قسمت ہی نہیں جو کوئی حسرت نکلے ۔۔۔ آرزوئے وصل بتاں کی دلِ ناشاد عبث
فائدہ کچھ بھی نہیں اس سے جنابِ واعظ ۔۔۔ میرا سننا ہے عبث آپ کا ارشاد عبث

دل تو قربان ہے کسی حور لقا پر محزوں
گھات میں رہتے ہیں اس کی یہ پریزاد عبث

یہ بُت قتلِ عاشق سے کیا ہونگے نادم ۔۔۔ نہیں جو خدا سے بھی شرمانے والے
دکھا دینگے ایک روز ہم تجھ کو ظالم ۔۔۔ کہ یوں مرتے ہیں دیکھ مر جانے والے
لحد میں بھی تڑپیں گے بیمارِ فرقت ۔۔۔ سلامت رہیں دل کے تڑپانیوالے
کٹھن منزلِ عشق ہے وہ کہ جس میں ۔۔۔ بھٹکتے ہیں خود راہ بتلانے والے

معالج مسیحا بھی ہو تو نہیں ہیں　　مریض محبت شفا پانے والے
نہ بکیے، بس اب جائیے یاں سے واعظ　　بڑے آئے ہیں بن کے سمجھانے والے
رہیں بامراد عمر بھر یا الٰہی　　ہماری مرادوں کے بر لانے والے

مصیبت گوارا ہے سب ہم کو مخزوںؔ
نہیں پر محبت سے باز آنے والے

ہجر کے رنج اٹھائے نہیں جاتے یارب　　کاش پہلو سے تڑپ کر دل مضطر نکلے
اور دیکھا نہیں کچھ حال جناب واعظ　　میکدہ سے تو سر شام وہ اکثر نکلے
سیدھی باتوں میں بگڑتے ہو مری جاں مجھ سے　　تم بھی قسمت سے مری میرا مقدر نکلے

ہم تو مخزوںؔ کو بہت نیک سمجھتے تھے مگر
ساری دنیا کے یہ بدناموں سے بڑھکر نکلے

دل کے لینے میں وہ نرمی تھی کہ اللہ اللہ　　اے بتو اب وہ تمہیں ہو کہ جو پتھر نکلے
ہائے غیروں کے تو جی کھول کے ارماں نکلیں　　ہم وہ ہیں جسکی ہر اک بات پہ خنجر نکلے
یوں تو لاکھوں کو ترے عشق کا دعویٰ ہے مگر　　کوئی ایسا بھی ہے جو میری برابر نکلے
دل دیا تھا جنہیں ناداں سمجھ کر ہم نے　　وہ تو آفت کے دل آزار و ستمگر نکلے

نہ ٹھیرا کوئی بھی جب نام آیا آزمانے کا　　رہا میرے ہی سر سہرا جفاؤں کے اٹھانے کا
نگاہ لطف تیری مہربانی ہے خدائی کی　　تیری چتون کا پھر جانا پلٹ جانا زمانے کا
طریقہ مجھ سے سیکھے اپنے سر تہمت کے لینے کا　　سبق لے کوئی تجھ سے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کا
زباں کو پاک رکھ اپنی خدا کا خوف کر واعظ　　خدا کے گھر میں مت کر ذکر مے پینے پلانے کا

کوئی ایسا بھی ہو محزوں کو جو اچھا سمجھتا ہو
خدائی خوار ہے بدنام وہ تو اک زمانے کا

ہائے اب دشمنِ جاں بن گئے اپنے کیسے
کبھی مشہور تھے اخلاص ہمارے اُن کے
چھوڑ دو تم ہی جب آفت کے گرفتاروں کو
پھر ٹھکانے کہیں اُن کے نہ سہارے اُن کے
شورِ محشر سے یہ کہدو نہ جگائے ہم کو
ہم نہ اُٹھینگے بغیر آج پکارے اُن کے

پارسائی کہیں محزوں سے بھلا بنتی ہے!
ہم نے دیکھے ہیں بہت ایسے حرارے اُن کے

دربدر خاک بسر عشق میں رسوا ہونا
دیکھئے اپنے مقدر میں ہے کیا کیا ہونا
تیرِ مژگاں دلِ نالاں کو مبارک اپنے
سر کو راس آئے تری زلف کا سودا ہونا
اپنے جینے کی دعا کیوں نہ خدایا مانگوں
جبکہ میرے لئے ٹھہرا اثر الٹا ہونا
کام ہر اک کا نہیں ہے یہ کوئی کھیل نہیں
عشق میں چاہیے پتھر کا کلیجا ہونا
وقت پر حرمت مری یاد نہ آئی یارب
قابلِ عفو ہی بھولے سے خطا کا ہونا

عیشِ دنیا میں ہوئے ہونگے کسی کو محزوں
غم کے تیروں کا تھا ہم کو تو نشانا ہونا

مجھ سا دنیا میں الٰہی خستہ جاں کوئی نہ ہو
عشق میں میری طرح سے نوحہ خواں کوئی نہ ہو
ہو نہ کعبہ میں ٹھکانا اور نہ بتخانہ میں ٹھیک
آہ مجھسا بھی کہیں بے خانماں کوئی نہ ہو
پھونکدو اس دل کو محزوں جبکہ کچھ حاصل نہیں

جنس پھر مٹی ہے جس کا قدرداں کوئی نہ ہو

کہوں کیا دل پھنسا ہے کیسے جنجالوں میں اے ہمدم — بس اب دی کشمکش یہ ہے کہ مرنا ہو نہیں سکتا
کوئی پیٹے کوئی تڑپے کوئی مرتا ہو مر جائے — کسی صورت بھی ظالم تو کسی کا ہو نہیں سکتا
مرے شکوے غلط ہیں لغو ہیں جھوٹے ہیں بے جا ہیں — کرو جو ظلم تم مجھ پر وہ بے جا ہو نہیں سکتا
وہ سر جھک جائے جانے کے قابل خاک اس سر پر — تری زلفِ سیہ کا جس میں سودا ہو نہیں سکتا
لحد میں جا کے دنیا سے لاکھوں حسرتیں لیکر — جہاں کوئی نہ ہو میں واں بھی تنہا ہو نہیں سکتا
تری بے اعتدالی نے تجھے کھویا دلِ ناداں — ذرا بھی ضبط ہو تجھ میں تو رسوا ہو نہیں سکتا

مُرو معشوق سے مجزوںؔ لے توبہ کی مَعَاذَاللہ
یہ سب تہمت ہے وہ پابند تقویٰ ہو نہیں سکتا

گرچہ میں ننگِ خلائق ہوں یہ سچ ہے لیکن — میں نہ ہوتا تو تمہاری بھی نہ شہرت ہوتی
اٹھ گئے حضرتِ واعظ یہ بڑی خیر ہوئی — ورنہ شب محفلِ رنداں میں بری گت ہوتی
عشق کی فتنہ گری دیکھتے ہو حضرت دل — پھر بھی افسوس تمھیں کچھ نہیں عبرت ہوتی
دل میں جانتے ہیں مہ کش لے دیکھ اے واعظ — دخترِ رز کی یہ ہے عزت و حرمت ہوتی
ہائے کس چین کس آرام سے سوتا پسِ مرگ — گر تری راہ گذر میں مری تربت ہوتی

بزمِ اغیار میں کیوں جا کے نکالے جاتے
کچھ بھی گر حضرتِ مجزوںؔ تمہیں غیرت ہوتی

کیا بتائیں تمہیں کس طرح بسر ہوتی ہے — کبھی نالہ کبھی فریاد کیا کرتے ہیں

وائے قسمت وہ اُڑاتے ہیں ہنسی بیکس کو | ہم جو دل تھام کے فریاد کیا کرتے ہیں
سائلِ بوسہ ہیں محروم نہ پھیرو ہم کو | بے نواؤں کی سب امداد کیا کرتے ہیں

بعد اُس کے نہ ملا چاہنے والا کوئی
اب وہ محزوںؔ کو بہت یاد کیا کرتے ہیں

دُنیا کی بے وفائی کا اے دل ملال کیا | ہوتی ہے کب کسی کی بھلا بیسوا کوئی
اُف رے ستم کہ میرے جنازے کو دیکھ کر | اغیار سے وہ کہنے لگے مرگیا کوئی
روندا ہے جس کو تو نے ستمگر ابھی ابھی | تھی یہ ہماری قبر نہ تھا نقشِ پا کوئی
حیراں ہوں مجھ سے بگڑے ہو کیوں یہ کیا کیا | ہاں یہ خطا تو ہے کہ نہیں ہے خطا کوئی
پی کر جسے خبر نہ رہے کچھ بھی ساقیا | ایسی شرابِ ہوش رُبا چُن کے لا کوئی
خالی نہیں صبا یہ عنادل کے چہچہے | شاید چمن میں پھر گلِ تازہ کھلا کوئی
اے رہروانِ ملکِ عدم ہوشیار ہو | منزل کٹھن ہے اور نہیں رہنما کوئی
پوچھو نہ ماجرا غمِ فرقت کا ہمدمو! | میری مصیبتوں کی نہیں انتہا کوئی

جو جس کے دل میں آئے کہے شوق سے مگر
محزوںؔ وہ ہے کہ اُس سا نہیں پارسا کوئی

تمت بالخیر

۵ مولوی عبدالقادر کی اولاد کا شجرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

خورشید الحسن
محمد عارف
نظام الحسن
قطب الحسن
نقی الحسن
تقی الدین
دختر
دختر
منظور الحسن
نصیر الحسن
ہادی حسن
رضی الدین
پسر
پسر
دختر
دختر
دختر
دختر
نقی الدین
دختر
دختر
دختر
محمد عسکری
ابوالحسن
محمد جعفر
غلام غفیر عرف امجد جان
محمد اکبر عرف محمد جان
پسر
انتظام الدین
دختر
حسین مرزا
مرزا قطب الدین
محمد ذکی
محمد صفدر
پسر
مرزا انتظام الدین
دختر
مہدی حسن
محمد باقر
فرخندہ بیگم
حمیدہ بیگم
مرزا محمد تقی
مرزا نصیر الدین
خورشید بیگم
مولوی عبدالقیوم
سید علی نقی
کفایت بیگم
انتظام بیگم
مولوی عبدالقادر خان
(المتوفی ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء)
احسان بیگم زوجہ غلام اکبر
عزیز النساء بیگم زوجہ غلام عباس
۱ مرزا نصیر الدین کا شجرہ صفحہ پر ملاحظہ ہو
۲ مرزا محمد تقی کا شجرہ صفحہ پر ملاحظہ ہو

مرزا مہر امیر

ثریا بیگم

قیصر بیگم

شرف زمان بیگم

قمر بیگم

زینت جہاں

امیر الدین

مرزا شمس الدین

صغریٰ بیگم
عرف
ممتاز جہاں بیگم

وزیر الدین

عباسی بیگم
عرف
عزیز جہاں بیگم

ظہیر الدین

مرتضائی بیگم
عرف
زمانی جہاں بیگم

رضی الدین

رضیہ بیگم
عرف
امتیاز جہاں بیگم

مرزا نصیر الدین محمدؒ
(المتوفی سنہ ۱۹[illegible]ء)

کتابیات

احسن التواریخ (تاریخ سنبھل) — غلام احمد سنبھلی — (اہلسنت برقی پریس مرادآباد ۱۹۳۶ء)

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار — شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ — (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء)

اخبار الصنادید، جلد اوّل — حکیم مولوی نجم الغنی خاں — (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

اخبار الصنادید، جلد دوم — ״ ״ ״ — (״ ״ ״ ״)

استقصاء الافحام — مولوی حامد حسین لکھنوی — (مطبوعہ)

اکمل التاریخ — مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری — (عثمانی پریس بدایوں ۱۹۱۶ء)

انتخاب یادگار — منشی امیر احمد مینائی — (تاریخ المطابع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء)

انوار العارفین — صوفی محمد حسین چشتی مرادآبادی — (مطبع صدیقی، بریلی ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)

آیات بینات — مولوی مہدی علی خاں محسن الملک — (دارالاشاعت کراچی ۱۹۶۰ء)

باغی ہندوستان (الثورۃ الہندیہ) — مرتبہ عبدالشاہد خاں شروانی — (مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء)

تاریخ اودھ، جلد پنجم — حکیم مولوی نجم الغنی خاں — (نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۱۹ء)

سرکشی ضلع بجنور — (سر) سید احمد خاں — (منصلائٹ پریس، آگرہ ۱۹۵۵ء)

تاریخ عجیب (تاریخ جزائر انڈمان و پورٹ بلیر) — محمد جعفر تھانیسری — (نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۰۹ء)

تاریخ فرخ آباد — پنڈت دیبی پرشاد — (گورنمنٹ پریس، الٰہ آباد ۱۸۵۹ء)

تحفہ اثنا عشریہ — شاہ عبدالعزیز دہلوی رح — فخر المطابع شاہجہاں آباد ۱۲۶۹ھ

تحقیق الانساب — محمود احمد عباسی — (جید برقی پریس، دہلی ۱۹۳۲ء)

تقویم عیسوی و ہجری — ابوالنصر خالدی — (انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۲ء)

تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) — ترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری — (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء)

حدائق حنفیہ — فقیر محمد جہلمی — (نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۰۶ء)

حیات حافظ رحمت خاں — سید الطاف علی بریلوی — (نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۴ء)

حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی — پروفیسر خلیق احمد نظامی — (ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء)

حیات و ممات شاہ مکمل — از احسان علی متولی درگاہ — (مخبر عالم پریس مراد آباد ۱۳۲۲ھ)

سوانحات المتاخرین آنولہ (قلمی) — حکیم مولوی عبد الغفور آنولوی — (مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی)

سوانح عمری حضرت شاہ بولاقی مراد آبادی — احمد حسین پیشکار — (مطبع سعیدی، رام پور ۱۳۱۳ھ)

سیر طالبی (سفرنامہ مرزا ابو طالب خاں اصفہانی جلد اول) — مترجمہ مرزا علی رضا محزوں — (اجلاس پریس، مراد آباد ۱۹۰۴ء)

شفائے قاضی عیاض — حاشیہ مولوی احمد حسن مراد آبادی — (مطبع صدیقی، بریلی ۱۲۸۷ھ)

علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول — مرتبہ محمد ایوب قادری — (ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۰ء)

علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد دوم — مرتبہ محمد ایوب قادری — (ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۱ء)

علمی نقوش — ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں — (اعلیٰ کتب خانہ، کراچی ۱۹۵۸ء)

غلام قادر روہیلہ — سید الطاف علی بریلوی — (مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ)

قیصر التواریخ (جلد اول) — کمال الدین حیدر — (نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۰۷ء)

قیصر التواریخ (جلد دوم) — کمال الدین حیدر — (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۷ء)

کلام علیل (قلمی) — مرزا نصیر الدین علیل — (مملوکہ مولوی حمید احمد شیخوپور، بدایوں)

کلام محزوں (قلمی) — مرزا علی رضا محزوں — (" " " ")

کنز التاریخ (تاریخ بدایوں) — رضی الدین بدایونی — (نظامی پریس، بدایوں ۱۹۰۷ء)

گل رحمت (قلمی) — سعادت یار خاں — (مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)

لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	(مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۵۵ء)
ماثرالامرا (جلد دوم)	صمصام الدولہ شاہنواز خاں بہ تصحیح مولوی مرزا اشرف علی	(ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء)
محیط التواریخ (تاریخ عالم)	شاکر حسین امروہوی	(قلمی۔ مملوکہ طاہر حسین نقوی، کراچی)
منتخب اللباب، (جلد دوم)	محمد ہاشم المخاطب بہ خافی خاں	(ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سنہ ۱۸۷۴ء)
نجیب التواریخ (قلمی)	مرزا نصیر الدین	(مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)
نسب افاغنہ	نواب عبدالسلام خاں	(مطبع ریاست رام پور سنہ ۱۹۱۲ء)
نواب دوندے خاں	سید الطاف علی بریلوی	(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)
نواب نجیب الدولہ اور جنگ پانی پت	مفتی انتظام اللہ شہابی	(کراچی سنہ ۱۹۵۸ء)
یادگار دہلی	سید احمد ولی اللہی	(مطبوعہ)

رسائل

(۱)	العلم	(کراچی)	اکتوبر تا دسمبر سنہ ۱۹۵۳ء	
(۲)	العلم	(کراچی)	اپریل تا جون سنہ ۱۹۵۷ء	(جنگ آزادی نمبر)
(۳)	امروز	(روزنامہ، کراچی)	(۱۰ مئی سنہ ۱۹۵۷ء)	آزادی ایڈیشن)
(۴)	انجام	(روزنامہ، کراچی)	۱۰ مئی سنہ ۱۹۵۷ء	(جنگ آزادی ایڈیشن)
(۵)	عبرت	(نجیب آباد)	فروری سنہ ۱۹۱۶ء	
(۶)	عبرت	(نجیب آباد)	مارچ سنہ ۱۹۱۶ء	
(۷)	عبرت	(نجیب آباد)	اپریل سنہ ۱۹۱۶ء	
(۸)	عبرت	(نجیب آباد)	مئی سنہ ۱۹۱۶ء	
(۹)	نوائے ادب	(بمبئی)	جولائی سنہ ۱۹۵۹ء	

اشاریہ

بشکریہ :۔ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش :۔ محمد احمد ترازی

اسماء رجال

الف

ش

ص

ط

ع

اسماء اماکن

اسمائے کتب

مطبوعات

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس سعیدہ منزل متصل سرسید گرلس کالج بی وڈ ناظم آباد کراچی

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
۱ - حکیم عمر خیام	مصنفہ ابوالمکارم سلیم اللہ فہمی	2/8/-
۲ - ذکر و فکر	مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی	/12/-
۳ - چند عظیم علمائے جراثیم	مصنفہ ڈاکٹر پال ڈی کرایٹ مترجمہ عبدالمجید قریشی	10/-
۴ - تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ	مصنفہ پروفیسر جے ایس راس مترجمہ پروفیسر وحید الحق صدیقی	9/-
۵ - علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) حصۂ اول	مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی مرتبہ محمد ایوب قادری	8/-/-
۶ - جان ڈوی کا فلسفۂ تعلیم	مصنفہ ڈاکٹر روتھ اپسن آرنٹ مترجمہ سید عین الدین علوی ایم-اے (علیگ)	2/8/-
۷ - مقدر انسانی	مصنفہ لی کامٹ ڈو نوائے مترجمہ پروفیسر عبدالمجید قریشی	8/-/-
۸ - رومن رسم الخط اور پاکستان	مصنفہ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی	-/8/-
۹ - قدیم شہنشاہیاں	مصنفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)	3/-/-
۱۰ - اصول و اساس تعلیم	مصنفہ سر پرسی نن مترجمہ انعام عظیم برنی ایم-اے وغیرہ	7/-/-
۱۱ - اصول تدریس	مصنفہ رابرٹ اینڈ فورج مترجمہ اخلاص حسین ایم-اے	5/-/-
۱۲ - حیات مابعد	مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی	3/8
۱۳ - مکاشفات کشفی	مصنفہ میجر خان بہادر مرزا ابو جعفر کشفی	3/-/-
۱۴ - تجدد امثال	مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی	2/-/-

۱۵۔ طالب علم کی ڈائری	مصنفہ سید الطاف علی بریلوی (علیگ)	3/-/-
۱۶۔ مقاصد تعلیم	مصنفہ اے ایڈوایٹ ہیڈ مترجمہ سید محمد تقی	5/-/-
۱۷۔ ارتقائے انسانی	مصنفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)	2/-/-
۱۸۔ جمہوریت اور تعلیم حصہ اول	مصنفہ جان ڈوی مترجمہ سید محمد تقی	5/-/-
۱۹۔ جمہوریت اور تعلیم حصہ دوم	مصنفہ جان ڈوی مترجمہ سید محمد تقی	5/-/-
۲۰۔ پراسرار کائنات	مصنفہ سر جیمس جینس مترجمہ سید محمد تقی	6/-/-
۲۱۔ مشاہیر کے تعلیمی نظریے	مصنفہ محمد حسین خاں زبیری	4/-/-
۲۲۔ مادری زبان کی تعلیم	مصنفہ پروفیسر یونس حسن فروغ علوی	3/-/-
۲۳۔ ثقافت و انتشار	مصنفہ میتھو آرنلڈ مترجمہ انعام عظیم برنی۔ اخلاص حسین زبیری ایم۔ اے	6/-/-
۲۴۔ مسلم خواتین کی تعلیم	مصنفہ محمد امین زبیری	2/-/-
۲۵۔ اسلامی نظام تعلیم	مصنفہ پروفیسر سید احمد رفیق	3/-/-
۲۶۔ ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں	مصنفہ علامہ سید سلیمان ندوی	2/8/-

ملنے کا پتہ:۔

شیخ شوکت علی اینڈ سنز۔ مشن روڈ چوک۔ بندر روڈ۔ کراچی

فیروز سنز۔ بندر روڈ۔ کراچی

اُردو اکیڈیمی سندھ۔ بندر روڈ کراچی

اِقبال کتاب گھر۔ سمرسٹ اسٹریٹ۔ صدر کراچی

کتاب محل۔ الفنسٹن اسٹریٹ۔ صدر کراچی

مشتاق بک ڈپو۔ شیلڈن روڈ۔ متصل اُردو کالج کراچی

سلطان حسن اینڈ سنز۔ برنس روڈ کراچی

مجلس ترقی ادب، ۲ نرسنگ داس گارڈن۔ کلب روڈ —— لاہور

۲۷۔ پاکستان کا معاشی پس منظر	مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی	3/-/-
۲۸۔ زبان اور اسالیب زبان	مصنفہ سید محمد محمود رضوی مخمور اکبرآبادی	9/-/-
۲۹۔ خط و خطاطی	مؤلفہ ممتاز حسین جونپوری و محمد ایوب قادری	1/8/-
۳۰۔ علمائے سلف و نابینا علماء	مصنفہ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں مرتبہ مفتی انتظام اللہ شہابی و ثناء الحق صدیقی	9/-/-
۳۱۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور اُن کی تعلیمات	مصنفہ مولانا اعجاز الحق قدوسی	10/-/-

علم و عمل حصہ اوّل پر چند تبصرے

عالیجناب وزیرِ تعلیم حکومتِ پاکستان راولپنڈی: "علم و عمل اکیڈیمی کی بیش بہا تالیف ہے۔ یہ بہت مفید اور معلومات افروز کتاب ہے۔"

عالیجناب وزیرِ تجارت " " : "میں نے اس کتاب کو بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے۔"

عالیجناب وزیرِ قانون " " : "یہ کتاب بہت کام کی ہے۔"

عالیجناب محمد شریف صاحب پرسنل اسسٹنٹ عالی جناب وزیر تعلیم حکومتِ پاکستان: "یہ کتاب آپ کی اکیڈیمی کی مطبوعات میں ایک نہایت قیمتی اضافہ ہے۔"

جناب مولانا ماہر القادری صاحب مدیر ماہنامہ فاران کراچی: "کتاب علم و عمل مولوی عبدالقادر مرحوم کی خود نوشتہ سرگزشتِ حیات ہے جو ۱۸۳۱ء میں فارسی میں لکھی گئی تھی اور مولوی معین الدین افضل گڑھی نے اسے اردو کا جامہ پہنایا اور محمد ایوب صاحب قادری نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس کو ترتیب دیا ہے۔ تعارف نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی مرحوم کا لکھا ہوا ہے۔ اور دیباچہ سید الطاف علی صاحب بریلوی نے تحریر کیا ہے۔"

خان بہادر محمد عبدالمجید قریشی سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ: "کتاب علم و عمل کل کی ڈاک سے ملی۔ اسکی ظاہری حسن و خوبی، کتابت اور صحت کو دیکھ کر دل خوش ہوا۔ تاریخی اعتبار سے یہ ایک خاص دور کے معاشرتی اور اخلاقی طرز زندگی

کا اچھا فوٹو ہے۔ میں اس کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

مسٹر محبوب عالم عکس کراچی

مولوی عبدالقادر برلاس صاحب کے فارسی سفرنامہ کا ترجمہ علم وعمل پیش کرکے واقعی اُردو داں طبقہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ وقائع عبدالقادر خانی کا ترجمہ اس لحاظ سے بھی ایک معلوماتی چیز ہے کہ آج سے سوسوا سو (۱۲۵) سال پہلے ہندوستان کے صوبجات بنگال۔ بہار۔ یوپی اجمیر اور دہلی کے نہ صرف رسم و رواج کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس زمانہ میں کس طرح سفر کیا جاتا تھا اور راستہ میں کیا کیا مشکلات پیش آتی تھیں اس کا بھی علم ہوتا ہے۔ پوری کتاب پڑھ جایئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود سفر کر رہے ہیں اور بعض بعض باتیں تو بڑی ہی قیمتی معلومات کی حامل ہیں۔

اُردو نامہ کراچی

علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) فاضل وقائع نگار اپنے وقت کے ایک جید عالم تھے۔ اُن کو علوم متداولہ میں فضیلت حاصل تھی وہ حضرت شاہ عبدالغنی، مفتی صدر الدین، فضل حق خیر آبادی اور مولوی مملوک علی جیسے شہرۂ آفاق اساتذہ کے دوش بدوش درس و تدریس اور تبلیغ دین میں حصہ لیتے تھے۔ شمس العلما مولوی نذیر حسین دہلوی کو بھی مولوی صاحب سے تلمذ حاصل تھا۔ مولف نے ان تمام مقامات کا جہاں جہاں وہ گئے اور وہاں کے تمام علما و فضلا اور دیگر شخصیتوں کا ذکر نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس دَور کے حالات و واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب، حواشی اور مقدمہ نگاری کا فرض محمد ایوب صاحب قادری نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اس کا اندازہ ان کتب کے حوالہ جات سے ہوتا ہے جو کتابیات میں تقریباً ۳۰۰ اُردو فارسی اور انگریزی کتب و رسائل پر مشتمل ہیں اُن کے جامع اور مفید مولف کی سوانح اور اصل کتاب پر کما حقہ روشنی پڑتی ہے۔

رئیس امروہوی
(اخبار جنگ کے)

اس کتاب کا مطالعہ ہمیں ڈیڑھ سو سال قبل کے ہندوستان میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اس برصغیر کے متعدد اہم علاقوں پر انگریزی اقتدار عملاً قائم ہو چکا تھا۔ وقائع نگار عبدالقادر خاں نے اسی پُر آشوب اور انقلاب پذیر زمانے میں رام پور سے مشرقی پاکستان اور اجمیر سے دہلی تک کا سفر کیا اور جس جس شہر میں پہنچے وہاں کے اکابر علم و فضل اور سماجی حالات کے بارے میں اپنے تاثرات بے کم و کاست قلم بند کر ڈالے۔ محمد ایوب صاحب قادری کے حواشی نے اسکی معنویت دو بالا کر دی ہے۔

ILM-O-AMAL

(Waqa'a-i-Abdul Qadir Khani)

Vol. II

A Rare Autobiography of
A 'Man of Action and Learning'
of the Early 19th Century

★

Translated by :
Maulvi Moinuddin Afzalgarhi

Edited by :
Mohd. Ayub Qadri B. A.

Foreword by :
Dr. Nawab Sadaryarjang
M. Habibur Rahman Khan Sherwani

Academy of Educational Research
All Pakistan Educational Conference
Karachi.
1960